محمد الیاس ندوی

سیرت سلطان ٹیپو شہید



مجلس تحقیقات ونشریات اسلام
ندوہ لکھنؤ

سیرت سلطان شہید ٹیپوؒ

مقدمہ

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

پیشِ لفظ: پروفیسر خلیق احمد نظامی علی گڑھ

مصنف: مولانا محمد الیاس ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسکے اٹھتے ہی مسلمانوں کا گھر بیٹھ گیا
تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود

سیرت سلطان ٹیپو شہید

(سلطان مجاہد ٹیپو شہید کی مفصل سوانح حیات، انکے شخصی، خاندانی، دینی و روحانی حالات و تعلقات، کارنامہ جہاد، نظم سلطنت اور سنت و شریعت کے احترام و اجراء کا تفصیلی جائزہ تاریخی وثائق اور مستند حوالوں کی روشنی میں)

از
محمد الیاس ندوی
استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل (کرناٹک)

مقدمہ
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم

ناشر
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنو

سلسلہ مطبوعات نمبر

۲۷۱

بار اول

شعبان ۱۴۱۷ھ دسمبر ۱۹۹۶ء

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

کتابت (کمپوٹر): عائشہ پرنٹ لائن۔ بھٹکل

طباعت: کاکوری آفسیٹ پریس (لکھنؤ)

صفحات: ۶۰۰

تعداد اشاعت: تین ہزار (۳۰۰۰)

قیمت: Rs100/00

کتاب ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ — مکتبہ ندویہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

الفرقان بکڈپو نظیر آباد لکھنؤ — مکتبہ الحسنات ۲۲۲۱ کوچہ چیلان دریا گنج دہلی

دار العلم ۱۳ محمد علی لین روڈ، بھٹکل (کرناٹک) — ندوہ ایجنسی۔۸م کالج حیدر آباد

باہتمام

محمد غفران ندوی

طابع وناشر

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

انتساب

اس شخصیت کے نام جو نہ صرف ذاتی طور پر میری اور میرے مادرِ علمی ومادر وطن کی بلکہ پورے عالمِ اسلام کی روحانی سرپرست ہے جن سے مجھے عقیدت و محبت انکی عالمی شہرت یا بے پناہ مقبولیت کی وجہ سے نہیں بلکہ خاندان نبوی سے ان کے خالص نسبی تعلق ان کے فکری اعتدال علمی توازن حلم وبردباری اور ملت اسلامیہ کے لئے انکی تڑپ وکڑھن کی وجہ سے ہے اس کتاب کے مرکزی کردار ٹیپو شہید کے اندر پائی جانے والی اسلامی اسپرٹ، دینی تڑپ، مذہبی سختی، اور تقویٰ و دینداری بھی انہی کے خاندانی بزرگ اور جدِ امجد شاہ ابو سعید صاحب حسنی اور انکے فرزند شاہ ابو اللیث صاحب حسنی سے انکے خاندان کے روحانی روابط ہی کا نتیجہ تھی۔

اگر سلطان شہید نے مغربی تہذیب اور سامراجی تمدن کے خلاف جہاد بالسیف کیا تو اس شخصیت نے بھی اس کے خلاف جہاد بالقلم کرکے اپنی تحریروں کے ذریعہ بے شمار مسلمانوں کو بالخصوص عالم عرب کو اس سے محفوظ رکھا۔

میری مراد اس کتاب کی تالیف کے اصل محرک مخدومی و معظمی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم کی ذاتِ گرامی سے ہے جن کی توجہات اور دعاؤں کے اثر سے اس کتاب کی ترتیب کے دوران اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر میری نصرت ومدد فرمائی۔

اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ امت کے اس عظیم سپوت اور ملت کی اس عظیم امانت کو تا دیر سلامت رکھے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ٹیپو کی وصیت

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اے جوئے آب بڑھ کہ ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز گرمیٔ محفل نہ کر قبول

صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبریل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

از علامہ اقبالؒ

فہرست عناوین

سیرت سلطان ٹیپو شہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم)

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی،

امابعد!

ہندوستان کی تحریک آزادی میں مسلمانوں کا حصہ قدرتی طور پر بہت ممتاز ونمایاں رہا ہے، انہوں نے جنگ آزادی میں قائد اور رہنما کا پارٹ ادا کیا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ کرنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ ایک ایک صوبہ اور خطہ ان کے زیر نگین آنے لگا اس وقت مسلمان ہی ہندوستان کے فرماں روا تھے۔

سب سے پہلا شخص جس کو اس خطرہ کا احساس ہوا وہ میسور کا بلند ہمت، بلند نگاہ اور غیور فرماں روا فتح علی خاں ٹیپو سلطان (م ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۹ء) تھا۔ جس نے اپنی بالغ نظری اور غیر معمولی ذہانت سے یہ بات محسوس کرلی کہ انگریز اسی طرح ایک ایک صوبہ اور ایک ایک ریاست ہضم کرتے رہیں گے، اور اگر کوئی منظم طاقت ان کے مقابلہ پر نہ آئی تو آخر کار پورا ملک ان کا لقمہ تر بن جائے گا چنانچہ انہوں نے انگریزوں سے جنگ کا فیصلہ کیا اور اپنے پورے سازوسامان، وسائل اور فوجی تیاریوں کے ساتھ ان کے مقابلہ میں میدان میں آگئے۔

ٹیپو نے ہندوستان کے راجاؤں، مہاراجوں اور نوابوں کو انگریزوں سے جنگ

پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اس مقصد سے انہوں نے سلطان ترکی سلیم عثمانی اور دوسرے مسلمان بادشاہوں اور ہندوستان کے امراء و نوابوں سے خط و کتابت کی، اپنے سفیروں کو فرانس، ترکی، ایران، اور دوسرے ممالک بھیج کر بین الاقوامی سطح پر فضا ہموار کرنے کی کوشش کی، نیپولین نے بھی ان سے تعاون کیا، اور وسعت پذیر اور خطرناک برطانوی اقتدار کے ختم کرنے کے مقصد میں ان کی مدد کی، وہ زندگی بھر انگریزوں سے سخت معرکہ آرائی میں مشغول رہے۔ قریب تھا کہ انگریزوں کے سارے منصوبوں پر پانی پھر جائے اور وہ اس ملک سے بالکل بے دخل ہوجائیں مگر انگریزوں نے جنوبی ہند کے امراء کو اپنے ساتھ ملالیا اور آخر کار اس مجاہد بادشاہ نے ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو سری رنگا پٹنم کے معرکہ میں شہید ہو کر سرخروئی حاصل کی انہوں نے انگریزوں کی غلامی اور اسیری اور ان کے رحم و کرم پر زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دی ان کا مشہور تاریخی مقولہ ہے کہ

"گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے"

جب جنرل ہارس کو سلطان کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے ان کی نعش پر کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہے جن کی صداقت کی تاریخ نے تصدیق کردی۔

"آج سے ہندوستان ہمارا ہے"

ہندوستان کی تاریخ سلطان ٹیپو سے زیادہ بلند ہمت، بالغ نظر، مذہب و وطن کے فدائی اور غیر ملکی اقتدار کے دشمن سے آشنا نہیں۔ انگریزوں کے لئے ٹیپو سلطان سے زیادہ مہیب اور قابل نفرت شخصیت کوئی نہ تھی۔ بہت عرصہ تک (اور وہ زمانہ ہم نے بھی دیکھا ہے) وہ اپنے دل کی آگ بجھانے اور آزادی و جہاد کے

میں پیش کیا ہے اس کی مثال اور اس حقیقت کی ترجمانی ایک بڑے مقالہ میں بھی مشکل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اس کے اٹھتے ہی مسلمان کا گھر بیٹھ گیا
تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود

ضرورت تھی اور یہ ان کا حق تھا کہ اس صاحب عزیمت و حمیت اور صاحب ذکاوت و فراست سلطان اور قائد و مجاہد پر ایک منصفانہ و محققانہ کتاب لکھی جائے لیکن افسوس ہے کہ تصانیف اور تاریخی کتابوں کی کثرت کے باوجود انگریزی یا اردو میں کوئی ایسی کتاب اس وقت تک ہماری نظر سے نہیں گذری جس میں ان کے شخصی، خاندانی یہاں تک کہ ان کے دینی و روحانی حالات و تعلقات اور پھر ان کے کارنامہ جہاد، نظم سلطنت اور سنت و شریعت کے احترام و اجراء کی کوششوں کا تفصیل سے ذکر ہو چونکہ ان کا روحانی و اصلاحی تعلق ہمارے خاندان کے بزرگوں سے رہا تھا اسلئے اور بھی خواہش تھی کہ ان سب پہلوؤں پر تاریخی وثائق، قلمی کتابوں اور مستند حوالوں سے روشنی ڈالی جائے اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک فاضل عزیز گرامی قدر مولوی محمد الیاس بھٹکلی ندوی کو دی جنھوں نے اس موضوع پر ایک مفصل تحقیقی کتاب تیار کی جس کی تالیف و ترتیب میں راقم الحروف کی تحریک و تشویق اور ہمت افزائی شروع ہی سے شامل رہی۔ ان کو اس سلسلہ میں سلطان شہید کا پڑوسی ہونے اور جنوبی ہند کے ایک باحمیت اور باتوفیق خطہ بھٹکل (ریاست میسور) کا باشندہ ہونے کی بناء پر حق شفعہ بھی حاصل تھا جس کو فقہ اسلامی نے تسلیم کیا ہے اور اس پر روشنی بھی ڈالی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ انھوں نے اپنے مطالعہ و واقفیت، تعلق قلبی، اور حمیت دینی کی بنا پر بڑی لیاقت و محنت کے ساتھ یہ کام انجام دیا، جس کا اندازہ کتاب کی فہرست اور اس موضوع پر اظہار خیال اور اعتراف کا سب سے زیادہ حق رکھنے والی شخصیت فاضل گرامی پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی علی گڈھ کے مقدمہ ہی سے ہوسکتا ہے جس سے کتاب کی قدر و قیمت اور بڑھ گئی ہے اور وہ اور بھی مستند ہو گئی ہے۔

انشاء اللہ امید ہے کہ سلطان شہید کی شخصیت اور ان کے کارنامے سامنے آنے کے بعد ایک بڑا تاریخی انکشاف اور معلومات میں اضافہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ مصنف عزیز کی اس بامقصد، نتیجہ خیز اور قابل تبریک و تہنیت محنت اور دیدہ وری کو قبول فرمائے اور اس سے کم سے کم ملت اسلامیہ کے نوجوان افراد اور باحمیت اشخاص کو دینی حمیت، اسلامی غیرت، اور ملک کی صحیح خدمت و رہنمائی کی توفیق عطا فرمائے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

ابوالحسن علی ندوی

۲/ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

۲۱/اپریل ۱۹۹۶ء

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

اس ہیرو کی تذلیل و توہین کے لئے اپنے کتوں کو سلطان ٹیپو کے نام سے پکارتے تھے۔

انگریزوں کے اقتدار سے اور اس عالمگیر اقتدار کے سلسلہ میں برصغیر ہند پر برطانوی قبضہ کی اہمیت اور اس کی عہد سازی و انقلاب آفرینی کے سمجھنے اور اس کے سنگین نتائج سے (جو نہ صرف ہندوستان بلکہ ملت اسلامیہ اور بین الاقوامی سیاست اور مستقبل پر اثر انداز تھے) واقف اور خائف ہونے کی بڑی بڑی دوربین، نباض زمانہ اور اہل حمیت وغیرت وغیرہ کے یہاں بھی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ اگر اس کی (ٹیپو سلطان کے علاوہ) کوئی مثال ملتی ہے تو وہ حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۰۱ھ تا ۱۲۴۶ھ) کے ان خطوط میں ملتی ہے جو انہوں نے مہاراجہ گوالیار کے وزیر اعلیٰ راجہ ہندو راؤ اور ان کے فوجی سپہ سالار غلام حیدر خاں کے نام لکھے تھے اور جن میں انگریزوں کے بارے میں یہ فقرے آئے تھے۔

راجہ ہندو راؤ کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے دنیا جہاں کے تاجدار اور یہ سودا بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے ہیں، بڑے بڑے اہل حکومت کی حکومت اور ان کی عزت و حرمت کو انہوں نے خاک میں ملا دیا ہے، جو حکومت و سیاست کے مرد میدان تھے، وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں، اس لئے مجبوراً چند غریب و بے سروسامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے ہیں، اور محض اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اٹھے ہیں، مال اور دولت کی ان کو ذرہ بھر طمع نہیں"

گوالیار کے سپہ سالار افواج غلام حیدر کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضہ میں چلا گیا ہے اور انہوں نے

ہر جگہ ظلم و زیادتی پر کمر باندھی ہے ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہو گئی۔ کسی کو ان کے مقابلہ کی تاب نہیں، بلکہ ہر ایک ان کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے۔ چونکہ بڑے بڑے اہل حکومت ان کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں اس لئے چند کمزور اور بے حقیقت اشخاص نے اس کا بیڑا اٹھایا ہے"*

شاید اس فراست ایمانی، حمیت دینی اور بالغ نظری اور توفیق عمل میں اشتراک کی وجہ یہ بھی ہو کہ سلطان شہیدؒ کے خاندان کا سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے روحانی و تربیتی تعلق تھا جس پر بہت کم کتابوں اور مضامین میں جو سلطان شہید کے بارے میں لکھے گئے ہیں۔ اشارہ کیا گیا ہے اور جس کا انکشاف "وقائع احمدی" کے اس بیان سے ہوا جو سید صاحب کے سفر حج کے موقع پر کلکتہ کے قیام کے سلسلہ میں ان کے خاندان کی صاحبزادیوں اور صاحبزادوں کے سید صاحب کو دعوت دینے اور ان سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم کرنے کے سلسلہ میں کتاب میں آیا ہے اور پیش نظر کتاب "سیرت سلطان ٹیپو شہید" تصنیف عزیز گرامی قدر مولوی محمد الیاس ندوی میں تفصیل سے اس خاندانی تعلق و روابط پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سلطان شہید کی شہادت نے ہندوستان کی بنتی ہوئی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ اور اس کو برطانوی اقتدار کے حوالہ کر دیا۔ جس کے اثرات ہندوستان پر عمومی طور پر اور ملت اسلامیہ ہندیہ پر (جو عالم اسلام میں علمی و دینی و سیاسی طور پر قائدانہ کردار ادا کر چکی تھی) نہایت عمیق، دوررس اور محیط تھے۔ اس حقیقت کو شاعر یگانہ مولانا ظفر علی خاں نے جتنے بلیغ اور حقیقت پسندانہ انداز

* سیرت سید احمد شہید حصہ اول صفحہ ۳۸۹-۳۹۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از:۔ پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی علی گڑھ
(سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ میں ٹیپو سلطان کا نام ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جائیگا۔ بقول اقبال

آں شہیدان محبت را امام
آبروے ہندوچین و روم وشام

اس شمع آزادی کے پروانے نے جس والہانہ انداز میں زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے لئے جان قربان کرنے کی روایت قائم کی اور اعلان کیا

درجہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

اس سے دلوں میں ہمیشہ عزم وہمت کے چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔

سری رنگا پٹنم اور بالاکوٹ جنگ آزادی میں دو منزلیں ہیں جہاں مجاہدین نے سر پر کفن باندھ کر برطانوی استعمار کے خلاف جنگ کی تھی ان مردان غازی کے کارنامے آج بھی چشم تصور سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ تڑپتی ہوئی لاشیں، بہتا ہوا لہو، دمکتے ہوئے چہرے، دہکتی ہوئی روح۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ٹیپو سلطان نے جس طرح سری رنگا پٹنم کے میدان میں جان، جان آفریں کے سپرد کی اس نے مردہ دلوں میں خون زندگی دوڑا دیا پھر سید احمد شہیدؒ نے حمیت دینی سے اس سرفروشی کے جذبہ کو مزید تقویت پہونچائی اور جہاد کا ایسا غلغلہ بلند کیا کہ فضائیں تک

الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب
یہ افضل سے افضل عبادت نصیب

کی صداؤں سے گونج اٹھیں۔ اور جب جنگ ویلور کے بعد ٹیپو سلطان کے خاندان کا قافلہ شہر بدر ہوکر کلکتہ پہنچا تو سید احمد شہیدؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اسلامی ہند کی عظیم ترین تحریک جہاد میں شامل ہوگئے اس طرح سری رنگا پٹنم اور بالاکوٹ کی راہیں مل گئیں۔

ٹیپو سلطان کے حالات زندگی پر سب سے پہلے مستشرقین نے توجہ کی لیکن ان کا مقصد سلطان شہیدؒ کو ایسے معاندانہ رنگ میں پیش کرنا تھا کہ ان کی شخصیت کسی تحریک کا مرکز نہ بن سکے۔ لیکن جب ہندوستانی مورخین نے ان کے حالات زندگی کو تفصیل سے لکھنا شروع کیا تو صورتحال بدل گئی۔ محمود خاں بنگلوری، پروفیسر محب الحسن، پروفیسر بی شیخ علی وغیرہ نے اس سلسلہ میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب ایک جواں سال صاحب ذوق مصنف نے جو ٹیپو سلطان کے وطن سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کی ذہنی تربیت سید احمد شہید کے خاندان کی عظیم المرتبت شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نگرانی میں ندوۃ العلماء میں ہوئی ہے، اس کام کو بڑی محنت اور تلاش و جستجو سے انجام دیا ہے۔ یقین ہے کہ ان کی یہ سعی ہر طرح مشکور ہوگی اور سلطان ٹیپو کے حالات زندگی کو صحیح پس منظر میں سمجھنے میں اس سے مدد ملے گی۔ انھوں نے سلطان شہید کی یہ دلآویز تصویر بڑی تحقیق اور جستجو سے تیار کی ہے اور زندگی کے ہر گوشہ پر روشنی ڈالی ہے۔

ٹیپو سلطان کی شخصیت بہت جامع تھی۔ اس کے مجاہدانہ جذبات کے پیچھے ایک دردمند دل اور دلنواز شخصیت تھی جس کو دین کی اعلیٰ قدروں کے احترام نے اور زیادہ دلکش بنا دیا تھا۔ اس نے انگریزوں کے خلاف تحریک کو پوری سیاسی بصیرت، عسکری مضبوطی اور بین الاقوامی تعاون کے ساتھ آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ عثمانیوں سے روابط قائم کئے، فرانسیسیوں سے انگریزوں کے خلاف معاہدے کیے اور اپنے سفیروں کو فرانس، ترکی، ایران اور دوسرے ممالک میں بھیج کر بین الاقوامی سطح پر فضا ہموار کرنے کی کوشش کی۔ نپولین نے انگریزی اقتدار ختم کرنے میں ٹیپو سلطان کی معاونت کی۔ کافی تعداد میں فرانسیسی افسر ٹیپو سلطان کی فوج کی تربیت کے لئے ہندوستان آئے۔ جب ۱۷۹۷ء میں انقلاب فرانس کی یادگار میں جمہوریت پسندوں کی انجمن بنائی گئی تو ٹیپو سلطان کا نام آزاد شہریوں کی فہرست میں شامل کیا گیا۔ ان سفارتی اقدام کے پیچھے سیاسی، معاشی، تجارتی اور صنعتی مقاصد بھی کارفرما تھے۔ وہ پہلا ہندوستانی مسلمان تھا جس نے مغربی صنعت

و حرفت کے وسیع امکانات کا اندازہ لگایا تھا اور اپنی جد و سعی کا رخ اس طرف کر دیا تھا۔ اس نے ساحلی علاقوں اور شہروں میں فیکٹریاں اور تجارتی کمپنیاں قائم کیں۔ سلک، شکر، کاغذ کے کارخانے قائم کیے دیہاتی صنعتوں کو تقویت پہنچائی ۱۷۹۴ء میں ٹائپ کا پریس قائم کیا اور اردو زبان کا اخبار جاری کیا گیا۔

ٹیپو سلطان نے پوری طرح اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ میدان کارزار اب صحرا و بیابان سے ہٹ کر سمندروں میں پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ اپنے عسکری نظام میں بحری تعلیم و تربیت کو خاص اہمیت دی۔ اس نے چالیس جنگی جہاز اور بیس Frigates حاصل کئے۔ فوجی اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں "فتح المجاہدین" اسی کی ہدایت پر مرتب ہوئی۔ کرپیٹرک (Kirpatrick) نے اس کی بحری تنظیم کو بے حد خطرناک بتایا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ دریائے فرات سے نجف اشرف تک نہر نکالی جائے۔

عسکری نظام اور دلچسپیوں سے قطع نظر ٹیپو سلطان کا ادبی ذوق بھی حیرت انگیز تھا۔ اس کے کتب خانہ کی فہرست چارلس اسٹیورٹ نے ۱۸۰۹ء میں شائع کرائی تھی۔ اس میں اورنگ زیب کے ہاتھ کا لکھا ہوا کلام پاک، تصوف بالخصوص خواجہ گیسودرازؒ کی تصانیف کے علاوہ عربی، فارسی، ترکی اور اردو زبان کی کتابیں شامل تھیں۔

ٹیپو سلطان نے مذہبی رواداری اور وسیع القلبی کی بھی شاندار روایات قائم کیں۔ ڈاکٹر سالیٹور نے اسکی مذہبی فراخ دلی، اور ہندو مذہب کے ساتھ مکمل رواداری کی تعریف کی ہے۔

سلطان شہید نے ۹۹ء میں شہادت پائی اسی سال Bettle of Navarino میں ترکوں کو شکست ہوئی۔ اس طرح یہ سال مسلمانوں کے سیاسی زوال میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن بقول اقبال اسی کے بعد احیاء ملی کی تحریکوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ سید احمد شہیدؒ کی تحریک میں جہاد کے ساتھ احیاء ملی کا پہلو بھی بہت نمایاں تھا۔

یقین ہے کہ علمی حلقوں میں مولانا الیاس صاحب ندوی صاحب کی یہ کوشش انشاءاللہ مقبول ہوگی اور اس کتاب سے سلطان شہید کی شخصیت اور کارناموں کو صحیح پس منظر میں سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اقبال نے صحیح کہا ہے۔

رفت سلطان از سرائے ہفت روز
نوبت او در دکن باقی ہنوز

خلیق احمد نظامی

علی گڑھ ۱۶/فروری ۱۹۹۶ء

تقریظ

(از پروفیسر بی۔ شیخ علی صاحب سابق وائس چانسلر گوا و بنگلور یونیورسٹی)

تاریخ ماضی کا وہ آئینہ ہے جس میں انسانی زندگی کا ہر اہم پہلو سچائی و گہرائی کے ساتھ ابھر آتا ہے چاہے وہ پہلو سماجی ہو یا طبقاتی، سیاسی ہو یا معاشی، انفرادی ہو یا اجتماعی، ذہنی ہو یا اخلاقی، تہذیبی ہو یا تمدنی۔ تاریخ کاروانِ حیات کا حافظہ ہے اور جو اقوام یا افراد اپنے حافظہ کو کھو بیٹھتے ہیں اپنے مستقبل کو تاریک بنا لیتے ہیں، حال ماضی کا نتیجہ ہے اور مستقبل حال کا نتیجہ ہوگا اس لحاظ سے تاریخ کی روح میں ماضی، حال اور مستقبل، تینوں کارفرما ہیں۔ ساری ترقی تہذیب و تمدن انسانی تجربوں کا نتیجہ ہے اور ان نتیجوں کی بنیاد پر ہی مستقبل کا قصر تعمیر کیا جاتا ہے۔ اس حقیقت کا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کس خوبی سے اظہار کیا ہے:

اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے — کھیلتے جاتے تھے ایوان گہ کسریٰ میں شکار
یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ عرب کے رہزن — چاک کرنے لگے جبرئیل امین کے اسرار

عالم اسلام کی ساری تاریخ کا نچوڑ ان دو اشعار میں موجود ہے۔ گہرائی و سچائی، روحانیت و حقانیت کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ماضی کے یہ حقائق ہم میں عبرت و غیرت کا وہ شعلہ بھڑکاتے ہیں جو ہماری اچھی زندگی کے لئے ازحد مفید ہے۔

مالک کا لاکھ لاکھ شکر کہ کم از کم اٹھارویں صدی عیسوی میں جبکہ مسلمانانِ ہند کا برا حال تھا، زندگی کی ہر منزل پر ناموافق حالات کا تسلط تھا، ان کے سیاسی، معاشی، سماجی، تہذیبی، ثقافتی، سبھی شعبوں کو تنزل دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا، اور ان کے فن، ہنر، کمال، مال، دولت، عزت، غیرت، وقار سب پر آنچ آنے لگی تھی، میسور جیسی چھوٹی ر ست سے مسرت و امید کی ایک ایسی کرن پھوٹی جو ہماری کئی ظلمتوں کو دور کر سکتی تھی، یہ پو سلطان شہید کی ہستی تھی جن کی روح میں اس آفتاب عالم تاب، نور اسلام کی روشنی رس بس گئی تھی، اور اسی روشنی کی وجہ سے

برصغیر ہند پر ہی نہیں بلکہ اقوام عالم پر بھی ان کا جلال حیرت انگیز حد تک چھایا ہوا تھا۔ اسی روشنی کا اثر تھا کہ ان میں ہمت و حوصلہ، شجاعت و ذہانت، عزم و استقلال ہی نہیں بلکہ حب الوطنی و حریت، حق و صداقت، عدل و انصاف، رواداری و فیاضی وغیرہ اخلاق عالیہ بھی سرایت کر گئے تھے۔ اسی روشنی کی وجہ انہوں نے تعلیم پھیلائی بداخلاقیوں کو دور کیا، غلط رواجوں کو مٹایا، قانون کا احترام سکھایا، حریت کا سبق پڑھایا اور تہذیب کے چراغ روشن کئے۔ اسی روشنی کی وجہ سے ان میں تدبر، تفکر، تنظیم اختراع، خودی، عمل، آزادی، تلاش حق و مقصد حیات کے وہ چشمے بھی ابھرے جن کی مثال ان کے عہد میں مفقود تھی۔ غرض وہ ایک جلیل القدر تاجدار تھے جو اسلامی تعلیمات سے سرشار ہو کر ملک و ملت کی فلاح و بہبودی کا عزم راسخ رکھتے تھے۔

سلطان کی زندگی کے دو اہم اصول تھے، حبِ اسلام و حبِ وطن۔ دراصل یہ دو اصول بھی ایک ہی سکہ کے دو رخ تھے، خلافت راشدہ کا عہد ان کے ذہن پر نقش تھا وہ تلاش حق و خدمت خلق کو دین محمدیؐ کا اثاثہ سمجھتے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ پر ان کا ایمان تھا۔ حصول آزادی و انسداد غلامی پر ان کا ایقان تھا۔ ہر قسم کی غلامی، سیاسی ہو یا معاشی، سماجی ہو یا تہذیبی سے آزاد رہ کر ہی انسان بندہ مومن کا درجہ پا سکتا ہے۔ یہ ان کا خیال تھا۔ سلطان ایک مرد مجاہد تھا جو دین کے خاطر، آزادی کے خاطر اور وطن کی بقا کے لئے، نہ صرف اپنے تخت و تاج کو پائے حقارت سے ٹھکرانے کے لئے ہی تیار تھا بلکہ اپنی جانِ عزیز کو بھی قربان کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ غیر ملکی اقتدار کے خلاف جہاد کرتے کرتے خاک وطن پر اپنا مقدس خون بہا کر اس کے ذروں کو منور کر دکھایا۔ حبِ اسلام و حبِ وطن کے لئے جب اپنی جان قربان کر دی تو وہ بجا طور پر شہیدان وطن کا امام بن گیا۔ اسی لئے تو علامہ اقبال نے کہا ہے:

"آں شہیدان محبت را امام   آبروئے ہند و چین و روم و شام"

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انگریزوں کو ان سے بڑھکر کوئی اور حریف نہیں ملا۔ سلطان کی حکومت جنگ کے دوران شروع ہوئی اور جنگ کے دوران ختم ہوئی۔ سارے ہندوستان میں میسور ہی ایک ایسی ریاست تھی جس نے انگریزوں کے خلاف ایک نہیں چار جنگیں لڑیں۔ ان میں دو جنگیں تو ایسی تھیں جس نے انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیئے، ان کے سپہ سالار بلبلا اٹھے، یا تو

کٹ گئے، یا بھاگ گئے، یا سری رنگ پٹنم کے قید خانوں کی ہوا کھاتے رہے۔ انگریزوں کی آمد کے بعد سلطان واحد تاجدار تھا جو مسلسل اس رائے پر مصر رہا کہ ملک کی آزادی سے بالاتر کوئی شئے نہیں۔ غلامی کی زندگی سے موت بہتر ہے، آزادی کے ایک لمحہ پر غلامی کی حیاتِ جاوداں قربان ہے۔ اس نے پوچھا

شیر اچھا ہے جسے مہلت ایک روزہ ملی   یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود

سلطان کے اسی خیال کا اختر شیرانی نے یوں اظہار کیا ہے:

"عشق و آزادی بہار زیست کا سامان ہے   عشق میری جان آزادی میرا ایمان ہے

عشق پر کر دوں فدا میں اپنی ساری زندگی   لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے"

بھارت میں بار بار یہ سوال اٹھتا ہے کہ جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کیا حصہ رہا ہے۔ اس کا جواب کوئی جانتا چاہے تو بنگال کے سراج الدولہ یا میر قاسم یا لکھنؤ کے شجاع الدولہ یا میسور کے حیدر علی خاں و ٹیپو سلطان شہید کے دندناتے حملوں سے اندازہ کرے یا سلطان کے ان خوابوں کو پڑھے جو ہر دن علی الصبح وہ لکھ دیا کرتے تھے جن میں ان کی نیند کا ہر لمحہ انگریزوں کے خلاف رزم آرائی میں لپٹا ہوا تھا، یا ۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کے رول پر غائرانہ نظر ڈالے، یا بہادر شاہ ظفر کے جذبات کا احترام کرے جبکہ اس نے کہا،

"عندلیبانِ چمن نے خود قفس کے شوق میں   بیچ ڈالا چند کلیوں کے لئے سارا چمن"۔

یا البلاغ اور الہلال یا کامریڈ یا زمیندار کے صفحے چاٹ ڈالے، یا مولانا محمد علی جوہر کی تقاریر سے حریت کا مفہوم سمجھے یا مولانا حسرت موہانی، مولانا محمود الحسن، حضرت سید احمد شہید، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبد الباری اور مولانا ابوالکلام آزاد کی ان مجاہدانہ کوششوں پر نظر ڈالے جو انصاف کی تاریخ میں محفوظ ہیں۔

سلطان کا دوسرا اہم کارنامہ امور سلطنت میں رعایا کی فلاح و بہبود ہے رزم و پیکار کی مصروفیتوں کے باوجود سلطان نے اتنا بہتر، جامع اور مستحکم نظام قائم کیا تھا کہ وہ آج بھی مہذب ممالک کا نصب العین بنا ہوا ہے۔ اگر دشمن سے تعریف نکلے تو وہ سچائی پر مبنی ہوگی۔ ایک انگریز مورخ مور رقمطراز ہے، "جب آپ اجنبی ملک سے گزر رہے ہوں اور دیکھیں کہ زراعت ترقی پر

ہے۔ شہر آباد ہیں، صنعت و حرفت کو ترقی ہو رہی ہے، تجارت فروغ پر ہے اور ہر گام پر ترقی یہ ظاہر کر رہی ہے کہ رعایا خوشحال ہے تو سمجھ لو کہ حکومت عوام کی مرضی کے مطابق ہے۔ یہ ہے ٹیپو کی حکومت کا نقشہ"۔ یہ صورت حال اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جبکہ حکمران اپنے یا اپنے خاندان کے لئے نہیں بلکہ قوم اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے حکمرانی کرے۔ مادی منافع یا جاہو حشم کے لئے نہیں بلکہ ملک و ملت کی بہتری کے لئے اپنا تن من دھن صرف کر دے۔ سلطان ایک جمہوریت پسند انسان تھا۔ اپنے آپ کو محض "شہری ٹیپو" کہا کرتا تھا۔ اسلامی جمہوریت کے اصولوں سے بھی بخوبی واقف تھا اور فرانس کے ان اصولوں سے بھی جن کی بنا پر فرانس میں انقلاب عظیم برپا ہوا۔ چنانچہ اس نے سرینگا پٹنم میں ایک جیکوبن کلب (Jacobin) کی بنیاد ڈالی اور اپنے محل کے سامنے "درخت آزادی" (Tree of Liberty) لگایا تاکہ عوام پر یہ ثابت ہو کہ وہ ایک شہری ٹیپو ہے (Citizen Tippu) بالفاظ دیگر سید القوم خادمہم کا نقشہ پیش کرنا چاہتا تھا۔

جدت و اختراع کا سلطان کو اسقدر شوق تھا کہ کئی شہروں کے نام بدل ڈالے۔ ہندوستانی کوس، وزن کے باٹ، پیمانے کے آلے سب نئے نام پائے، ہجری سن کے بجائے مولودی قائم کی۔ مہینوں اور سالوں کے نام عربی میں منتقل کر دئیے، ہندسے لکھنے کا طریقہ بدل دیا۔ ایک نئی تقویم جاری کی، تعمیر میں انتہائی کمال کر دکھایا۔ دریائے کاویری پر بندھ باندھ کر نہری آب پاشی کی تجویز سلطان ہی نے سوچی تھی۔ آج بھی ان کے منصوبے کا کتبہ کرشنا راج ساگر کے بلند دروازہ پر چسپاں ہے جو ان کی دور اندیشی کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کرتا ہے۔ سلطان نے چند امراض کے ایسے نسخے سوچے کہ طبیب بھی حیران تھے۔ علم نوازی کا ایسا شوق تھا کہ جامع الامور کے نام سے سرینگ پٹن میں ایک یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی، پینتالیس سے زیادہ کتابیں اپنی نگرانی میں لکھوائیں، ندرتِ طبع کا یہ حال تھا کہ جرائم کے لئے ایک نئے طرز کی سزا سوچی۔ ہر مجرم کو اس کے جرم کی مناسبت سے ایک درخت اگانے کی ذمہ داری سونپی۔ معمولی جرم کے لئے ایسا درخت تجویز پاتا جس کے لئے کم محنت و مہلت درکار ہوتی اور سنگین جرم کے لئے کافی طویل محنت و مہلت، رعایا میں تجارتی دلچسپی پیدا کی غرض سے ایک جائنٹ سٹاک کمپنی کے طرز کا

ادارہ قائم کیا جس میں کم سرمایہ والوں کو تجارت کی ترغیب کے لئے زیادہ منافع دیا جاتا تھا۔ شراب حرام کر دی گئی۔ عصمت فروشی کو جرم قرار دیا گیا، غلامی کا انسداد کیا گیا ستر پوشی لازمی قرار دی گئی۔ بے جا اسرافات و رسومات پر پابندی لگا دی گئی۔ ریشم کی کاشت کا اجراء کیا۔ قسطنطنیہ کو جب سفیر گئے تو یہاں کے بنے ہوئے راکٹ بھی بطور تحفہ ساتھ لے گئے۔ حال میں جب امریکہ نے راکٹ کی تاریخ لکھنی شروع کی تو حیدر علی خاں اور ٹیپو کا نام اس کے بانیوں میں شمار کیا۔ سرینگا پٹن میں بنے ہوئے توپ یوروپی توپوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ سلطان نے ساحل مالابار میں موتی نکالنے کی ترکیب کی ابتدا کی۔ پٹن کا کاغذ کا کارخانہ مشہور تھا۔ یہاں ایک ایسا انجن بنا جو پانی سے چلتا تھا اور جس سے توپوں میں سوراخ ڈالنے کا کام لیا جاتا تھا۔ سلطان ہی ہندوستان کا واحد حکمران تھا جس نے جہاز سازی کی طرف کافی توجہ مبذول کی، بحری بیڑہ تیار کیا، ۹۳ء میں ایک سو جہاز بنانے کا حکم صادر کیا۔ غرض یہ کہ انھوں نے اپنے ملک کو فردوس بریں بنانے کا خواب دیکھا اور اس خواب کو سچا کر دکھانے میں اپنی زندگی صرف کر دی۔

یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ مورخوں نے سلطان کی خدمات کا حق ادا نہیں کیا ہے۔ حق ادا کرنا تو کیا، ان کے ساتھ انصاف بھی نہیں کیا۔ انگریز تو خیر ان کے خون کے پیاسے تھے۔ اپنی دشمنی، تعصب، تنگ نظری، بد گمانی، ملک گیری، اقتدار و دولت کی ہوس میں انھوں نے سلطان پر ایسے ایسے الزامات تراشے جو قیاس بھی نہیں کئے جا سکتے۔ لیکن برادرانِ وطن نے بھی غیر ملکی زہر کے زیر اثر سلطان پر تہمتوں کا انبار لگا دیا۔ خدا کا شکر کہ ملک کی آزادی کے بعد حقیقت کے پردے فاش ہو رہے ہیں اور حریت کے جانباز سپاہی کے اصلی جوہر منظر عام پر آ رہے ہیں۔ ابھی بہت کچھ درکار ہے۔

یہ کتاب سیرت سلطان ٹیپو شہید بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہ ایک ایسے جوشیلے نوجوان معلم کے قلم سے مرتب ہو رہی ہے۔ جو سلطان کو عالم اسلام کا ایک درخشاں ستارہ سمجھتا ہے۔ سلطان کو اسلامی طرز حکومت کا ایک نادر نمونہ بتاتا ہے۔ سلطان کو اسلامی عقائد و حقائق کا ایک بے نظیر مرقع تصور کرتا ہے۔ سلطان کو اسلامی شان و شجاعت و صداقت کا ایک بہترین آئینہ سمجھتا ہے، سلطان کو شریعت محمدی کے نفاذ کا درجہ عطا کرتا ہے سلطان کو قابل

تعظیم و تکریم اسلئے سمجھتا ہے کہ ان کی حکومت شرع اسلام کے بالکل موافق بن گئی تھی۔ ان کے اس خیال سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔

ساتھ ہی ساتھ یہ خیال بھی رکھنا ہوگا کہ سلطان کے نظام حکومت میں وہ سب انقلابی عنصر موجود تھے جو ظہور اسلام کے بعد اٹھارویں صدی عیسوی تک ذہن انسانی کو ترقی کی راہ پر گامزن کر رکھے تھے۔ سلطان مشرق و مغرب کے اعلیٰ اصول کا مرکب تھا۔ وہ ایسے نظام کے قیام کا خواہاں تھا جس میں تکمیل بشر کا امکان ہو۔ وہ اسی مقصد کیلئے زندہ رہا اور اسی مقصد کے حصول کے خاطر اپنی جان دیدی۔

بی شیخ علی

میسور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغاز سخن

الحمدللہ رب العالمین الرحمان الرحیم مالک یوم الدین وبہ نستعین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ وذریاتہ واھل بیتہ ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین

امابعد۔

تفسیر کلام پاک تشریح احادیث مبارکہ اور سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم ایسے موضوعات ہیں جس کے بارے میں کسی مرتب یا مصنف نے آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے ان کا حق ادا کیا ہے اور نہ ان موضوعات کی بے پناہ وسعت کو دیکھتے ہوئے کوئی اسطرح کا دعویٰ کر سکتا ہے

صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر کیلئے مولانا ابوالکلام آزاد کو ترجمان القرآن میں پانچ سو صفحات پر مشتمل پوری ایک جلد درکار تھی احادیث مبارکہ کی متعدد کتابوں میں صرف صحیح بخاری کی تشریح و تحقیق کیلئے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے پوری چودہ جلدیں لیں علامہ سید سلیمان ندوی سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کو سات ضخیم جلدوں میں لکھنے کے باوجود اس کا حق ادا کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکے۔ کچھ یہی حال چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ کی تدوین و ترتیب کا بھی ہے اسلامی تہذیب و ثقافت علوم و فنون اقوام و قبائل سلطنتوں اور مشاہیر امت میں اگر مؤخر الذکر گوشہ ہی کو لیا جائے تو یہ بات پورے

وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اسکے بعض نامور فرزندان کا تاریخ کے اوراق میں سرے سے تذکرہ ہی نہیں ہے اسی طرح بعض مسلم شخصیات ایسی بھی ہیں جن پر کام تو ہوا ہے لیکن ان کی ناقابل فراموش اسلامی خدمات اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے انکی قربانیوں و جدوجہد کو دیکھتے ہوئے اسلامی تاریخ کے صفحات میں ان کو وہ حق نہیں دیا گیا جس کے وہ مستحق تھے تاریخی اعتبار سے ان کے ساتھ ناانصافی ہوئی اور اس حیثیت سے ان کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہوا، زیادہ صحیح الفاظ میں ان کی حق تلفی کی گئی ان ہی مظلوم تاریخ ساز شخصیات میں سلطان مجاھد حضرت ٹیپو شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی ہے جن کی تاریخ وسیرت نگاری میں اسلامی مصنفین کے بجائے زیادہ تر غیر مسلم بالخصوص مغربی مورخین ومستشرقین ہی پیش پیش رہے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف ان کی ضمنی وذیلی خوبیاں تو مسلمانوں کے سامنے آگئیں لیکن ان کے حقیقی اسلامی مشن، بنیادی اوصاف، طبعی خصوصیات اور ان فطری کمالات ودینی امتیازات پر پردہ پڑا رہا جس سے وہ محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، صلاح الدین ایوبی اور سید احمد شہید کی صف میں شامل ہونے کے قابل تھے دوسری طرف مغربی مورخین نے ان کی تاریخ کو مسخ کر ڈالا اور عالم انسانیت کے سامنے ان کی شخصیت کو ظالم وجابر اور ایک متعصب حکمران کے روپ میں پیش کیا چنانچہ "ولکس" نے اپنی کتاب تاریخ میسور میں اسکو کٹر متعصب ثابت کرنے کی کوشش کی، "کرپیٹرک" نے اپنی تمام کوششوں کو اسے عدم روادار قرار دینے پر صرف کیا، ایک مشہور انگریز مورخ "لیون بی بورنگ" نے تعصب کے اعتبار سے اسکو محمود غزنوی کا ہمسایہ ثابت کرنے کی کوشش کی اسی طرح اس سے ہمدردی کے نام پر بعض مورخین نے اسکی جرات وبہادری کا فرانس کے نپولین سے موازنہ کر کے دنیا کو غلط تاثر دینے کی کوشش کی اس لئے کہ ٹیپو شجاعت میں نپولین سے بہت آگے تھا۔ فرانس کے اس فوجی جنرل نے اپنی غیر معمولی شہرت وبہادری کے باوجود

آخر میں دل برداشتہ ہو کر اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالہ کر دیا تھا لیکن ٹیپو نے اس سے زیادہ سخت حالات میں بھی خود سپردگی کو اپنی توہین قرار دیتے ہوئے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے شیر کیطرح مرنا پسند کیا اس پس منظر میں اس طرح کا موازنہ اسکی شخصی اہمیت کو گھٹانے کے مترادف تھا

غرض یہ کہ غیر مسلم مورخین نے اپنی کتابوں میں قارئین کو یہ تاثر دینے کی حتی الامکان کوشش کی کہ اس نے اپنے عہد حکومت میں ہندوؤں اور عیسائیوں پر غیر معمولی ظلم کیا اس کے حکم سے بے شمار مندروں کو ڈھایا گیا اور ہزاروں غیر مسلموں کو جبراً اسلام میں داخل کیا گیا ان الزامات کی حقیقت کو سمجھنے کیلئے ہم صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں وہ یہ کہ ٹیپو سے متعلق لکھی گئی اکثر کتابوں میں اس غیر مصدقہ روایت کو نقل کیا گیا ہے کہ اس نے صرف کورگ شہر میں ستر ہزار ہندوؤں کو جبراً مسلمان بنایا تھا جبکہ تاریخ میسور پر نظر رکھنے والا ایک عام طالب علم بھی یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ عہد ٹیپو میں کورگ شہر تو دور کی بات پورہ خطہ کورگ کی جملہ آبادی بھی ۲۵/۳۰ ہزار سے زائد نہیں تھی اور اس میں بھی کئی ہزار مسلمان اور عیسائی پہلے ہی سے موجود تھے ان الزامات کی حقیقت کو واشگاف کرنے کی توقع مغربی مورخین سے بے جا تھی اس لئے کہ مغرب کیلئے متعدد وجود کی بنیاد پر مسلم سلاطین میں ٹیپو سے زیادہ قابل نفرت کوئی اور شخصیت نہیں تھی۔

یوں تو فارسی میں نشان حیدری کے نام سے اس موضوع پر ٹیپو کے معاصر میر حسین علی کرمانی کی تصنیف پہلے ہی سے موجود تھی لیکن کرمانی کے انگریزوں کے پاس نظر بندی کے دوران ان ہی کے حکم پر اس کتاب کے لکھنے کی وجہ سے ان کی منشاء کے مطابق بعض غیر مصدقہ روایات کو اس کتاب میں جگہ مل گئی تھی بعد میں محمود خان بنگلوری نے "سلطنت خداداد میسور" کے نام سے ایک مفصل کتاب لکھی

لیکن ان کی یہ تالیف بھی متعدد خوبیوں کے باوجود بعض وجوہات کی بناء پر تاریخی معیار پر پوری نہیں اترسکی شعوری یا غیر شعوری طور پر اس میں بھی بعض غیر محقق واقعات جگہ پاگئے اس کے بعد پروفیسر محب الحسن صاحب اور پروفیسر بی شیخ علی صاحب نے انگریزی میں اس موضوع پر تحقیقی کام کیا اور سچی بات یہ ہے کہ سلطان شہیدؒ پر ان دونوں کی کتابیں بڑی طویل کاوش و جستجو کا نتیجہ اور اب تک کی سب سے زیادہ قابل اعتماد کتابیں تھیں لیکن ان سب تحقیقات و تصنیفات کے باوجود شہید ملت کی زندگی سے متعلق بعض اہم گوشے ایسے بھی تھے جس پر اب تک کسی بھی کتاب میں تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی گئی تھی اور وہ پہلو اس کے مبلغ اسلام اور ایک داعی حق ہونے کا تھا اب تک کی تمام موجودہ کتابوں میں اس کو صرف بحیثیت ایک کامیاب حکمران، ذہین سیاستدان، قابل منتظم اور بہادر سپہ سالار کے روپ میں پیش کیا گیا تھا اور ان ہی حیثیتوں سے اس کے کارناموں اور خوبیوں کو الگ الگ انداز سے بیان کرنے کی کوشش بھی کی گئی تھی نتیجہ یہ تھا کہ عالم اسلام کیلئے اسکی مساعی اور اتحاد بین المسلمین کیلئے اس کی غیر معمولی کوششوں کو بھی سیاسی فوائد اور فوجی مفادات ہی کے پس منظر میں دیکھا گیا مثلاً جب اس نے قسطنطنیہ خلافت عثمانیہ کی خدمت میں اپنا سفارتی وفد بھیجا تو مورخین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اسکا مقصد اپنی بادشاہت کی توثیق کے علاوہ انگریزوں کے خلاف ایک بڑے سیاسی وفوجی محاذ کا قیام تھا حالانکہ خلیفہ عثمانی کے نام لکھے گئے اس کے متعدد خطوط کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ تو ضمنی مقاصد تھے اصلاً اس وفد کے ذریعہ وہ خود سلطان سلیم خلیفہ روم کو عالمی سطح پر خلافت عثمانیہ کے خلاف ہونے والی ریشہ دوانیوں اور مغرب بالخصوص برطانیہ کے ناپاک عزائم سے واقف کرانا چاہتا تھا

اتحاد اسلامی کیلئے اسکی کوششوں، ایک صحیح اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے

اس کے منصوبوں، عقائد کے سلسلہ میں اسکی پختگی، بدعات وخرافات سے اسکی طبعی نفرت اور اسکے تقویٰ وپاکبازی وغیرہ کے تفصیلی حالات ایسے تھے جو اسکو ایک حکمران و سیاستدان سے زیادہ ایک سچے مبلغ اسلام اور داعی حق سلطان کے روپ میں اسلامی تاریخ کے نامور فرزندان کی فہرست میں شامل کرنے کیلئے کافی تھے لیکن افسوس کہ اب تک سلطان شہید پر اس حیثیت سے تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر تھا۔

یہی وہ اسباب و محرکات تھے جس کے پس منظر میں مربی و مخدومی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم بار بار اپنی مجالس میں کہتے تھے کہ اسلامی تاریخ میں سلطان ٹیپو کو وہ حق نہیں دیا گیا جس کے وہ مستحق تھے حالانکہ ہندوستانی تاریخ ان سے زیادہ بلند ہمت و بالغ نظر مذہب و وطن کے فدائی سلطان سے آشنا نہیں۔ تصانیف کی کثرت کے باوجود ان کی ہمہ جہت شخصیت پر ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے بالخصوص ان کی اسلامی و دینی حیثیت کو اجاگر کرتے ہوئے ایک مفصل کتاب کی ضرورت اب بھی باقی ہے کوئی اللہ کا بندہ اٹھے اور اس خدمت کو انجام دے تو ملت کی سنہری تاریخ کا ایک اہم خلا پر ہوسکتا ہے ۱۹۸۸ء میں جب میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فضیلت کے بعد اپنے وطن بھٹکل لوٹا تو میرے ذہن کے کسی گوشہ میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک نیک و برگزیدہ بندہ کی دلی تمنا و خواہش کی تکمیل کا مجھ بے بضاعت کو ذریعہ بنائیگا ۱۹۹۲ء کے اوائل میں ایک روز میرے محترم استاذ و کرم فرما مولانا فاروق صاحب ندوی (سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل) نے مجھ سے یہ کہا کہ بنگلور کے ایک موقر ادارہ کی طرف سے عربی میں سلطان شہید کی سوانح حیات لکھنے کی پیش کش کی گئی ہے ان کا مجھ سے تعلق و شفقت کی وجہ سے اصرار تھا کہ میں اس ذمہ داری کو قبول کروں مجھے فوراً حضرت مولانا دامت برکاتہم کی وہ باتیں یاد آگئیں جو میں ندوہ کے زمانہ طالب علمی میں مولانا کی اکثر مجالس میں سنتا

تھا میں نے کہا کہ عربی میں منتقل کرنے کے لئے اس وقت میرے ذہن میں ایسی کوئی نمونہ والی قابل ترجمہ کتاب نہیں ہے جس میں عربوں کی ضرورت اور ان کے دینی مزاج کے پیش نظر اسلام کیلئے ٹیپو کی خدمات کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہو اگر حضرت مولانا مدظلہ العالی اجازت دیں اور اس سلسلہ میں میری پوری رہنمائی کا وسرپرستی کا وعدہ فرمائیں تو میں سب سے پہلے اردو ہی میں اس موضوع پر ان کی منشاء کے مطابق تحقیقی کام کرونگا اسکے بعد اسکی عربی میں منتقلی کی نوبت آئیگی چنانچہ میں نے اس سلسلہ میں اسی وقت لکھنو حضرت مولانا کو ایک تفصیلی خط لکھا جس کے جواب میں آپ نے نہ صرف اپنی غیر معمولی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فوری اس کام کو شروع کرنے کا حکم دے کر اپنی رہنمائی وسرپرستی کا وعدہ فرمایا بلکہ مجھے فوراً لکھنو بلاکر پورے کام کا نقشہ بھی سمجھادیا اور فرمایا کہ مجھے اس کی تکمیل کا شدت سے انتظار رہے گا اور میں دیکھوں گا کہ تم کتنی جلد اس کام کو پورا کرتے ہو، مجھے اپنی نوعمری، کم علمی اور نا تجربہ کاری کی وجہ سے اندازہ نہیں تھا کہ یہ کام کس قدر نازک اور مشکل ہے چنانچہ حضرت مولانا کے شدت اشتیاق کو دیکھتے ہوئے میں نے ۲/۳ سال کے اندر اس کو مکمل کرنے کا وعدہ کیا لیکن جیسے جیسے کام آگے بڑھتا گیا اسکی پیچیدگیوں اور دشواریوں کا اندازہ ہونا شروع ہوا اس لئے کہ مجھے سیرت سید احمد شہید کے طرز پر کام کرنے کی ہدایت تھی اور سلطان شہید پر اس انداز سے ابھی تک کام نہیں ہوا تھا اسکے لئے مجھے سب سے پہلے اسلامی تاریخ کے ایک بڑے حصہ کا از سر نو مطالعہ کرکے عہد ٹیپو سے پہلے کے ملکی وعالمی سطح پر تاریخی، دینی اور سیاسی حالات کا جائزہ لے کر اسکے دینی و سیاسی مشن کی دشواریوں اور اہمیت کو بیان کرنا تھا پھر اسکی ان معاصر حکومتوں پر بھی نظر ڈالنے کے علاوہ جن کے ساتھ وہ برسرپیکار تھا اسکی شہادت اور زوال سلطنت خداداد کے عالم اسلام اور ہندوستان کی سیاست پر مرتب ہونے والے تاریخی اثرات کو بھی دکھانا تھا ورنہ ان

سب خصوصیات کے بغیر میری اس کاوش کی کوئی اہمیت نہیں تھی ظاہر بات ہے کہ اس کیلئے یکسوئی اور دوسرے مشاغل سے فراغت ضروری تھی اور سلطان شہید کی دینی و اسلامی حیثیت کو اجاگر کرنے کیلئے مجھے مطبوعہ کتابوں کے علاوہ ان قلمی نسخوں مخطوطات اور شاہی فرامین و خطوط کنگھالنے کیلئے جو مختلف جگہوں پر پھیلے ہوئے تھے اور حضرت مولانا کے واسطے سے مجھے بآسانی مل سکتے تھے مسلسل اسفار بھی ناگزیر تھے لیکن جس رفتار سے یہ کام چل رہا تھا اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ شاید ۸/۷ سال اور لگ جائیں گے چنانچہ ۱۹۹۵ء میں میں نے اپنے تدریسی مشاغل سے سال بھر کیلئے رخصت لے لی اور صبح شام اسی کام میں لگ گیا اور الحمدللہ ۱۹۹۶ء میں کام کو مکمل کرکے میں نے کتاب کا مسودہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کردیا اس کو دیکھ کر آپ نے جس قدر مسرت و خوشی اور اطمینان کا اظہار فرمایا اسکو میں بیان نہیں کرسکتا میری زندگی کا وہ یادگار لمحہ تھا فرط مسرت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا پیٹھ تھپتھپائی اور ڈھیر ساری دعائیں دے کر فرمایا کہ تم نے ہماری توقع وامید سے بہت زیادہ اچھا کام کیا ہے خود بھی آپ نے مسودہ کو دیکھا اور مزید نظر ثانی کیلئے برصغیر کے مشہور ومعروف مورخ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب کی خدمت میں بھیج کر ان کو خط لکھا کہ ہماری تحریک ورہنمائی میں یہ تاریخی کام مکمل ہوا ہے اگر آپ اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی کرینگے تو ہمارے لئے یہ بات ذاتی طور پر باعث مسرت وسعادت ہوگی چنانچہ دو ماہ بعد مسودہ کو دیکھ کر انھوں نے اس پر جو ہمت افزاء تاثرات لکھے تو حضرت مولانا نے مجھ سے کہا کہ نظامی صاحب کی تصدیق کے بعد تمہاری یہ کتاب اب عصری تعلیم یافتہ حلقہ میں بھی تاریخی و تحقیقی اعتبار سے مستند ہوگئی اور اسکی قدر وقیمت اور بڑھ گئی اسکے بعد آپ نے نہ صرف خود بھی ایک گراں قدر مقدمہ اس پر تحریر فرمایا بلکہ ازراہ شفقت اسکو اپنی سرپرستی میں چلنے والے ملک

کے ایک موقر علمی و تحقیقی ادارہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ سے شائع کرنے کا فیصلہ فرمایا اور کہا کہ ہم اسکو انشاء اللہ خود اپنی نگرانی میں عربی و انگریزی میں بھی منتقل کروائینگے۔ فللہ الحمد و لہ الشکر

میں نے اس کتاب کے مسودہ کو احتیاطا اس موضوع پر اس وقت پورے ہندوستان میں سند کا درجہ رکھنے والے ماہر ٹیپو پروفیسر بی شیخ علی صاحب سابق وائس چانسلر گوا و مینگلور یونیورسٹی کی خدمت میں بھی پیش کیا جنھوں نے اپنی بے پناہ مشغولیات کے باوجود حرفا حرفا اسکو دیکھ کر اپنے گرانقدر مشوروں سے نواز کر بعض جگہ اسکی اصلاح بھی فرمائی پھر بھی اب بھی مجھے فرو گزاشتوں سے براءت کا دعویٰ نہیں میں اس کتاب کو اس موضوع پر ہرگز مکمل نہیں سمجھتا بلکہ مجھے یقین ہے کہ اب بھی اسمیں ترمیم و اضافہ کی بہت گنجائش ہے میں نہایت احسان مند ہونگا اپنے ان مخلصین کا جو مجھے اس سلسلہ میں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں تاکہ اگلی اشاعت کے موقع پر اسکا خیال رکھا جاسکے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی تالیف کے دوران میری جسطرح مدد و دستگیری فرمائی اسکو میں بیان نہیں کرسکتا قدم قدم پر اسکی نصرتوں کا ظہور ہوتا رہا اور صرف اور صرف اسی کی توفیق سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا اگر اس کتاب میں قارئین کو کوئی خوبی نظر آئے تو میں اسکو اسی رب کریم کیطرف منسوب کرتا ہوں اور اسکی غلطیوں اور خامیوں کی خود اپنی طرف نسبت کرتا ہوں

مربی و مخدومی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم نے اس سلسلہ میں شروع سے آخر تک تحریک، ترغیب، تشویق و ہمت افزائی اور بے پناہ شفقتوں کے ذریعہ جسطرح میری سرپرستی فرمائی اور اسکی تکمیل و طباعت کا جس قدر آپ کو شدت سے اشتیاق و انتظار رہا اس کو میں بیان نہیں کرسکتا اور ان کے ان عظیم

احسانات کو زندگی بھر فراموش بھی نہیں کرسکتا محض توفیق الٰہی سے پایہ تکمیل تک پہنچنے والی اپنی اس حقیر سی کوشش کا ان ہی کی بابرکت ذات گرامی کیطرف انتساب کرکے میں یہی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ملت کی اس عظیم امانت کو تادیر سلامت رکھے اور ان کو ان کی ناقابل فراموش دینی خدمات کا آخرت میں اپنی شایان شان بدلہ نصیب فرمائے۔ آمین

میں پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب علیگڈھ اور پروفیسر شیخ علی صاحب میسور کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ ان دو بزرگوں نے میرے اس مسودہ کا اپنی بے پناہ مشغولیات کے باوجود مطالعہ کرکے اپنے قیمتی تاثرات کے ذریعہ میری ہمت افزائی فرمائی۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں استاذ مکرم مولانا قاضی فاروق صاحب ندوی کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی ترغیب ودلچسپی اور خصوصی دعائیں حضرت مولانا مدظلہ العالی کے بعد اس کتاب کی تکمیل میں سب زیادہ شامل تھیں

محترم المقام حضرت مولانا معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کا بھی میں نہایت مشکور ہوں جن کی خصوصی شفقتیں اور کرم فرمائیاں ہمیشہ کیطرح اس کتاب کی تکمیل میں بھی بالعموم اور مجلس سے اسکی جلد طباعت میں بالخصوص شامل رہیں

اسی طرح اگر ذمہ داران جامعہ کی عنایتیں نہ ہوتیں اور وہ مجھے وقتاً فوقتاً اس کام کیلئے فارغ نہ کرتے تو یہ کام شاید اتنی جلد پایہ تکمیل تک نہ پہنچتا خدا ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اسکے علاوہ میں محترم جناب سلیم تمنائی صاحب میسور عبداللہ صاحب وطن پریس بنگلور اور مولانا عبدالعزیز صاحب ندوی بھٹکلی مولانا عفران صاحب ندوی

مولانا انیس صاحب ندوی ڈاکٹر شفیع احمد شریف صاحب میسور اسماعیل ارشاد صاحب خلیفہ و مولوی شعیب صاحب ندوی وغیرہم کا بھی شکر گذار ہوں جن کا مجھے وقتاً فوقتاً اس سلسلہ میں تعاون حاصل رہا

آج مجھے رہ رہ کر اپنے محسن بزرگ الحاج محی الدین منیری صاحبؒ سابق ناظم جامعہ اسلامیہ بھٹکل یاد آرہے ہیں جو میری اس کتاب کی تکمیل کے بے حد مشتاق تھے اگر وہ آج بقید حیات ہوتے اور میری اس حقیر کاوش کو زیور طباعت سے آراستہ دیکھتے تو ان کی خوشی کی انتہاء نہیں رہتی اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے

جس ستودہ صفات رحیم و کریم آقا نے محض اپنے لطف و کرم سے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے اسی کی ذات عالی سے مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ وہی اس کو اپنے پاس قبولیت سے نواز کر اسکے نفع کو عام فرمائیگا اور سلطان شہید کے علاوہ اسکو ہم سبھوں کی مغفرت کا ذریعہ بنائیگا جو اسکی تدوین و ترتیب میں کسی بھی طرح سے شریک ہیں

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم

والسلام

محمد الیاس محی الدین ندوی — جامعہ اسلامیہ

۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ — بھٹکل

مطابق ۲۴/ اکتوبر ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

ہندوستان میں مسلمانوں نے سات صدی تک حکومت کی، ان کی حکومت مسلمانوں کی ہونے کے باوجود تمام اہل وطن کے ساتھ روادار اور ہمدرد حکومت رہی، ملک کی اکثریت غیر مسلم ہونے کے باوجود مسلمان حاکموں کی رواداری سے عموماً مطمئن رہی، اور ان کو اپنا حاکم مانتی رہی، بعض بعض طالع آزما ہندو یا سکھ لیڈروں نے مسلمان حاکم سے مخالفت کی، معرکہ جنگ بھی کی، لیکن وہ بحیثیت ہندو یا سکھ کے نہیں بلکہ حصول حکومت کے جذبہ سے کی، جس میں ہندو مسلمان کا فرق نہیں دیکھا جاتا تھا، رواداری کا یہ رویہ ان مسلمان باشندوں نے بھی اختیار کیا جو کسی ہندو راجہ کے زیر حکومت تھے، اس طرح دونوں فریقوں کا رویہ مسئلہ کو فرقہ وارانہ بنیاد پر دیکھنے کا نہیں رہا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو مسلمان حکمراں آسانی کے ساتھ اتنی صدیوں تک حاکم نہیں رہ سکتے تھے، یقیناً مذہبی جنگ چھڑتی اور دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر غالب آجاتا اور زبردستی اپنے مذہب میں سب کو داخل ہونے پر مجبور کر دیتا، لیکن ایسا پیش نہیں آیا، مگر برطانیہ سے آئے تاجر و کارخانہ دار جب کاروبار تجارت کے لئے یہاں آئے تو انھوں نے صرف تجارتی فائدے تک اپنے کو محدود نہیں رکھا بلکہ ملک کی سیاست اور حکمرانوں کی آپس کی رقابت میں دخل دیا اور ایک فریق کو دوسرے کے مقابلہ

میں مدد دی اور بتدریج ایک ایک حکومت کو اسکی مخالف طاقتوں کی مدد کرکے اپنے مسلح محافظین کے دستوں کی مدد سے گراتے رہے اور شکست پانے والی حکومت کے وارث بنتے رہے۔ اس طرح انگریزوں کا قبضہ پھیلتا گیا، اور یہاں کے علاقائی مسلم حکمراں یکے بعد دیگرے انگریزوں کی پر مکر سیاست کا شکار ہوتے چلے گئے، کسی نے دھوکہ کھایا اور انگریزوں کی تابعداری قبول کرلی اور کسی نے شکست کھائی اور ان کی حکومت انگریزوں کے قبضہ میں چلی گئی، لیکن جنوبی ہندوستان کے غیور اور بہادر مسلم حاکم نے جنکو سلطان ابوالفتح فتح محمد ٹیپو کہتے ہیں، انگریزوں کے سامنے جھکنے کو پسند نہیں کیا اور جواں مردی کے ساتھ مقابلہ پر آگیا سلطان ٹیپو نے اولاً دیگر حکمرانوں کو تعاون کے لئے متوجہ کیا اور بتایا کہ ملک کو سات سمندر پار رہنے والے مفاد پرست اور سامراجی مقصد کے لوگوں کے پورے قبضہ میں چلے جانے سے بچانے کا یہ آخری پشتہ ہے۔ اس کو سب مل کر مضبوط کرو، لیکن ان کی آواز انگریز ہتھیاروں کی جھنکار میں سنی نہ جاسکی بالآخر وہ خود باوجود اپنی قلیل تعداد کے سر بکف میدان میں آگئے اور آب زر سے لکھنے والا یہ جملہ کہا کہ شیر کی ایک روز کی زندگی گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے اور بالآخر جان جان آفریں کو پیش کردی ان کی شہادت پر بدیسی حاکموں نے اطمینان کی سانس لی اور انگریز حاکم نے کہا "آج سے ہندوستان ہمارا ہے اس شیر مرد مجاہد کی جرأت، قربانی اور ہمت جہاد نے سر فروشی کی ایک مثال قائم کردی جو صدیوں اس ملک کے وفاداروں کے لئے مشعل راہ رہے گی، ضرورت تھی کہ اس عظیم مجاہد شخصیت کی یاد تازہ رکھی جائے، ان پر کتابیں لکھی جائیں جن کو حال اور مستقبل کی نسلیں پڑھیں، چنانچہ بعض کتابیں لکھی بھی گئیں لیکن ایک زیادہ جامع اور موثر سوانح عمری کی ضرورت باقی تھی، اس کے لئے ایک ندوی فاضل محمد الیاس ندوی بھٹکلی نے جن کو اللہ تعالی نے تحریر و تصنیف کا اچھا سلیقہ دیا ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی کی ہمت افزائی اور مشورے سے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور وقت اور محنت صرف کرکے

ایک قابل قدر تصنیف تیار کی جو حضرت مولانا کے مقدمہ کے ساتھ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء کی طرف سے شائع کی جارہی ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ نافع بنائے اور مصنف کو اس کی بہترین جزاء عطاء فرمائے۔ آمین

خاکسار

سید محمد رابع حسنی ندوی

سکریٹری

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

۱۹ / ۷ / ۱۴۱۶ھ ۱ / ۱۲ / ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

بارہویں صدی ہجری میں عالم اسلام و ہندوستان کے سیاسی و دینی حالات

بارہویں صدی ہجری میں عالم اسلام و ہندوستان

کسی بھی حکمراں یا مجدد کے اصلاحی و تجدیدی کارناموں کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے اس عہد کے سیاسی و دینی حالات کو سمجھنا ناگزیر ہے جس میں اس حکمراں یا مجدد وقت نے آنکھ کھولی خاص کر جب اس کے مسند قیادت پر فائز ہوتے وقت اس کے مادر وطن اور آس پاس کے جغرافیائی علاقوں و ممالک کے سیاسی حالات ناگفتہ بہ ہوں دینی و اخلاقی کیفیات میں ناقابل یقین حد تک گراوٹ آرہی ہو تو اس وقت اس کی محنت و کوشش سے وجود میں آنے والی مذہبی اصلاحات اور عالمی نقشہ میں واقع ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے سلطان ٹیپو شہید کے کارناموں اور اسکی حکمرانی کی دشواریوں اور دوسرے حکمرانوں سے اس کے تقابل کے لئے بھی سلطنت خداداد کے قیام سے قبل عالم اسلام (جس سے اس وقت ہمارے ملک کے سیاسی نہ سہی مذہبی و تہذیبی روابط ضرور تھے اور جس کا وسیع تر اتحاد ہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین تھا) اور ہندوستان کے سیاسی حالات کا جائزہ لینا ازحد ضروری ہے اس لئے کہ بقول مؤرخ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم۔

انسانی معاشرہ ایک بہتے دریا کی طرح ہے جس کی ہر موج دوسری موج سے مربوط و متصل ہے اس کے لئے کوئی ملک خواہ وہ باقی دنیا سے کتنا ہی کٹا ہوا اور الگ تھلگ زندگی گذار رہا ہو گرد و پیش کی دنیا میں پیش آنے والے اہم واقعات و انقلابات باہم نبرد آزما طاقتوں اور

طاقتور تحریکوں سے یکسر غیر متعلق وغیر متاثر نہیں سکتا[1]

اسی لئے سب سے پہلے ہم نے معتبر تاریخی حوالوں سے بارہویں صدی ہجری / اٹھارویں صدی عیسوی میں ملکی وعالمی اور سیاسی ودینی حالات کا ایک مختصر نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس سے قارئین کو شہید ملت کے ان کارناموں کو سمجھنے میں آسانی ہوگی جو انہوں نے اپنے مختصر حکمرانی کے دور میں انجام دیئے۔

بارہویں صدی ہجری میں عالم اسلام کے سیاسی حالات

یہ وہ دور تھا جس میں مسلمانوں کو یورپ میں ۱۷۰۰ء کے بعد سیاسی کامیابی حاصل ہورہی تھی ۱۷۳۵ء میں روس کو ایران میں اپنے مقبوضات سے دستبردار ہونا پڑا تھا ۱۶۹۸ء میں مشرقی افریقہ سے پرتگالیوں کا اقتدار عربوں کی کوششوں سے ختم ہوگیا تھا ۱۷۰۷ء میں سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت عالم اسلام کی ایک بڑی حکومت ہندوستان اپنی پوری تاریخ کے نقطہ عروج کو پہنچ گئی تھی عالم اسلام میں خلافت اسلامیہ کی نمائندگی دسویں صدی ہجری کے اوائل ہی سے سلطنت عثمانیہ یعنی ترکی حکومت کر رہی تھی بغداد سے الجزائر تک اور ہنگری سے یمن تک پورا علاقہ اس کے زیر قبضہ تھا مشرق میں جزائر شرق الھند (انڈونیشیا) سے مغرب میں بحر اوقیانوس (بحر اٹلانٹک) کے ساحل تک شمال میں ہنگری سے جنوب میں سلطنت گھانا تک اسلامی حکومتوں کا پرچم لہرا رہا تھا[2] مراقش سے سوڈان تک عربوں کی حکومت تھی حجاز مقدس بھی سلطنت عثمانیہ ہی کی تولیت میں

۱ تاریخ دعوت وعزیمت حصہ چہارم ۲ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ حصہ دوم

تھا جہاں ان کی نیابت شریف مکہ جو حسنی سادات سے تعلق رکھتا تھا کرتا تھا ہر جگہ امن وامان تھا۔ معاشی اعتبار سے خوشحالی تھی علوم وفنون ترقی پر تھے دنیائے اسلام میں صنعت وحرفت اور کاشتکاری میں ترقی کی وجہ سے پیداوار اور برآمدات میں خوب اضافہ ہورہا تھا مجموعی طور پر مسلمان پوری دنیا میں ۱ کروڑ، ۵ لاکھ مربع میل رقبہ پر حکمرانی کر رہے تھے[1] کرہ ارض پر مسلمان ۲۱ % کے ساتھ ایک سو پچاس ملین (پندرہ کروڑ) کے قریب تھے[2] لیکن جلد ہی چند سالوں کے بعد اسلامی تاریخ کا المناک دور شروع ہوا اچانک مسلمانان عالم سیاسی میدان میں عروج سے زوال کی طرف آگئے دیکھتے ہی دیکھتے سلطنت عثمانیہ روبزوال ہونے لگی ۱۷۲۷ء میں شاہ مراقش سلطان اسماعیل کی وفات کے بعد مراقش سیاسی وفوجی اعتبار سے کمزور ہوگیا ۱۷۳۶ء میں ایران سے صفوی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور اس پر سنی خاندان افشار سے تعلق رکھنے والے نادر شاہ نے قبضہ کرلیا جو وہاں سے آگے بڑھتا ہوا قندھار اور کابل ہوتا ہوا ۱۷۳۹ء میں دہلی تک پہنچ گیا ۱۷۴۷ء میں اسی خاندان کے ایک فرد کے ہاتھوں اس کے قتل کے بعد ایران میں بھی سیاسی ابتری پھیل گئی اور احمد شاہ درانی نے اس سے فائدہ اٹھا کر افغانوں کو متحد کرکے افغان سلطنت کی بنیاد رکھی جو بعد میں مشرق کی طرف کشمیر وپنجاب تک پھیل گئی تھی ادھر یورپ میں بلقان کا مسلم علاقہ بھی یورپ کے ہاتھوں چلا گیا وسط ایشیا کی بعض مسلم ریاستوں کرغیزیا وآرمینا پر روس کا قبضہ ہوگیا ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے پہلی ہی سلطنت مغلیہ میں دراڑ پڑ چکی تھی ۱۷۵۷ء میں انگریز جنوبی ہند کے ایک بڑے

۱ قسمات العالم الاسلامی المعاصر از مصطفی مومن ۲ مسلم دنیا ماضی اور حال

حصہ کے علاوہ بنگال پر بھی قابض ہو چکے تھے یہی وہ زمانہ تھا جب جنوبی ہند میں سلطنت خداداد میسور کا قیام عمل میں آیا اور ملت کے دو قابل سپوتوں نواب حیدر علی و سلطان ٹیپو کی حکمرانی کا آغاز ہوا۔

عالم اسلام کی دینی و اخلاقی حالت

حدیث شریف کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ امتداد زمانہ کے ساتھ مسلمانان عالم سیاسی و معاشی میدان میں کتنی ہی ترقی کیوں نہ کریں لیکن جیسے جیسے عہد نبوی سے زمانہ کا بُعد بڑھتا جائے گا مسلمانوں کی دینی و اخلاقی حالت میں انحطاط واقع ہوتا جائیگا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم سب سے بہترین زمانہ (دینی و اخلاقی اعتبار سے) میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد والوں کا پھر اس کے بعد والوں کا ظاہر بات ہے کہ نواب حیدر علی و سلطان ٹیپو شہید نے جس صدی میں آنکھیں کھولیں تو وہ بارہویں صدی ہجری تھی اس میں اور عہد نبوی میں گیارہ سو سے زائد سال کا فرق تھا اسی اعتبار سے حدیث شریف کی روشنی میں اس زمانہ میں اخلاقی انحطاط دینی ضعف اور ایمانی کمزوری کا واقع ہونا فطری امر تھا تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ مسلمانان عالم میں اس طرح کا دینی و اخلاقی انحطاط ۱۲۵۸ء ہی کے آس پاس شروع ہو گیا تھا[1] جس کے نتیجہ میں خدا کا عذاب تاتاریوں کی شکل میں مسلمانوں پر مسلط ہوا جب انہوں نے عالم اسلام کے اس وقت

[1] البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۳

کے سیاسی مرکز بغداد پر حملہ کرکے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور پورے ایک مہینہ تک شہر میں قتل عام جاری رہا ۱۸ لاکھ کے قریب لوگ شہید ہوئے مشہور مؤرخ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق یہ تعداد ۲۰ لاکھ سے بھی زائد تھی اس قیامت صغریٰ کے بعد دنیا میں سیاسی طور پر مسلمانوں کی بقاء کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا حتیٰ کہ علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الکامل میں یہاں تک لکھا کہ فلو قال قائل ان العالم منذ خلق اللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ آدم الی الآن لم تبتلوا بمثلہا لکان صادقاً[1] اگر کوئی کہے کہ تاریخ انسانی نے ابتداء سے اب تک ایسا واقعہ نہیں دیکھا تو اس کا دعویٰ صحیح ہوگا لیکن اسلام کے دشمنوں ہی سے ایک بار پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بقاء کا کام لیا اور خود تاتاری قوم ہی حلقہ بگوش اسلام ہو گئی اسی طرح جب بارہویں صدی ہجری میں عالم اسلام کا سیاسی زوال شروع ہوا اور دنیائے اسلام کا مجموعی رقبہ شمالی و مشرقی و مغربی اور وسطی افریقہ میں مسلم حکومتوں پر یورپ کے قبضہ اور برصغیر میں مغلیہ سلطنت کے زوال کی وجہ سے ۱ کروڑ ۵۰ لاکھ مربع میل سے گھٹ کر صرف ۴۵ لاکھ مربع میل تک پہنچ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مغربی سامراجیوں کے مقابلہ کے لئے قلب اسلام سے دور بحیرہ عرب کے مشرقی ساحل سے کچھ فاصلہ پر ریاست میسور میں ٹیپو کی شکل میں ایک ایسے غیور انسان کو پیدا کیا جس کے نام ہی سے انگریز لرز جاتے تھے اور برطانیہ میں انکی خواتین اپنے بچوں کو سلانے اور ڈرانے کے لئے اس کا نام لیتی تھیں جس کے جیتے جی استعماری طاقتوں کے لئے اپنے عروج کا تصور ہی محال تھا اسطرح اسلام کی فطرت

[1] الکامل لابن اثیر جلد نمبر ۹

میں قدرت نے شروع ہی سے یہ خصوصیت رکھی کہ جب جب بھی اس کے سامنے کوئی بڑا دینی و سیاسی فتنہ نمودار ہوا تو غیب سے ایسی شخصیت ضرور میدان میں آئی جس نے اپنی پوری طاقت سے اسکا مقابلہ کیا لیکن یہ بھی عادت اللہ رہی کہ دنیا میں کسی بھی قوم کے سیاسی انقلاب یا دینی فساد کے لئے خود اس کے پیدا کردہ اسباب ہی محرک بنے غزوہ احد و حنین میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب اظہر من الشمس تھے ۔ تاتاریوں کے بغداد پر حملہ کے موقع پر مسلمانوں کے درمیان شیعہ ، سنی اختلافات کس سے پوشیدہ تھے اسی طرح بارہویں صدی ہجری / اٹھارویں صدی عیسوی میں عالمی سطح پر مسلمانوں کے سیاسی زوال کے پس منظر کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس زمانہ میں ایران میں شراب کباب کی محفلوں کا عروج برصغیر میں ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد سلاطین مغلیہ کی دولت کو جمع کرنے کی حرص و فکر سلطنت عثمانیہ میں شاہی بیگمات کی سیاسی امور میں مداخلت اور سلاطین کا رعایا پر ظلم و ستم ترکستان میں نسلی و لسانی تعصب و تنگ نظری اور مجموعی طور پر عالم اسلام میں تعلیم سے دوری توحید خالص و پختہ عقیدہ کی کمی شرک و بدعات کا رواج خرافات و توہمات اور شرکیہ اعمال کی دین کے نام سے ترویج و تبلیغ علماء و مشائخ وقت میں جمود اور ذہنی و فکری وسعت کا فقدان یہ اور اس جیسی دیگر خرابیاں و مسائل ہی تھے جو مسلمانوں کے سیاسی زوال کا سبب بنے اور جس سے مسلمانوں کے زوال کو تقویت ملی ۔ یہی وہ زمانہ تھا جہاں سے یورپ کا سیاسی عروج شروع ہوا اس صدی میں عالم اسلام کے مجموعی دینی و اخلاقی حالات کی منظر کشی مؤلف سیرت سید احمد شہیدؒ نے اپنی کتاب میں امریکی مصنف

ڈاکٹر لوتھراپ اسٹاڈرڈ Dr. Lothrop Stoddard کی کتاب جدید دنیائے اسلام New World of Islam کے حوالہ سے کی ہے۔

ڈاکٹر لوتھراپ اسٹاڈرڈ لکھتا ہے

"اٹھارویں صدی عیسوی / بارہویں صدی ہجری میں اسلامی دنیا اپنے ضعف کو پہنچ چکی تھی صحیح قوت کے آثار کسی جگہ پائے نہیں جاتے تھے ہر جگہ جمود و تنزل نمایاں تھا آداب و اخلاق قابل نفرت تھے عربی تہذیب کے آثار مفقود تھے ایک قلیل تعداد وحشیانہ عشرت میں اور عوام وحشیانہ مذلت میں زندگی بسر کرتے تھے تعلیم مردہ ہوگئی تھی چند درسگاہیں جو ہولناک زوال میں باقی تھیں وہ افلاس و غربت کی وجہ سے دم توڑ رہی تھیں سلطنتیں مطلق العنان تھیں اور ان میں بدنظمی اور خون ریزی کا دور دورہ تھا جگہ جگہ کوئی بڑا خود مختار جیسے سلطان ترکی یا ہند کے شاہان مغلیہ کچھ شاہی شان قائم کئے ہوئے تھے صوبہ جات کے امراء اپنے آقاؤں کی طرح آزاد سلطنتیں جو ظلم و استحصال بالجبر پر مبنی تھیں قائم کرنے کے لئے بہت کوشاں تھے اسی طرح امراء متواتر سرکش مقامی جماعتوں اور ڈاکوؤں کی جماعتوں کے خلاف جو ملک کو آزار پہنچاتے تھے برسرپیکار تھے اس منحوس طرز حکومت میں رعایا لوٹ مار اور ظلم و پامالی سے نالاں تھیں دیہاتیوں اور شہریوں میں محنت کے محرکات مفقود ہوگئے تھے لہذا تجارت و زراعت دونوں اس قدر کم ہوگئی تھیں کہ محض سد رمق کے لئے کی جاتی تھیں

مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا تصوف کے طفلانہ

توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا عوام و جہال
تعویذ گنڈے اور بالائیں پھنس کر گندے فقراء اور درویشوں سے اعتقاد
رکھتے تھے اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے تھے اور ان کی یہ
پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع و ولی کے طور پر کی جاتی تھی کیونکہ ان
جہاّل کا خیال تھا کہ خدا اتنا برتر ہے کہ وہ اس کی طاعات بلاواسطہ نہیں
ادا کر سکتے قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم کو نہ صرف پس پشت ڈال رکھا تھا
بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی افیون و شراب خوری عام
ہو رہی تھی زنا کاری کا زور تھا۔ اور ذلیل ترین اعمال قبیحہ کھلم کھلا
بے حیائی کے ساتھ کئے جاتے تھے۔"[۱]

ہندوستان کے سیاسی حالات

۱۷۶۱ء میں ہندوستان کے جنوب میں بحیرہ عرب کے مشرقی ساحل سے کچھ
دور خطہ میسور میں جب سلطنت خداداد کا قیام عمل میں آیا تو ہندوستان کے سیاسی
حالات ناگفتہ بہ تھے، ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کے انتقال تک ہندوستان میں چین
کے بعد اس وقت کی دنیا کی دوسری بڑی حکومت مسلمانوں کے قبضہ میں تھی جسکی
وسعت کی نظیر پوری تاریخ ہند میں اشوک کے بعد کسی کے زمانہ میں نہیں ملتی تھی
اسکا رقبہ کنیا کماری سے کابل تک پندرہ لاکھ مربع میل سے بھی زائد تھا اور آبادی
بیس کروڑ کے قریب تھی۔ اورنگ زیب نے ملک کی پوری تاریخ میں پہلی دفعہ آسام

[۱] سیرت سید احمد شہید بحوالہ جدید دنیائے اسلام

کو جو اب تک الگ ملک کی حیثیت رکھتا تھا ہندوستان میں شامل کیا تھا لیکن اسکی
وفات کے ساتھ ہی مغلیہ سلطنت کی چولیں ڈھیلی پڑ گئیں اس کے بعد آنے والے
اس کے جانشینوں میں عالمگیر کا سا جذبہ اور انتظامی ملکہ نہ رہا اس نے انتظامی سہولت
کے لئے پورے ملک کو تین حصوں میں تقسیم کر کے اپنے تین بیٹوں کے حوالے کر
دیا تھا لیکن بعد میں انکے آپسی اختلافات کی وجہ سے ملک متحد نہ رہ سکا

۱۷۱۲ء تک اسکے بڑے بیٹے معظم بہادر شاہ نے حکومت کی اسکے بعد ۱۷۱۹ء تک
اسی خاندان کے ایک فرد فرخ سیر کے قبضہ میں ملک رہا لیکن عوام کے دلوں میں
بادشاہوں کا خوف نہ رہا رعایا عیش پرست ہو گئی بادشاہ کے محلات عیاشی کے
اڈے بن گئے شاہی بیگمات کی بھی سیاست میں مداخلت ہونے لگی غرض یہ کہ
بد دیانتی جاہ طلبی اور دولت کی ریل پیل نے سلطنت میں ہر ایک کو مدہوش کر دیا محمد
شاہ کے عہد میں جس نے ۱۷۴۸ء تک عنان حکومت سنبھالی اسمیں اور اضافہ
ہو گیا اور اس پر ایک کے بعد دیگرے ملک کی بد قسمتی سے نااہل و کمزور حکمراں
آتے رہے ایک طرف مغل بادشاہوں کا یہ حال تھا تو دوسری طرف انکے آپسی
اختلافات سے فائدہ اٹھا کر مرہٹوں نے گجرات و مہاراشٹر پر قبضہ کر لیا یہ مسائل
و مصائب ہی کیا کم تھے کہ ادھر شمال سے ایران کا بادشاہ نادر شاہ ۱۷۳۹ء میں کابل
پشاور اور لاہور وغیرہ کو جو اس وقت تک سلطنت مغلیہ ہی میں شامل تھے فتح کرتا ہوا
دہلی پر چڑھ دوڑا اور تھانیسر کے مقام پر ایک تباہ کن جنگ میں قریب ایک لاکھ
لوگوں کا قتل عام کر کے اور پچاس کروڑ کی دولت سمیٹ کر واپس ایران چلا گیا اس
کا مقصد اس وقت ہندوستان میں شامل کابل میں پناہ لینے والے افغانوں کو اس کے

سپرد نہ کرنے پر صرف محمد شاہ کو سبق سکھانا تھا بس اب کیا تھا ملک کے مختلف صوبوں کے گورنر و نواب بادشاہ دھلی کے خلاف جری ہوگئے بہار اڑیسہ سندھ دکن اور کشمیر وغیرہ میں الگ الگ خود مختار ریاستیں قائم ہوگئیں اور انگریز بھی ۱۷۵۷ء تک بنگال اور ۱۷۶۴ء تک الہ آباد وغیرہ پر قابض ھوگئے بکسر کے میدان میں شکست کھاکر شاہ عالم اب انگریزوں کے رحم وکرم پر تھا ۱۷۶۵ء میں ایک معاہدہ کے تحت اس نے بنگال اڑیسہ وغیرہ کو بھی کمپنی کے حوالہ کردیا نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۵۶ء میں پہلے ہی دھلی پر بھی قبضہ کرلیا تھا لیکن مرھٹوں کی مدد سے جب اس کو دوبارہ فتح کیا گیا تو اب دھلی کے امور سلطنت میں مرھٹوں کا عمل دخل بھی بڑھ گیا جو بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گیا تھا خطرہ تھا کہ اس طرح ان کا فوجی اثر و سیاسی زور پورے ملک میں آہستہ آہستہ نہ پھیل جائے لیکن عین اسی زمانہ میں اللہ تعالی نے مسلمانوں پر رحم کیا اور دہلی کے قریب پانی پت کے میدان میں افغانستان سے احمد شاہ ابدالی نے آکر ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو صرف نوے ہزار مسلمانوں کو لیکر ایک سخت جنگ میں مرہٹوں کے دو لاکھ سپاہیوں کو نیند کی آغوش میں سلاکر ایک بہت بڑی مصیبت سے مسلمانوں کو کچھ ہی دنوں کے لئے سہی محفوظ رکھا کشمیر سندھ پنجاب کا اپنی مملکت میں الحاق کرکے اور باقی سلطنت شاہ عالم کے حوالے کرکے خود واپس افغانستان چلا گیا اگر وہ کچھ سالوں تک خود دھلی پر حکومت کرتا تو شاید مغلیہ سلطنت کے شیرازہ کو بکھرنے سے بظاہر بچایا جاسکتا تھا لیکن ایسا نہ ہوسکا اور جلد ہی مرہٹوں کا نہ سہی انگریزوں کا اثر ملک میں بڑھنے لگا اور ان کی توجہ زیادہ تر تجارت کے بجائے سیاست ھی پر ہوگئی یہاں تک کے جب ۱۷۶۱ء میں

جنوب میں سلطنت خداداد کا قیام عمل میں آیا تو وہ پورے ملک میں بکھری اپنی فوجی طاقت کو سمیٹ کر اس کے خاتمہ کیلئے جنوب کی طرف چل پڑے اور انکی اس سیاسی کشمکش کا سلسلہ ۱۷۹۹ء میں ٹیپو کی شہادت تک جاری رہا جس کے ساتھ ہی ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی قسمت پر مہر لگ گئی جس کا ثبوت جلد ہی ۱۸۵۷ء میں پورے ملک پر انگریزوں کے مکمل قبضہ کے ساتھ سامنے آیا۔

ہندوستان کے دینی و اخلاقی حالات

اس صدی میں مسلمانان ھند کی دینی و اخلاقی حالت کا جائزہ لینے کیلئے جب تاریخ کی معتبر کتابوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ایک بات کھل کر اور مشترک طور پر سامنے آتی ہے کہ اس وقت مسلمانان ہند توحید خالص کی نعمت سے بہت دور ھوتے جارہے تھے بدعات وخرافات کی بعض ایسی شکلوں میں مسلمان بتلا تھے جس سے ان کے شرک میں بتلا ہونے پر دو رائے نہیں ھوسکتی تھی غیر شرعی اعمال ورسومات بھی دین کے اجزاء بن گئے تھے قبور و مزارت کی تعظیم اللہ کے علاوہ بزرگوں سے منتیں مانگنے کا رواج بعض اعمال ورسومات میں ھندؤوں سے مشابہت اپنی حاجات وضروریات کیلئے اللہ کے علاوہ اولیاء وصالحین کو پکارنا اور ان کے نام سے جانوروں کی قربانیاں دینا یہ اور اس طرح کے بے شمار جاہلیت کے اعمال ورسوم مسلمانوں میں غیر شعوری طور پر سرایت کرگئے تھے کہ جس کا تصور ہی ایک خالص اسلامی معاشرہ میں نہیں کیا جاسکتا تھا ایک طرف عوام کا یہ حال تھا تو دوسری طرف خود علماء ومشائخ میں بھی علمی وفکری جمود تھا تقلید کو چھوڑ کر مسائل میں اجتھاد

تو ناقابل معافی جرم تھا فقہ کے متون کو قرآن و حدیث کا درجہ دیا جاتا تھا اور اس سے سر مو انحراف بھی ناقابل قبول تھا بقول حضرت مولانا سید سلیمان ندوی عوام تو عوام علماء وقت بھی قرآن و حدیث کے اسرار اور اس کی روح سے ناواقف و بے خبر تھے۔[۱] فقہ و فتاویٰ کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی یہ الگ بات ہے کہ عین اسی زمانہ میں قدرت کے مقررہ نظام کے تحت بعض ایسی علمی و روحانی شخصیتیں بھی ہندوستان میں پیدا ہوئیں جن کا اس دور انحطاط سے بظاہر کوئی جوڑ نہیں تھا۔ ان میں سر فہرست حکیم الاسلام و مجددِ ملت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ) حضرت مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۱۱ھ تا ۱۱۹۵ھ) اور ملا نظام الدین لکھنوی (م ۱۱۶۱ھ) وغیرہ تھے ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف بزرگوں کی خانقاہوں اور چھوٹے چھوٹے دینی مدارس کے علاوہ ہر جگہ اہل دین و تقویٰ کی ایک جماعت بھی ضرور تھی جو ان تمام مسائل و مشکلات کے باوجود دین کی بنیادوں پر مضبوطی سے قائم تھی اسی زمانہ میں ملا نظام الدین کے فرزند بحر العلوم عبد العلی نے جو خود بھی ایک بڑے عالم و بزرگ تھے مدراس کے قریب ارکاٹ میں ایک بڑے دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی[۲] جہاں ملک کے مختلف گوشوں سے علماء کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی جسکی وجہ سے ارکاٹ جنوبی ہند کا اس وقت ایک علمی مرکز بن گیا تھا چونکہ اس مدرسہ کو ارکاٹ کے نواب محمد علی کی سرپرستی حاصل تھی اس لئے اس کے زوال کے ساتھ ہی اس مدرسہ کی مرکزیت بھی ختم ہو گئی

---

[۱] مقالات سلیمان جلد دوم [۲] مغلوں کے زوال سے قیام پاکستان تک

دوسرا باب

سلطنت خداداد کے آس پاس قائم حکومتیں

سلطنت خداداد کے آس پاس قائم حکومتیں

۱۷۶۱ء میں جب جنوبی ہند کے علاقہ میسور میں سلطنت خداداد کا قیام عمل میں آیا تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حکومت میسور جو کل تک راجہ کرشنا راج کی قیادت میں صرف ۳۳ چھوٹے گاؤں تک محدود تھی اور جس سے شمال کے لوگ بھی ناواقف تھے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا دائرہ چند ہی سالوں میں ۸۰ ہزار مربع میل تک پھیل گیا شمال میں دریائے کرشنا سے اس کی سرحدیں شروع ہو کر جنوب میں کیرلا کے شہر کوچین تک پہنچ گئی تھی اور کل تک جس حکومت کے بارے میں ملک کے اکثر باشندے بھی ناواقف تھے اب اس کی شہرت ملک سے نکل کر یورپ تک پھیل گئی تھی۔

ظاہر بات ہے اس سے آس پاس میں قائم مختلف حکومتوں و سلطنتوں کا اس سے خوف کھانا اور اس کو اپنا حریف سمجھنا ایک فطری امر تھا اس میں انگریز بھی تھے اور ارکاٹ کے نواب بھی مرہٹہ بھی اور نظام دکن بھی سلطنت خداداد کے زوال تک نواب حیدر علی و ٹیپو سلطان کو ان ہی سیاسی حریفوں کا سامنا کرنا پڑا اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے میسور کے آس پاس اس وقت قائم مختلف حکومتوں اور قوموں کا مختصر تعارف پیش کیا جائے جس سے ان کے ایک اسلامی سلطنت کے خاتمہ کے درپہ ہونے کے محرکات کو سمجھنے میں آسانی ہو چونکہ سلطان شہید کا آخری دم تک اصل مقابلہ انگریزوں سے تھا اور باقی سلطنتیں نظام و مرہٹہ کی ٹیپو شہید کے خلاف ان کی حلیف تھیں اس لئے انگریزوں کا تذکرہ و تعارف قدرے تفصیل سے کیا جا رہا ہے۔

انگریز

سلطان شہید اور انکے والد کی اصل لڑائی شروع سے اخر تک بحیثیت ایک محب وطن اور سچے مسلمان کے مغربی سامراج اور استعماری قوت کی شکل میں موجود انگریزوں ہی کے خلاف رہی ۱۷۶۱ء تا ۱۷۹۹ء تک سلطنت خداداد کی انگریزوں کے ساتھ چار بڑی و تاریخی جنگیں میسور میں ہوئیں انگریزوں کو سلطان شہید جس طرح اپنے مذہب اسلام کے لئے خطرہ سمجھتے تھے اس سے زیادہ ان کو وہ اپنے مادر وطن کے لئے بھی خطرہ تصور کرتے تھے ان کی لڑائی بیک وقت برادران ملت کو ان کے ناپاک عزائم سے محفوظ رکھنے اور اپنے وطن عزیز کے دفاع کے لئے تھی انگریز مرہٹوں اور نظام دکن کے برخلاف غیر ملکی تھے پھر بھی ان کو یورپ سے اتنی دور ہندوستان میں اس قدر سیاسی و فوجی کامیابی کیسے ملی اس کو سمجھنے کے لئے انگریزوں کی ہندوستان آمد اس کے پس منظر اور اس کے بعد تجارت کے نام سے یہاں ان کی ہونے والی سیاسی سرگرمیوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے اگلے صفحات میں اسی پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

انگریزوں کی ہندوستان آمد

سولہویں صدی عیسوی کے اواخر میں برطانوی اسٹورٹ خاندان کے بادشاہ جیمس اول (۱۶۲۵ء) کے زمانہ میں پہلی دفعہ کپتان ولیم ہاکنس و ٹامس رو قیمتی تحائف کے ساتھ شاہ انگلستان کا پہلا سفارتی خط لیکر مغل بادشاہ جہانگیر کے دربار

میں پہنچے اس کے ساتھ ہی انگلستان کے ساتھ ہندوستان کے سفارتی تعلقات کا آغاز ہوا اور انگریزوں کی باقاعدہ یہاں آمد شروع ہو گئی ۱۶۱۲ء میں ان ہی انگریزوں نے گجرات کے مشہور اور اس وقت ملک کے ایک بڑے تجارتی و بندرگاہی شہر سورت میں اپنی پہلی تجارتی کوٹھی قائم کی جس کا نام انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی رکھا جلد ہی ان کو تجارت میں کامیابی حاصل ہوئی یہاں تک کہ انہوں نے ملک کے مشرقی ساحل پر چینا پٹنم کے راجہ سے زمین کے ایک حصہ کو پٹہ پر لے لیا اس وقت مشرقی ساحلی شہر بمبئی پر پرتگالیوں کا قبضہ تھا مچھروں کی کثرت اور بدبو و تعفن کی وجہ سے اس وقت تک اس شہر پر ہندوستانی حکمرانوں کی کوئی خاص توجہ نہیں تھی چارلس دوم شاہ برطانیہ کی جب پرتگیزی بادشاہ کی لڑکی سے شادی ہوئی تو بمبئی کے علاقہ کو شاہ انگلستان کے جہیز میں دے دیا گیا جس نے بعد میں ۱۶۶۸ء میں دس پونڈ سالانہ پر یہ زمین ایسٹ انڈیا کمپنی کو پٹہ پر دے دی کمپنی نے بمبئی پر توجہ دی اور ۱۶۸۷ء میں سورت سے اپنی تجارتی کوٹھی بمبئی منتقل کر دی اور اس کے ساتھ ہی مدراس اور کلکتہ میں بھی مزید تجارتی کوٹھیاں قائم کیں وہ یہاں سے گرم مصالحے اور سوتی و ریشمی کپڑے یورپ لے جاتے تھے لیکن جب اس وقت کے مغل حکمرانوں کو یہ معلوم ہوا کہ انگریز تجارتی کوٹھیوں کے نام سے ملک میں اپنے فوجی قلعے تعمیر کر رہے ہیں تو تمام صوبوں میں اپنے گورنروں کے نام انہوں نے حکم جاری کر دیا کہ وہ فوری انگریزوں کی ملک میں تجارت پر باضابطہ روک لگا دیں ان کے مال کو ضبط کریں اور ان کے سرکردہ لوگوں کو گرفتار کریں جب اس کی اطلاع شاہ انگلستان جیمس دوم کو ہوئی تو اس نے مشرقی بنگال کے بندرگاہی شہر چاٹگام پر حملہ کے لئے اپنا جنگی بیڑہ روانہ کر دیا لیکن ان کو ناکام لوٹنا پڑا جب وہ خلیج بنگال میں کچھ نہ کر سکے تو بحیرہ عرب میں سورت (گجرات) سے حجاز جانے والے مسلمان حاجیوں کے بحری جہازوں کو لوٹنا شروع کیا چند ہی سالوں میں برطانوی تجارتی کمپنی کا ہندوستان میں دوالیہ نکل گیا کمپنی کے وکیلوں کے معافی مانگنے پر ۱۶۹۰ء میں بنگال کے گورنر نے انکو صرف دوبارہ تجارت کی اجازت چند شرائط پر دی بلکہ کلکتہ کا ایک قطعہ زمین بھی انکو کارخانہ قائم کرنے کیلئے دے دیا[1] اسکے بعد کئی سال تک انگریزوں نے اپنے ماضی سے سبق حاصل کرتے ہوئے ملک کے سیاسی معاملات میں دخل اندازی سے بچ کر اپنی پوری توجہ تجارتی دائرہ کو وسعت دینے پر ہی دی ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا تو اس کے نتیجہ میں ملک میں کئی خود مختار ریاستیں وجود میں آئیں ادھر انگریزوں کی طرح فرانسیسی بھی بہت پہلے سے یہاں حکومت کی اجازت سے تجارت کے نام سے اپنے فوجی قلعے تعمیر کر رہے تھے پانڈیچری پر فرانس کا قبضہ تھا ارکاٹ مدراس پر حکمرانی کرنے والے نواب انوارالدین کو فرانسیسیوں نے آمبور کے مقام پر قتل کر کے اپنے پٹھو چنداں صاحب کو بٹھا دیا تھا اس پوری کاروائی میں اس وقت پانڈیچری کے فرانسیسی گورنر دوپلے کا دماغ کام کر رہا تھا[2] نواب حیدرآباد مظفر جنگ بھی عملاً فرانسیسیوں ہی کے زیر نگیں تھا اس طرح گویا جنوبی ہند کے ایک بڑے حصہ پر فرانسیسی در پردہ حکومت کر رہے تھے انگریزوں سے فرانسیسیوں کی یہ ترقی جو ان کے عالمی سطح پر حریف تھے کب دیکھی جاتی چنانچہ انہوں نے اپنی توجہ تجارت کے ساتھ

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد نمبر ا [2] تاریخ مسلمانِ پاک و ہند از سید ہاشمی فرید آبادی

اب دوبارہ پھر سیاست پر بھی دینی شروع کی ۱۷۵۱ء میں انگریز جنرل رابرٹ کلائیو نے ارکاٹ پر جس پر عملاً فرانسیسیوں ہی کا قبضہ تھا حملہ کرکے اس کے والی چندا صاحب کو قتل کرکے خود اس پر قبضہ کرلیا جلد ہی ترچناپلی کو بھی انہوں نے فتح کرلیا اور برائے نام ارکاٹ کے تخت پر اپنے وفادار حلیف محمد علی کو بٹھادیا ادھر نظام حیدرآباد بھی عملاً انگریزوں کے ماتحت ہو گیا تھا اس طرح سوائے میسور کے آس پاس کے پورے علاقہ پر جسمیں حیدرآباد و مدراس وغیرہ آگئے تھے اور جس کا رقبہ دو ہزار مربع میل سے بھی زائد تھا انگریزوں کا قبضہ تھا۔[1]

انگریزوں کے ساتھ ہندوستانیوں کی پہلی جنگ

کرناٹک و آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کے بعد انگریزوں کی ہوس اقتدار بڑھتی گئی اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے جنگ سے بھی دریغ نہیں کیا چونکہ ان کی تجارتی سرگرمیاں کلکتہ میں بھی تھیں اس لئے اب بمبئی سورت مدراس اور حیدرآباد کے بعد انکی نظریں بنگال پر تھیں اس وقت وہاں کے حاکم نواب سراج الدولہ تھے جن کو ان کے نانا علی وردی خان نے اپنا جانشین مقرر کردیا تھا اور وصیت کی تھی کہ مغربی قوموں سے خبردار رہنا ورنہ بنگال تمہارا نہیں ہوگا ایک دفعہ موقع پاکر انگریزوں نے سمندری راستہ سے ان کی حکومت پر بلاوجہ حملہ کردیا سراج الدولہ اپنی اس توہین کو کب برداشت کرتا چنانچہ اس نے ۲۰ جون ۱۷۵۷ء کو پلاسی کے میدان میں اپنی ستر ہزار فوج کے ساتھ

[1] انقلاب کی خونیں تاریخ از شوکت علی فہمی

انگریزوں کی صرف تین ہزار فوج کا مقابلہ کیا لیکن اس کے وزیر و رشتہ دار میر جعفر، سیٹھ امی چند، یار لطف خاں اور راجہ درلب وغیرہ کی غداری کی وجہ سے سراج الدولہ کو شکست ہوئی اور خود اس کو انگریزوں نے جنگ کے بعد گرفتار کرکے بے دردی سے قتل کردیا قدرت نے بھی ان غداروں سے سخت انتقام لیا اور ان سب کو دنیا سے ہی میں عبرتناک سزا ملی میر جعفر جذام کے مرض میں مبتلا ہوکر تڑپ تڑپ کر مرگیا راجہ درلب غرق ہوگیا امی چند پاگل ہوگیا اور انگریزی فوج کے سرغنہ جنرل کلائیو نے خودکشی کرلی۔[1]

دوسری جنگ

اختتام جنگ کے بعد انگریزوں نے میر جعفر کو کلکتہ کا حاکم بنایا تھا لیکن صرف تین سال بعد ہی اس کو معزول کرکے اس کے داماد میر قاسم کو بنگال کا نواب مقرر کردیا گیا لیکن اپنے خسر کے برخلاف اس نے انگریزوں کے اشاروں پر چلنے سے انکار کردیا اور اپنی سلطنت میں انگریز تاجروں کی طرح ہندوستانی تاجروں پر سے بھی تجارتی محصول کو ختم کردیا اس طرح جب گورے و کالے تاجر ایک ہی صف میں آگئے تو انگریزوں نے دوبارہ اس کے خسر میر جعفر کو ۱۷۶۳ء میں بنگال کا حاکم بنایا محب وطن میر قاسم اپنی اس توہین کو کیونکر برداشت کرتا چنانچہ اس نے اس وقت کے اودھ کے حکمراں نواب شجاع الدولہ اور دہلی کے تیموری حاکم شاہ عالم کی مدد سے

[1] جنگ آزادی اٹھارہ سو ستاون از خورشید مصطفیٰ

جو اس وقت خود اودھ کی پناہ میں تھا انگریزوں کو ملک سے باہر نکالنے کا منصوبہ بنایا[1] ان کی انگریزوں کے ساتھ ۲۲/ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو بکسر کے میدان میں ایک خونریز لڑائی ہوئی اس جنگ میں میر قاسم کے کمانڈر نجف خاں نے میر جعفر کا کردار ادا کیا جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی پچاس ہزار فوج کو صرف سات ہزار فوج کے مقابلہ میں شکست ہوئی مغل بادشاہ شاہ عالم انگریزوں کے پاس پناہ لینے پر مجبور ہو گیا اور انگریزوں کا وظیفہ خوار ہو کر بہار، بنگال اور اڑیسہ کو کمپنی کے انتظام میں دے دیا نواب اودھ نے بھی انگریزوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دئے۔

جنوبی ہند کے بعد شمال مشرقی ہند کے ایک بڑے حصہ پر بھی اب ان کا قبضہ ہو گیا بمبئی اور سورت تو انکے قبضہ میں پہلے ہی سے تھے اس طرح ہندوستان میں انگریزوں کی غلامی کا باقاعدہ دور شروع ہوا لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ ملک کی آزادی کے لئے محبان وطن فرزندان نواب حیدر علی و ٹیپو سلطان شہید کی کوششوں کے پہلے باضابطہ باب کا بھی آغاز ہوا۔

مرہٹہ

مرہٹہ ہندوستان میں صوبہ مہاراشٹر کے مغربی گھاٹ کے مشرق میں بسنے والی ایک زراعت پیشہ قوم تھی جو ان غیر آریائی یعنی دراوڑی نسلوں و خاندانوں کی آمیزش سے پیدا ہوئی جنہوں نے شمالی ہند سے فرار ہو کر دکن میں پناہ لی تھی[2] ہندو مت کی سماجی تقسیم کے اعتبار سے ان کا تعلق شودر طبقہ سے تھا بقول مصنف تاریخ

[1] تاریخ مرہٹہ از محمد ادریس خان نجیب آبادی

دعوت و عزیمت اس وقت مرہٹہ قوم کی حیثیت ایک چھاپہ مار طاقت اور ایک احتجاجی گروہ سے زیادہ نہ تھی لیکن مغلیہ سلطنت کی روز افزوں کمزوری سرداروں کی باہمی زور آزمائی کی وجہ سے وہ ایک ہند گیر طاقت بن گئے[1]

یہ جنوبی ہند میں احمد نگر کی نظام شاہی و بیجاپور کی عادل شاہی حکومت کے سلاطین کے پاس فوجی ملازمت کرتے تھے اس قوم کو فوجی اعتبار سے سب سے پہلے ان کے قومی رہنما شیواجی بھونسلے نے حکومت مغلیہ کے زوال کے وقت سترہویں صدی عیسوی کے اواخر میں منظم کیا[2] ۱۶۶۴ء میں اس نے پہلی دفعہ اپنے لئے راجہ کا خطاب بھی اختیار کیا جبکہ اس سے کچھ سال قبل تک ان کی حیثیت پورے ملک میں ایک غیر منظم قوم کی تھی ۱۷۶۱ء تک انہوں نے گجرات، پنجاب، مالوہ اور اڑیسہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا جنوبی ہند میں ان کی حکومت تنجاور تک پہنچ گئی تھی ۱۶۸۰ء میں شیواجی بھونسلے کے انتقال کے بعد ان کی قیادت اس کے بیٹے سنبھاجی بھونسلے نے کی ۱۷۰۷ء تا ۱۷۲۰ء تک مرہٹوں کا اقتدار بالاجی باجی راؤ کے پاس رہا اور یہی پوری مرہٹہ تاریخ میں ان کے انتہائی سیاسی عروج کا زمانہ تھا ان کی نظر اب ہندوستان کی مختلف سلطنتوں کی طرف تھی اور اس کے لئے وہ پیش قدمی کرنے والے ہی تھے کہ ۱۷۶۱ء میں افغانستان سے احمد شاہ ابدالی نے آ کر پانی پت کے میدان میں اپنی صرف نوے ہزار فوج کے مقابلہ میں مرہٹوں کی تین لاکھ فوج کا مقابلہ کر کے دو لاکھ مرہٹوں کا قتل عام کیا اور ہمیشہ کے لئے ان کی کمر توڑ دی جب میسور میں سلطنت خداداد کا قیام عمل میں آیا تو بحیثیت ایک ہندو قوم کے ان کا ایک اسلامی سلطنت

[1] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ پنجم [2] تاریخ مرہٹہ

سے اپنے وجود کو خطرہ محسوس کرنا فطری امر تھا اس لئے ان کی بچی کچی طاقت گوالیار کے جنرل سندھیا ناگپور کے جنرل بھونسلے اندور کے جنرل ہلکر اور گجرات کے گائیکواڑ کی قیادت میں مختلف جگہوں سے پونا آکر پیشوا مادھوا راؤ کی کمان میں جمع ہوگئی ان کی سلطنت خداداد کے ساتھ تنہا جنگیں و لڑائیاں بھی ہوئیں اور خود انگریزوں کے خلاف میسور کی چار جنگوں میں پہلی اور تیسری جنگ میں بھی یہ لوگ باقاعدہ سلطنت خداداد کے خلاف انگریزوں کے حلیف رہے۔

نظام دکن

اس کی حکومت کو سلطنت حیدر آباد یا مملکت آصفیہ بھی کہا جاتا تھا سترہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی مختلف مسلم حکومتوں یعنی گولکنڈہ کی قطب شاہی بیجاپور کی عادل شاہی احمد نگر کی نظام شاہی اور بیدر کی برید شاہی سلطنتوں پر مغل بادشاہ اورنگ زیب نے قبضہ کر کے ان سب کو ملا کر ایک بڑا صوبہ دکن کے نام سے قائم کیا اورنگ زیب کی ۱۷۰۷ء میں وفات کے بعد جب مغلیہ سلطنت میں داخلی انتشار پیدا ہوگیا تو اس کا اثر جنوب کے صوبہ دکن پر بھی پڑا دربار دہلی کی طرف سے اس صوبہ کے نظم و نسق کو درست کرنے اور اس کو مستحکم کرنے کے لئے ۱۷۲۰ء میں قمر الدین چین قلیچ المعروف نظام الملک کو اس صوبہ کا گورنر مقرر کیا گیا نامور بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے نسبی تعلق رکھنے والا اس کا خاندان وسط ایشیا کی ریاست ترکمانستان سے نقل وطن کر کے ہندوستان میں آباد ہوگیا تھا لیکن اس نے مغل بادشاہ کی سیاسی و فوجی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ۱۷۲۴ء

میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے حیدر آباد کو اپنی سلطنت کا باقاعدہ دار الحکومت منتخب کیا اس وقت کے مغل بادشاہ نے نظام الملک کی طاقت اور اپنی سیاسی کمزوری کی وجہ سے نہ صرف اس حکومت کو تسلیم کیا بلکہ اس کو آصف جاہ کا خطاب بھی دیا اسی نسبت سے بعد میں اس کی حکومت مملکت آصفیہ کہلائی[1] اور وہ خود آصف جاہ اول کہلایا البتہ سکہ اور جمعہ کا خطبہ دہلی کے تیموری بادشاہ ہی کے نام سے جاری رہا اس طرح ایک طرف نظام الملک نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا تو دوسری طرف مغلوں کی بالادستی بھی تسلیم کر لی ۱۷۲۷ء میں نظام الملک کی اپنی پڑوسی سلطنت مرہٹہ کے ساتھ جنگ ہوگئی جس کے نتیجہ میں اس کو اپنے کئی سرحدی علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا ۱۷۴۸ء میں نظام الملک آصف جاہ اول کا جب انتقال ہوگیا تو اسکی جانشینی کو لیکر اس کے بیٹے ناصر جنگ اور نواسہ مظفر جنگ میں تنازعہ کھڑا ہوگیا مظفر جنگ نے اس وقت ہندوستان میں تجارت کی غرض سے موجود فرانسیسیوں کی مدد سے ۱۷۵۰ء میں حیدر آباد پر قبضہ کر لیا لیکن جلد ہی اس کو قتل کر دیا گیا ۱۷۵۳ء میں نظام الملک کے تیسرے بیٹے صلابت جنگ نے حکومت سنبھالی ۱۷۵۶ء میں ایک اور چوتھا بھائی نظام علی اقتدار کو عملاً اپنے ہاتھ میں لینے میں کامیاب ہوگیا صلابت جنگ برائے نام حکومت کے تخت پر تھا اسی زمانہ میں انگریزوں کی مکاری کی وجہ سے حیدر آباد کی فوج میں فرانسیسیوں کا اثر و رسوخ کم ہوگیا اور فرانسیسی دستوں کو ان کے فوجی عہدوں سے بڑا تعداد میں سبکدوش کر دیا گیا جس سے حیدر آباد کی فوجی طاقت میں کمی واقع ہوگئی اس سے فائدہ اٹھا کر مرہٹوں

---

[1] مغلوں کے زوال سے قیام پاکستان تک از سید ہاشمی فرید آبادی

نے ۱۷۶۱ء میں دکن کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا لیکن اسی سال جب پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں کو تاریخی شکست کا سامنا کرنا پڑا تو نظام علی خاں مرہٹوں سے اپنے مقبوضہ علاقوں کو واپس لینے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے اپنے بھائی صلابت جنگ کو جو برائے نام بادشاہ تھا قید کر کے خود باقاعدہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالی عین اسی زمانہ میں دکن کے پڑوس میں میسور کے اندر سلطنت خداداد کا قیام عمل میں آیا حیدر علی کی فوجی ترقی سے نظام کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں حیدر علی دکن میں اس کے زیر قبضہ علاقوں کو بھی اپنی سلطنت میں شامل نہ کر لے اسی ممکنہ خطرہ کی وجہ سے اسی وقت سے نظام عملاً انگریزوں کا حیدر علی کے خلاف فوجی حلیف بن گیا ۱۷۶۸ء میں انگریزوں کے ساتھ ایک معاہدہ کے مطابق اس نے اپنے زیر قبضہ کرناٹک کا ایک بڑا علاقہ سات لاکھ روپے سالانہ کے عوض ان کو دے دیا جس کے بدلہ انگریزوں نے بوقت ضرورت نظام کی فوجی مدد کرنے کا وعدہ کیا اس طرح اب تک شمال میں جو حیثیت نواب اودھ کی تھی وہی حیثیت جنوب میں نظام دکن کی ہو گئی اور اس کی حکومت جو اب تک دریائے نربدا سے راس کماری اور مہاراشٹرا کے شمال مغربی حصہ تک پھیل کر تین لاکھ مربع میل کے قریب ہو گئی تھی سمٹ کر حیدرآباد اور آس پاس کے چند علاقوں تک محدود ہو گئی مجموعی طور پر انگریزوں کے خلاف میسور کی چار جنگوں میں سے تین جنگوں میں نظام نے سلطنت خداداد کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا اور ایک مسلم حکمران ہونے کے باوجود اس نے ایک اسلامی سلطنت کے زوال و خاتمہ میں اہم رول ادا کیا ٹیپو کی شہادت کے بعد ۱۸۰۰ء میں انگریزوں نے اس کی رہی سہی خود مختاری بھی ختم کر دی اور خود نظام الملک کا ۱۸۰۳ء میں انتقال ہو گیا۔

نواب ارکاٹ

سلطنت میسور کے آس پاس قائم حکومتوں میں مرہٹوں اور نظام کے علاوہ نواب محمد علی کی حکومت بھی تھی جس کو نواب کرناٹک بھی کہتے تھے سترہویں صدی عیسوی میں مغلوں نے جنوبی ہند کے اس حصہ کو فتح کر کے اس علاقہ کا نام کرناٹک رکھا تھا یہاں کے باشندے تامل زبان بولتے تھے اس طرح یہ علاقہ موجودہ تامل ناڈو میں واقع تھا اس کو آرکاٹ بھی کہا جاتا تھا[1] اسی سے متصل ایک اور صوبہ مغل سلطنت کے تحت سرا کا تھا ان دونوں صوبوں کے لئے ۱۷۱۱ء تک دہلی دربار کی طرف سے ایک ہی گورنر سعادت اللہ خان تھا لیکن بعد میں انتظامی سہولتوں کے لئے ان دونوں صوبوں کے لئے الگ الگ گورنر مقرر کئے گئے اور سرا کے لئے امین خان نامی شخص کو گورنر بنایا گیا امین خان کے انتقال کے بعد سعادت اللہ خان نے دکن کے نظام الملک کی مدد سے دوبارہ سرا کی گورنری پر بھی قبضہ کر لیا اور اپنی طرف سے طاہر خان کو یہاں کا گورنر مقرر کیا۔

۱۷۴۳ء میں حکمراں خاندان کی حکومت کا تختہ الٹ کر ایک دوسرے خاندان کے شخص انوارالدین نے آرکاٹ کی سلطنت پر قبضہ کر لیا ۱۷۴۹ء میں انوارالدین بھی مارا گیا اور اس کا لڑکا محمد علی بھاگ کر ترچناپلی چلا گیا ۱۷۵۱ء میں ارکاٹ کے پرانے حکمراں خاندان کے ایک شخص چنداں صاحب اور موجودہ حکمرانی کے

[1] ارکاٹ دراصل مدراس کے قریب ایک شہر کا نام ہے لیکن اس زمانہ میں سرا کے مقابلہ میں ایک پورہ صوبہ کا نام تھا

دعویدار محمد علی میں جنگ چھڑ گئی چنداں صاحب کی پشت پناہی اس وقت ہندوستان میں موجود فرانسیسی کر رہے تھے جب کہ محمد علی کی مدد مدد اس سے ایسٹ انڈیا کمپنی کر رہی تھی محمد علی نے انگریزوں سے مدد کی امید میں اپنے قبضہ کا ایک بڑا علاقہ انگریزوں کو دے دیا اس طرح اس علاقہ میں پہلی دفعہ انگریزوں کی باقاعدہ حکومت محمد علی کی کمزوری کی وجہ سے قائم ہوئی اس کے عوض انگریزوں نے دہلی دربار سے محمد علی کو کرناٹک کی نوابی کا فرمان دلایا چنداں صاحب اس دوران مارا گیا اور ارکاٹ پر باقاعدہ محمد علی کا قبضہ ہوگیا چونکہ محمد علی کو ارکاٹ پر قبضہ دلانے میں انگریزوں نے ہی اس کی فوجی مدد کی تھی اس لئے یہ نواب بھی ہمیشہ کے لئے انگریزوں کا فوجی حلیف بن گیا اس طرح سلطنت خداداد کے خلاف انگریزوں کی جنگوں میں یہ بھی بالواسطہ شریک ہی رہا ۱۷۹۵ء میں نواب محمد علی کا ٹیپو کی شہادت سے چار سال قبل انتقال ہوا دراصل اس کو انگریزوں نے ٹیپو کے خلاف اپنے ساتھ شریک کر کے میسور پر حکمرانی کا خواب دکھایا تھا لیکن حسب عادت اس سے اپنا کام لینے کے بعد انگریزوں نے اس سے بھی اپنی توجہ ہٹالی اس طرح جس سیاسی مفاد اور اقتدار کے لالچ میں اس نے اپنے ہم مذہب مسلم حکمرانوں کے خلاف سازش میں اسلام دشمنوں کے ساتھ شرکت کی تھی اس میں بھی وہ ناکام رہا۔

تیسرا باب

خطہ میسور کی تاریخی حیثیت

میسور کی وجہ تسمیہ

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی تحقیق کے مطابق میسور کا پرانا نام مہیش کنورو ہے جو سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس میں مہیش کے معنی بھینس اور کنورو کے معنی کے شہر ہیں[1] گویا میسور کے معنی سنسکرت زبان میں بھینسے کے شہر کے ہوئے اس کا یہ نام کیسے پڑا اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے اس سلسلہ میں کوئی حتمی بات کہنا مشکل ہے بعض مورخین کا خیال ہے کہ کہ یہاں پہلے کثرت سے بھینسے پائے جاتے تھے جس کی وجہ سے اس کا نام مھیش کنورو یعنی بھینسے کا شہر پڑ گیا اور پھر بگڑ کر میسور بن گیا یاد رہے کہ قوم نوائط کی زبان میں بھی جو میسور کے آس پاس آباد تھے مھیش کے معنی بھینسے ہی کے ہیں لیکن یہ سب قرائن ہیں بطور دلائل ان کو ماننا تحقیقی طور پر مشکل ہے لیکن اتنا طے ہے کہ میسور کا پرانا نام مھیش کنورو ہی تھا۔

موجودہ میسور

اس وقت میسور ہندوستان میں کسی صوبہ کا نہیں بلکہ ایک شہر اور ضلع کا نام ہے ۱۹۷۳ء تک جنوبی ہند کی موجودہ ریاست کرناٹک کا نام میسور ہی تھا آزادی کے بعد ۱۹۵۳ء میں جب لسانی بنیادوں پر ملک کی ریاستوں کی از سر نو تقسیم عمل میں آئی تو کنڑی زبان بولنے والے علاقوں کو یکجا کر کے اس پورے خطہ کو میسور کے نام سے ایک ریاست کا درجہ دیا گیا جس میں اس وقت کے صوبہ بمبئی (مہاراشٹرا) اور

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد نمبر ۲۱

حیدر آباد (آندھرا پردیش) کے کچھ کنڑی بولنے والے علاقے بھی آ گئے اس طرح آج جب جغرافیائی بنیادوں پر صوبہ میسور کہا جاتا ہے تو اس سے مراد موجودہ صوبہ کرناٹک ہی ہے جس کا رقبہ ۱۹۱،۷۹۱ مربع کلو میٹر اور آبادی پانچ کروڑ کے قریب ہے ملک کے جنوب مغرب میں بحیرہ عرب کے کنارہ واقع اس ریاست کی آبادی میں مسلمان ۱۱٪ کے ساتھ ۵۰ لاکھ سے بھی زائد ہیں۔

اس کی سرحدیں شمال میں صوبہ مہاراشٹرا و گوا جنوب میں صوبہ کیرالا و تامل ناڈو مشرق میں صوبہ آندھرا پردیش اور مغرب میں بحیرہ عرب کے مشرقی ساحل سے ملتی ہیں ۲۰/ اضلاع پر مشتمل اس صوبہ کا شمار اس وقت ملک کے ترقی یافتہ و خوشحال صوبوں میں ہوتا ہے ۵۵٪ لوگ خواندہ ہیں جن کی اکثریت کنڑی زبان بولتی ہے مسلمانوں کی مادری زبان شہروں میں اردو اور دیہاتوں میں کنڑی ہے یہاں کے مسلمان ملک کی دوسری ریاستوں کے مقابلہ میں نسبتاً خوشحال اور تعلیم یافتہ ہیں۔

اس کے صدر مقام بنگلور کا شمار ملک کے خوبصورت ترین شہروں میں ہوتا ہے جس کو شہر گلستاں بھی کہا جاتا ہے آبادی و رقبہ کے اعتبار سے اس صوبہ کا شمار ملک کے تمام ۲۵ صوبوں میں آٹھویں نمبر پر البتہ ہے موجودہ جغرافیائی اصطلاح میں میسور صرف ایک ضلع و شہر کا نام ہے جو عالمی نقشہ میں خط استواء سے اوپر اور خط سرطان کے نیچے ۱۲ درجہ عرض البلد اور ۷۶ درجہ طول البلد پر واقع ہے

ضلع میسور ۱۱۹۵۴ مربع کلو میٹر پر پھیلا ہوا ہے جس کی سرحدیں کرناٹک ہی کے اضلاع منڈیا و بینگلور سے ملی ہوئی ہیں۔

شہر میسور بھی ملک کا ایک تاریخی و خوبصورت شہر ہے جہاں مسلمانوں کا تناسب ۲۵٪ کے قریب ہے اس طرح اس شہر کو ملک کے ان ۳۹ شہروں میں شامل ہونے کا امتیاز بھی حاصل ہے جہاں کی جملہ آبادی میں ۲۵٪ مسلمان ہیں[1] پر فضا مقام معتدل آب و ہوا اور تاریخی مقامات کی وجہ سے یہ شہر اس پورے علاقہ میں سیاحت کا ایک اہم مرکز بن گیا ہے۔

میسور کی تاریخی حیثیت

تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میسور کا خطہ زمانہ قدیم ہی سے ممتاز رہا ہے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں مہابھارت وغیرہ میں بھی اس علاقہ کا تذکرہ ملتا ہے ہندو مذہب میں پائی جانے والی غلط رسومات کی اصلاح کے لئے جب خود ایک ہندو مبلغ گوتم بدھ نے آواز اٹھائی تو ہندوؤں کی طرف سے ان کی اجتماعی طور پر سخت مخالفت کی گئی جس کے نتیجہ میں گوتم بدھ کی اصلاحات و تعلیمات بعد میں ہندو دھرم سے الگ ہو کر ایک الگ مذہب کی شکل میں سامنے آئیں اس کی مذہبی سرگرمیوں کا دائرہ شمالی ہند ہی میں رہا بعد میں اپنے مذہب کی توسیع و تبلیغ کے لئے بدھ مذہب کے لوگ اشوکا اور چندر گپتہ کے زمانہ میں شمال سے جنوب میں میسور آئے جس کا اس وقت نام مہیش کنورو تھا بعثت نبوی سے پہلے تک یہاں مختلف خاندانوں کی حکمرانی رہی سب سے پہلے جس خاندان کی یہاں حکمرانی کا تحقیقی طور پر ثبوت ملتا ہے وہ ہندوؤں کا موریا خاندان ہے۔

[1] Manorma Year Book 1993

مفتی شوکت علی فہمی کے مطابق اس علاقہ پر مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں ۱۳۱۰ء میں ہوا[1] جب اس نے دو ہندو بھائیوں ویر پانڈے اور سندر پانڈے کی جنوبی ہند کے علاقہ مدورا کے تخت کے لئے آپسی لڑائی میں موخر الذکر کے بلانے پر اپنے نو مسلم غلام ملک کافور کو فوج دے کر حملہ کے لئے بھیجا اس جنگ میں ویر پانڈے اور اس کے حلیف راجہ میسور بلالاسوم کو جس کے پاس اس وقت بقول ابن بطوطہ ایک لاکھ فوج تھی شکست ہوئی[2] اور راجہ بلالاسوم کی سلطنت میسور پر جو اس وقت ہوئے سالاحکومت کہلاتی تھی اور دریائے کرشنا سے ملیبار تک اور ساحل بحیرہ عرب سے کارومنڈل تک پھیلی ہوئی تھی[3] علاء الدین خلجی کا قبضہ ہو گیا اس کے بعد مسلمانوں کا دوسرا حملہ محمد بن تغلق کے زمانہ میں چند ہی سال بعد ہوا اس نے دلی سے اپنا دار السلطنت دکن کے علاقہ دیوگری (دولت آباد) منتقل کر دیا۔

میسور میں اسلام کی آمد

اسلام کی دعوت یہاں سب سے پہلے ان عرب تاجروں کے ذریعہ پہنچی جو پہلی صدی ہجری میں حجاز و یمن سے تجارت کی غرض سے ہندوستان کے مغربی ساحل کیرالا ینگلور بھٹکل اور ہوناور پہنچے اور وہاں سے اندرون ملک پورے جنوبی علاقہ بشمول میسور و آس پاس میں پھیل گئے ان کی ہندوستان سے تجارت کا سلسلہ اسلام کی آمد سے قبل ہی سے تھا لیکن حجاز مقدس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مکمل تاریخ اسلام از مفتی شوکت علی فہمی [2] رحلہ ابن بطوطہ [3] عرب و دیار ہند

کی بعثت کے بعد ان کی حیثیت تاجروں کے ساتھ ساتھ مبلغین اسلام کی بھی ہو گئی۔

جنوبی ہند میں ہندو سلطنت کا قیام

دکن میں محمد بن تغلق کے قیام کے دوران جب شمال میں اس کے خلاف بغاوت پھوٹ پڑنے کی خبریں آنے لگیں تو وہ دہلی واپس چلا گیا اس سے فائدہ اٹھا کر میسور کے شکست خوردہ راجہ بلالاسوم نے اس وقت کے ہندوؤں کے ایک مشہور مذہبی رہنما جگت گرو شنکر اچاریہ مہادیو کے تعاون سے مسلمانوں کے خلاف بکھرے ہوئے ہندوؤں کو متحد کیا اور جنوبی ہند میں دریائے تنگبھدرا کے جنوب میں وجے نگر شہر میں باضابطہ ایک ہندو سلطنت کی بنیاد رکھی اور راجہ ہری ہر کو جو دراصل محمد بن تغلق کی فوج سے تعلق رکھتا تھا اور بلاری کا گورنر بنایا گیا تھا[1] اس کا پہلا فرماں روا مقرر کیا یہ ۱۳۳۶ء کے آس پاس کا زمانہ تھا اس کے بعد کئی سال تک ہندوؤں نے خود کو لڑائی و جنگ سے بچا کر اپنی پوری توجہ مذہبی بنیادوں پر قائم وجے نگر کی ہندو حکومت کو مستحکم و منظم کرنے پر مبذول رکھی آس پاس کی تمام چھوٹی بڑی ہندو حکومتوں نے بھی وجے نگر کی بالادستی تسلیم کر لی سوائے بلاری اور کڑپہ کے دو سرداروں کے جنہوں نے راجہ ہری ہر کی بالادستی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ۱۳۴۶ء میں جب راجہ ہری ہر کا انتقال ہو گیا تو وجے نگر کی ہندو سلطنت کی سرحدیں دریائے تنگبھدرا سے بحیرہ عرب تک پھیل گئی تھیں عین اسی زمانہ میں بحیرہ عرب کے مشرقی ساحل پر ہوناور اور بھٹکل کے درمیان خالص عربوں کی

[1] دکن کے بہمنی سلاطین از ہارون خان شیروانی

نسل سے تعلق رکھنے والے نوائط مسلمانوں کی حکومت قائم تھی جو تاریخ ہند میں سندھ کے بعد اپنی نوعیت کی دوسری حکومت تھی مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ جب وہ یہاں پہنچا تو یہاں کا سلطان جمال الدین محمد بن حسن برائے نام سلطنت وجے نگر کے ماتحت تھا یہاں کے لوگ عادات و اطوار اخلاق و دینداری اور مہمان نوازی وغیرہ میں اپنے اجداد عربوں کے مشابہ تھے[1] مولانا ابوظفر صاحب ندوی نے اپنی کتاب مختصر تاریخ ہند میں اس عربی حکومت کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس وقت سلطان جمال الدین کے پاس ایک مضبوط بحری جنگی بیڑہ کے علاوہ چھ ہزار کی فوج بھی تھی[2] جس زمانہ میں جنوبی ہند میں وجے نگر کی ہندو سلطنت پروان چڑھ رہی تھی تو دہلی اور آس پاس میں بہمنی خاندان کی حکمرانی تھی ادھر راجہ ہری ہر کے بعد اقتدار اس کے بھائی بکاریا کی طرف منتقل ہو گیا مسلمانوں کی بہمنی سلطنت اور ہندوؤں کی وجے نگر کی حکومت کے درمیان ورنگل میں راجہ نایک دیو کی ایک چھوٹی سی خود مختار ہندو حکومت بھی تھی لیکن محمد شاہ نے اس پر حملہ کر کے ورنگل کو گولکنڈہ کے قلعہ سمیت اپنی حکومت میں شامل کر لیا اس طرح وجے نگر اور بہمنی سلطنت کی سرحدیں ایک دوسرے سے مل گئیں یہ دونوں حکومتیں اس وقت طاقت و وسعت کے اعتبار سے ہم پلہ تھیں ۱۳۶۵ء میں راجہ بکاریا نے ورنگل پر جو اس وقت بہمنی مسلم سلطنت میں شامل تھا حملہ کر کے ہزاروں مسلمان کا قتل عام کر دیا اور بہمنی سلطنت کے دوسرے سرحدی علاقوں پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کی محمد شاہ نے اس کے انتقام میں دریا پار کر کے اور

[1] رحلہ ابن بطوطہ [2] مختصر تاریخ ہند از مولانا ابوظفر ندوی

وجے نگر کا محاصرہ کر کے ہزاروں ہندوؤں کو جس میں اعلیٰ ذات کے برہمن ہی دس ہزار سے اوپر تھے بے دردی سے قتل کر کے راجہ بکاریا کو اپنے ساتھ صلح کے لئے مجبور کر دیا لیکن راجہ نے چند ہی سالوں میں جنوبی ہند کی چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستوں مثلاً مدورا اور ملیبار کی سلطنتوں پر حملہ کر کے اس کو بھی وجے نگر کی ہندو سلطنت میں شامل کر دیا جس کے بعد ہندو حکومت کی سرحدیں جنوب میں راس کماری تک پھیل گئیں جب ۱۳۷۹ء میں راجہ بکاریہ مر گیا تو راجہ ہری ہر دوم نے ۱۴۰۴ء تک اس ہندو حکومت کا اقتدار سنبھالا اس کے عہد میں بہمنی حکمران فیروز شاہ کے ساتھ جنگ ہوئی جس میں مسلمان رائچور پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے مؤرخین لکھتے ہیں کہ وجے نگر اور بہمنی سلطنت کی آئے دن آپسی لڑائی و خون ریزی سے بچنے کے لئے فیروز شاہ نے وجے نگر کے اس وقت کے راجہ دیوارائے اول کی لڑکی سے شادی بھی کی لیکن یہ شادی بھی ان دونوں حکومتوں کے درمیان جنگوں کو روکنے میں ناکام رہی ۱۴۲۵ء تا ۱۴۴۶ء دیورائے دوم ۱۴۴۶ء تا ۱۴۶۷ء ملک ارجن وجے رایا اور ۱۴۶۷ء تا ۱۴۷۹ء اس کے چچا ویراکشہ کے حصوں میں وجے نگر کی حکمرانی آئی۔

مؤخر الذکر کے زمانہ میں اس عظیم ہندو سلطنت کا اتحاد برقرار نہیں رہ سکا وجے نگر کے ماتحت کنجی ورم، مدورائے اور ملیبار وغیرہ کے حکمرانوں نے داخلی بدنظمی اور طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر اپنی آزادی کا اعلان کر دیا تاریخ جنوبی ہند کے حوالہ سے مصنف عرب و دیار ہند نے لکھا ہے کہ ویراکشہ ہی کے عہد میں ہزاروں مسلم عرب تاجروں کا بھٹکل میں قتل عام کیا گیا اور بچ جانے والوں نے بھاگ کر گوا میں پناہ لیں لیکن ہندوؤں نے وہاں بھی ان کا محاصرہ کیا بالآخر اس

وقت گلبرگہ میں مقیم بہمنی سلطنت کے وزیر محمود گاواں نے گوا پر فوج کشی کر کے وہاں کے معصوم مسلمانوں کو نجات دلائی ویراکشہ کی نااہلی سے تنگ آکر سلطنت کے امراء نے باہم مشورہ سے اس کو تخت سے ہٹا کر ایک دوسرے خاندان کے شخص اور ضلع کنور کے گورنر نرسمہا کو تخت پر بٹھایا اس طرح ۱۴۸۶ء میں ہندو سلطنت کے بانی سنگما خاندان سے ڈیڑھ سو سالہ حکومت ہندوؤں کے تلنگا خاندان میں منتقل ہوگئی لیکن جلد ہی ۱۴۹۹ء میں ایک اور تیسرے ہندو خاندان تلودا نے حکومت پر قبضہ کر کے نرسانائک کو تخت پر بٹھادیا اور اس وقت کے حکمران نرسمہا کو زہر دے دیا یہی وہ زمانہ تھا جب بہمنی سلطنت کی اندرونی چپقلش سے فائدہ اٹھا کر بیجاپور میں عادل شاہی بیدر میں بریدشاہی اور احمد نگر میں نظام شاہی خود مختار مسلم حکومتیں قائم ہو چکی تھیں ۱۵۲۵ء میں گول کنڈہ میں بھی ایک آزاد قطب شاہی حکومت قائم ہو گئی چونکہ وجے نگر کے آس پاس قائم خود مختار مسلم سلطنتوں میں سب سے مضبوط بیجاپور کی عادل شاہی حکومت تھی جس کے قبضہ میں رائچور کا قلعہ اور دریائے کرشنا و تنگبھدرا کا درمیانی حصہ یعنی دوآبہ بھی تھا اس لئے فطری طور پر ہندو سلطنت کو اپنے لئے خطرہ سب سے زیادہ اسی حکومت سے تھا سوء اتفاق سے ان دنوں ان مسلم سلطنتوں کے آپسی تعلقات بھی درست نہیں تھے ان کی اس آپسی حریفانہ کشمکش سے فائدہ اٹھا کر وجے نگر کے راجہ کرشنا دیورایا نے ۱۵۲۰ء میں گوا کے پرتگالی سپاہیوں کو اپنے ساتھ لے کر اپنی سات لاکھ فوج کے ساتھ سلطنت بیجاپور پر حملہ کر دیا اس طرح ہندوستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ پرتگالیوں نے مسلمانوں کے خلاف حملہ میں حصہ لیا اور رائچور میں جو اس وقت تک

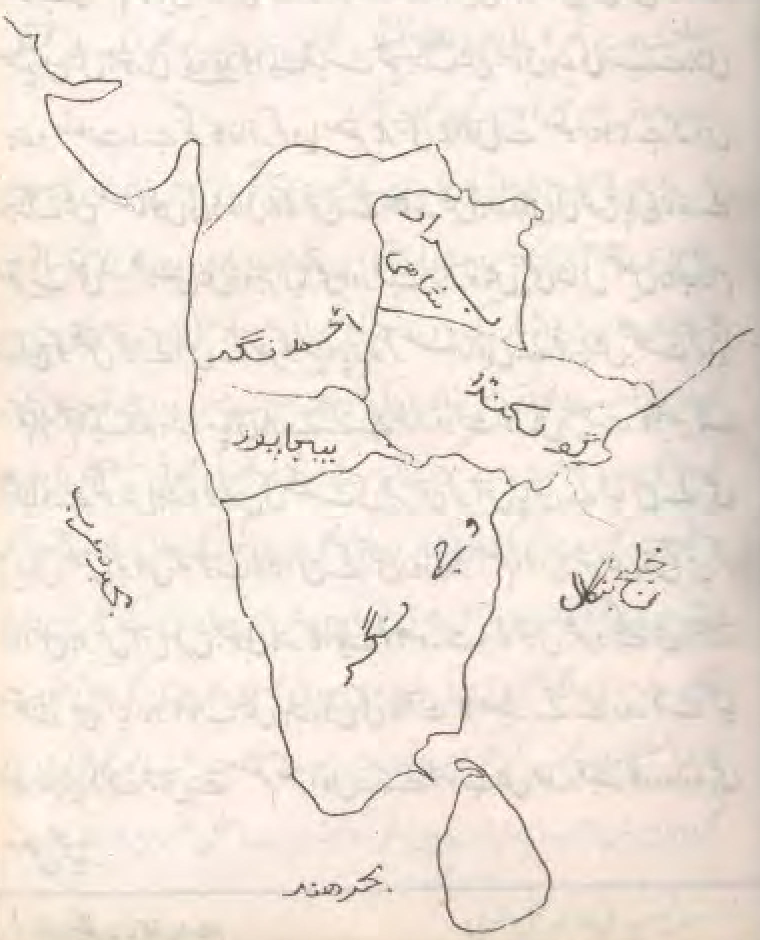
بیجاپور کی سلطنت ہی کے قبضہ میں تھا وہ تباہی مچائی کہ اللہ کی پناہ اس کے علاوہ کرشنا دیورایا نے وجے نگر سے الگ ہونے والی ملیبار و مدورا وغیرہ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اپنی طاقت کے بل بوتہ پر واپس سلطنت وجے نگر میں ضم کر دیا[1] لیکن جب راجہ کرشنا دیوا ریا کا انتقال ہوا تو اس کی جانشینی کو لیکر ان کے آپسی اختلافات نے سنگین صورت اختیار کر لی اس سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں نے ۱۵۳۰ء میں دوبارہ رائچور پر قبضہ کر لیا ۱۵۵۱ء میں وجے نگر کے راجہ رام راج نے دکن کی تینوں اسلامی سلطنتوں احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ کو آپس میں لڑا کر خود بیجاپور کے ساتھ بھی جنگ چھیڑ دی بیجاپور کے بادشاہ ابراہیم عادل شاہ نے مجبوراً اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے صلح کر لی ۱۵۵۸ء میں احمد نگر کی مسلم حکومت پر بھی وجے نگر کا قبضہ ہو گیا یہ ہندو سلطنت کے انتہائی عروج کا دور تھا مصنف عرب و دیار ہند نے لکھا ہے کہ اس وقت رام راج پورے جنوبی ہند میں سب سے طاقتور سیاسی حکمراں تھا جس سے آس پاس کے تمام حکمران کانپتے تھے۔

ہندو سلطنت کا زوال

راجہ رام اج وجے نگر حکومت کی پوری تاریخ میں سب سے بڑا متعصب اور ظالم حکمراں تھا اپنی اسلام دشمنی کے اظہار کے لئے وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا موقع ملتے ہی اپنی طاقت کے بل بوتہ پر آس پاس کے مسلم سرحدی علاقوں پر حملہ کر کے کچھ نہ کچھ حصہ کو اپنی سلطنت میں ضم کر لیتا مسلمانوں پر بھی آئے روز اس کے

[1] عرب و دیارِ ہند

جنوبی ہند میں ہندو سلطنت وجے نگر کا نقشہ



ظلم و ستم میں اضافہ ہونے لگا جب یہ سب مظالم مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہوگئے اور صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو قدرت نے دکن کے مسلمانوں کو سنبھلنے کا ایک اور موقع فراہم کیا اور مسلم سلاطین سمجھ گئے کہ اگر حالات یہی رہے تو مسئلہ صرف ان کی حکومتوں کی شکست وفتح کا نہیں بلکہ خود مسلمانوں کے وجود یا عدم وجود کا ہوسکتا ہے بلآخر آس پاس کے تمام مسلم حکمرانوں نے متحد ہو کر رام راج کے مقابلے کی قسم کھائیں اور دریائے کرشنا سے ۲۵ میل دور شمال میں تالی کوٹہ کے میدان میں جنوری ۱۵۶۵ء کو ایک قیامت خیز جنگ میں جنوبی ہند کی سب سے بڑی ہندو سلطنت وجے نگر کا خاتمہ کردیا معتبر تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی ڈھائی لاکھ فوج کے مقابلہ میں ہندوؤں کی فوج پانچ لاکھ کے قریب تھی[۱] جس میں دو ہزار ہاتھی اور ایک ہزار توپیں بھی شامل تھیں راجہ رام راج کو قتل کرکے اس کے سر کو نیزہ پر رکھ کر مسلمانوں نے فوج میں گشت کرایا کم از کم ایک لاکھ ہندو سپاہی مارے گئے بے شمار دولت اور مال غنیمت کا ڈھیر لگ گیا وجے نگر میں ہندو فوجوں کی شکست کی خبر سن کر آس پاس کے قبائل نے بھی یہاں گھس کر اس کو خوب لوٹا اس کے کئی روز بعد مسلم افواج شہر میں فاتح بن کر داخل ہوئیں اس طرح جنوبی ہند کا ایک خوبصورت و خوشحال شہر دیکھتے ہی دیکھتے کھنڈر بن گیا اور جنوب میں ہندوؤں کی طاقت کا ہمیشہ کے لئے زور ٹوٹ گیا دوسری طرف شمال سے مسلم حکمرانوں کے لئے جنوب میں حملہ و قبضہ کا دروازہ بھی کھل گیا۔

[۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

میسور وجے نگر کے زوال کے بعد

مسلم حکمرانوں کا مقصد ہندوؤں کی حکومت پر قبضہ نہیں تھا بلکہ رام راج کے فخر کو توڑنا اور اسکی طاقت کو ختم کرنا تھا ظاہر بات ہے کہ اس میں وہ سو فیصد کامیاب ہوگئے اسی لئے صرف چھ ماہ مسلم سلاطین وجے نگر میں رہ کر اور مسلمانوں سے چھینے ہوئے علاقے ان کو واپس دلا کر اپنی اپنی سلطنتوں میں چلے گئے جس کے بعد سلطنت وجے نگر کا باقی پورا علاقہ مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر پھر ایک بار مختلف ہندو راجاؤں اور حکمرانوں کے ماتحت آگیا۔

میسور کا خطہ دوبارہ وڈیار خاندان کے قبضہ میں آگیا اس خاندان کا میسور پر ۱۳۹۹ء میں پہلا حکمران راجہ وجے راج تھا اس کے بعد دوبارہ ۱۵۷۰ء میں اسکی ساتویں پشت میں راجہ راج وڈیار کے پاس میسور کی حکمرانی عود کر آئی اور یہ خاندان ۱۶۱۶ء تک اس منصب پر فائز رہا اس خاندان کی حکومت صرف میسور اور اسکے نواح ہی تک محدود تھی ہندو سلطنت وجے نگر کے قیام کے بعد دیگر چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کی طرح یہ حکومت بھی وجے نگر کی باج گذار بن گئی تھی وجے نگر کے زوال کے بعد میسور کو جب دوبارہ خود مختاری حاصل ہوئی تو ۱۶۰۹ء میں اس خاندان کے حکمران راج وڈیار نے سری رنگا پٹنم کو جس کی بنیاد نویں صدی عیسوی میں پڑی تھی اپنی حکومت کا دارالسلطنت منتخب کیا[۱] اس وقت یہ ریاست سلطنت بیجاپور کو خراج دیتی تھی ۱۶۸۶ء میں بیجاپور پر اور ۱۶۸۷ء میں گولکنڈہ پر جب مغل حکمران اورنگ زیب

[۱] سوانح حیدر علی از امجد علی اشہری

کا قبضہ ہو گیا تو انہوں نے جنوبی ہند کے اپنے مفتوحہ علاقوں کو ملا کر ایک صوبہ بنا کر بنگلور سے ۰۰ میل پر واقع سرا کو اس کا صدر مقام بنایا بیجا پور پر قبضہ کے ساتھ ہی یسور کا علاقہ بھی اس کے باج گذار ہونے کی وجہ سے اورنگ زیب ہی کے قبضہ میں آگیا گویا دوسرے الفاظ میں یسور کا حکمراں ہندو وڈیار خاندان بھی محدود داخلی خود مختاری کے باوجود عملاً سلطنت مغلیہ ہی کا باج گذار بن گیا۔

سلطنت خداداد کے قیام کے وقت یسور کے حالات

یسور کے اسی وڈیار خاندان میں نواب حیدر علی نے فوجی ملازمت کے ساتھ اپنی عملی معاشی زندگی کا آغاز کیا اور بعد میں ان ہی کے ہاتھوں جنوب میں سلطنت خداداد کا قیام بھی عمل میں آیا ۱۷۶۱ء میں جب نواب حیدر علی نے عنان حکومت سنبھالی تو اس وقت یسور کا راجہ کرشنا راج وڈیار تھا[1] جو ۱۷۳۶ء سے چارم راج کے بعد راجہ چلا رہا تھا عملاً یسور کی حکومت جو اب آس پاس کے صرف ۳۳ گاؤں ہی تک محدود تھی اب بھی سلطنت مغلیہ ہی کی باج گذار تھی سیاسی طور پر ان کی حکومت برائے نام تھی زمینداروں و پالیگاروں کا ہر گاؤں و شہر پر الگ الگ قبضہ تھا جو عوام کا مالی استحصال کر رہے تھے پوری حکومت میں صرف ایک بڑا طبقہ ہی خوشحال تھا غلامی کا رواج تھا ہندو عورتوں کی خرید و فروخت کے لئے مستقل منڈیاں قائم تھیں مندروں میں انسانی بھینٹ چڑھائی جاتی تھیں عورتیں نیم برہنہ ہو کر

[1] سوانح حیدری علی بحوالہ لیون بی بورنگ

بازاروں میں گھومتی تھیں بداخلاقی و بے حیائی عروج پر تھی ایک ہندو عورت کے پاس بیک وقت چار شوہر ہوتے تھے جن کے ساتھ وہ باری باری رات گذارتی تھی اسی وجہ سے بچہ کی پیدائش پر اسکی نسبت باپ کے بجائے اس کی ماں کی طرف کی جاتی تھی منشیات کا کاروبار زوروں پر تھا مسلمان بھی بڑی تعداد میں اس علاقہ میں آباد تھے لیکن توحید خالص سے دور خرافات و بدعات اور شرکیہ رسوم و رواج میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ہندوؤں کے مشابہ ہو گئے تھے کسی اجنبی کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں میں ظاہری طور پر تفریق کرنا دشوار تھا غرض یہ کہ سلطنت خداداد کے قیام کے وقت خطہ یسور کے حالات سیاسی و معاشی اور دینی و اخلاقی ہر اعتبار سے ناگفتہ بہ تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

چوتھا باب

خاندان ٹیپو

ٹیپو کا خاندانی پس منظر

ہندوستان کی تاریخ میں یہ بات کس کو معلوم تھی کہ میسور کے راجہ کے پاس ایک معمولی فوجی کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کرنے والے حیدر کے قابل لڑکے ٹیپو کے ہاتھوں وہ کارنامے انجام پائیں گے جس سے خود تاریخ بھی دنگ رہ جائے گی یہی وجہ ہے کہ بعد میں ان کے ہاتھوں انجام پانے والے کارناموں سے بے خبر رہ کر ہی تاریخ نے ان کے خاندانی پس منظر اور اسکی تفصیلات کو کچھ زیادہ محفوظ نہیں رکھا

مؤرخین کے درمیان اس بارے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے کہ ٹیپو کس خاندان یا نسل سے تعلق رکھتے تھے اس پر توسب کا تقریباً اتفاق ہے کہ یہ خاندان اصلاً میسور یا اس کے آس پاس کا نہیں تھا بلکہ ربع یا نصف صدی سے اس علاقہ میں مقیم تھا انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی تحقیق کے مطابق ٹیپو کا تعلق عربوں سے تھا اور یہ قریشی النسب تھا گویا دوسرے الفاظ میں اسکا نبوی خاندان سے تعلق تھا لیکن انگریز مؤرخ ولکس کے حوالہ سے محمود بنگلوری نے لکھا ہے کہ اس کے آباء و اجداد پنجابی تھے اسی حوالہ سے بعض مؤرخین انہیں پنجابی بھی لکھتے ہیں اس موضوع پر تاریخی کتابوں کے مطالعہ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ مؤرخین کے درمیان اس سلسلہ میں بظاہر کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے اور ان سب کی روایات کو جمع کرنے سے اس میں کوئی بنیادی تضاد بھی نظر نہیں آتا جیسا کہ اگلی سطور سے معلوم ہو گا۔

خاندان ٹیپو کی ہندوستان آمد

زیادہ صحیح روایات کے مطابق یہ خاندان اصلاً جزیرۃ العرب کا رہنے والا اور مکہ مکرمہ میں آباد تھا سولہویں صدی عیسوی کے اواخر میں یہ خاندان مکہ مکرمہ سے تلاش روزگار میں نکلا اور سب سے پہلے بغداد پہنچا پھر وہاں سے ایران ہوتے ہوئے افغانستان پہنچا کچھ سال وہاں مقیم رہ کر پنجاب آیا اور ایک مدت تک وہیں رہا پھر دہلی اور اجمیر ہوتے ہوئے آخر میں گلبرگہ میں آکر بس گیا چونکہ یہ خاندان پنجاب میں کئی سال رہا اس لئے اس خاندان پر پنجابی تہذیب و تمدن کے اثرات نمایاں طور پر غالب آگئے اور ان ہی اثرات کی وجہ سے لوگ انہیں پنجابی النسل سمجھنے لگے پنجاب میں یہ خاندان چونکہ بری راستہ سے افغانستان سے آیا تھا اس لئے پنجابی لوگوں نے انہیں افغانی النسل مشہور کر دیا جبکہ یہ خاندان حقیقت میں جزیرۃ العرب سے آیا تھا بہرحال یہ خاندان سترہویں صدی عیسوی کے اوائل میں جنوبی ہند میں ہندوؤں کی سلطنت وجے نگر کے زوال کے بعد میسور کے قریب آکر بس گیا تھا نشان حیدری کے مصنف میر حسین علی کرمانی اور تاریخ ٹیپو سلطان کے مصنف محب الحسن نے کارنامہ حیدری کے حوالہ سے اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی ہے اس سے بھی ہماری بات کی تائید ہوتی ہے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ٹیپو کے اجداد میں مکہ مکرمہ میں ایک قریشی تھے جن کا نام حسن بن یحییٰ (م ۱۴۶۹ء) تھا ان کو سلطنت عثمانیہ کی طرف سے شریف مکہ مقرر کیا گیا تھا ان کے لڑکے محمد بن حسن کے فرزند احمد کی شادی صنعاء میں اس وقت کے یمن کے بادشاہ کی لڑکی سے ہوئی

تھی چونکہ بادشاہ کا کوئی لڑکا نہیں تھا اس لئے اسکے انتقال کے بعد اس کا داماد ہی یمن کا حکمران بن گیا لیکن اس کے وزیروں نے اس کو دھوکہ دے کر جلد ہی قتل کر دیا جس کے بعد اس کا لڑکا محمد بن احمد بھاگ کر بغداد پہنچا اور وہاں اس نے تجارت شروع کی کچھ دنوں کے بعد اس نے وہیں پر طاہر آفندی نامی شخص کی لڑکی سے شادی کی جس سے اس کو تین لڑکے پیدا ہوئے اس میں ایک عبدالغنی بھی تھا جس کے لڑکے حسن نے بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر بھاگ کر بغداد سے ترک وطن کر کے افغانستان میں پناہ لی پھر وہاں سے ہندوستان آکر اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے متولی کی لڑکی سے شادی کی اس سے اس کو محمد بہلول نامی لڑکا پیدا ہوا۔

ٹیپو کے اجداد

بہلول سے بعد میں ہونے والے لڑکے ولی محمد نے ۱۶۲۶ء میں بیجاپور کے عادل شاہی حکمران محمد بن ابراہیم کے فرزند سلطان محمد کے زمانہ میں وہاں سے بھی نقل وطن کر کے دہلی ہوتے ہوئے اپنی فرزند محمد علی کے ساتھ گلبرگہ کو اپنا مستقر بنایا[1] یہ زمانہ دکن میں سلطنت بیجاپور کے عروج کا تھا اور پورے ملک سے اہل علم بیجاپور کا رخ کر رہے تھے گلبرگہ میں ولی محمد نے اپنے لڑکے محمد علی کی شادی وہاں کی مشہور درگاہ حضرت بندہ نواز المعروف گیسوئے دراز کے ایک متولی یا

[1] حیدر علی از نریندر کرشن سنہا

بقول محب الحسن خادم کی لڑکی سے کردی کچھ ہی دنوں میں ولی محمد کا انتقال ہو گیا جس کے بعد محمد علی بیجاپور چلے آئے جہاں اس وقت علی عادل شاہ کی حکمرانی تھی محمد علی اپنے سات بھائیوں کے ساتھ عادل شاہی حکومت میں فوجی ملازم بن گئے لیکن بیجاپور پر مغلوں کے حملہ کے دوران ان کے ساتوں بھائی کام آگئے جس سے دل برداشتہ ہو کر محمد علی نے کولار کی طرف ہجرت کی اور وہاں کے حاکم شاہ محمد سے پہلے سے شناسائی کی وجہ سے اس کی جائداد کے نگراں مقرر ہوئے شاہ محمد نے ان کو زمین بھی دی تھی جس میں وہ خالی اوقات میں کھیتی باڑی کا کام بھی کرتے تھے اور بعض اوقات زمین کو کرایہ پر زراعت کے لئے بھی دوسروں کو دیتے تھے ایک روایت کے مطابق اس دوران محمد علی نے کولار میں ایک شادی بھی کی جس سے ان کو ایک بڑا لڑکا فتح محمد پیدا ہوا جو ٹیپو کے حقیقی دادا تھے اس طرح مذکورہ روایت کے مطابق ٹیپو کی دادی خاص کولار ہی کی تھی۔

دادا فتح محمد

۱۶۶۷ء میں محمد علی اپنے پیچھے چار لڑکوں کو چھوڑ کر رحلت کر گئے جن کے نام یہ ہیں ۱) محمد امام ۲) محمد الیاس ۳) علی محمد ۴) فتح محمد، والد کے انتقال کے بعد چاروں بھائی تلاش معاش میں مختلف جگہوں پر چلے گئے فتح محمد بھی کولار میں کچھ سال رہ کر آرکاٹ کے والی نواب سعادت اللہ خاں کے پاس پہنچے اور کچھ مدت تک وہاں کے قلعدار ابراہیم خاں کی سفارش پر ان کے یہاں ملازمت کی بعد میں نواب صاحب نے اپنی فوج کے ایک دستہ کی کمان بھی ان کے حوالہ کی جو پانچ سو سواروں اور چار

سو پیادہ سپاہیوں کے علاوہ پچاس توپچیوں پر مشتمل تھی چونکہ فتح محمد کے بڑے بھائی شیخ محمد الیاس کے لڑکے حیدر صاحب پہلے ہی سے میسور کے راجہ کی فوج میں ملازمت کر رہے تھے اس لئے بھتیجے کے اصرار پر نواب آرکاٹ کی ملازمت ترک کر کے وہ بھی راجہ میسور کی فوج میں نائک کے عہدہ پر جو میسور کی فوج میں اس وقت ایک فوجی عہدہ کا نام تھا فائز ہو گئے اسی دوران میسور کے راجہ کے وزراء میں باہمی اختلافات پیدا ہو گئے حیدر صاحب کا بھی انتقال ہو گیا ان سب چیزوں سے دل برداشتہ ہو کر فتح محمد دوبارہ کولار واپس آگئے[1] کولار میں دوبارہ قیام کے دوران ان کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام شہباز اور ولی محمد تھا موخر الذکر کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا کولار میں فتح محمد برسر روزگار نہیں تھے اس لئے تلاش معاش میں صوبہ سرا چل پڑے جو اس وقت دکن کے علاقہ میں مغلیہ سلطنت کی مقبوضات کا دارالسلطنت تھا اس وقت وہاں کے حکمران نواب درگاہ قلی علی تھے جنہوں نے فتح محمد کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ڈوڈا بالاپور جیسے اہم قلعہ کی کمان ان کے سپرد کی جس میں سو سوار اور سو پیادہ سپاہی تھے سرا کی ملازمت کے دوران ہی ۱۷۲۲ء کو بودی کوٹہ کے مقام پر ان کے یہاں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی جس کا نام انہوں نے حیدر علی رکھا نواب درگاہ قلی علی کے انتقال کے بعد سرا کی حکمرانی کے سلسلہ میں تنازعہ پیدا ہو گیا اصلاً جانشین تو ان کے صاحبزادہ عبدالرسول خاں تھے لیکن ظاہر خاں نے اس پر بالجبر قبضہ کر لیا تھا بالآخر ان دونوں میں جنگ چھڑ گئی اور عبدالرسول خاں کے ساتھ فتح محمد بھی مارے گئے اور ۱۷۲۸ء ظاہر خاں سرا کا حاکم بن بیٹھا۔

[1] تاریخ ٹیپو سلطان از محب الحسن

اب یہاں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے کہ حیدر علی فتح محمد کی کس بیوی سے تھے میر حسین علی کرمانی مصنف نشان حیدری کا کہنا ہے کہ فتح محمد کی صرف ایک بیوی تھی اور ان کے تینوں لڑکے ایک ہی بیوی یعنی تنجاور کے پیرزادہ سید برہان الدین کی لڑکی سے پیدا ہوئے[1] لیکن انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ فتح محمد کی دو بیویاں تھیں ایک خاص کولار کی جس سے اول الذکر دو لڑکے پیدا ہوئے دوسری سرا کے زمیندار اکبر علی خاں کی دختر مجیدہ بیگم جس سے صرف حیدر علی تھے[2] لیکن انگریز مؤرخ کرنل ولکس کے حوالہ سے محمود خاں بینگلوری نے لکھا ہے کہ فتح محمد کی تین بیویاں تھی ایک کولار کی جس کا وہیں انتقال ہوا اور اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی دوسری اور تیسری بیوی کا تعلق اہل نوائط سے تھا اس شادی کا پس منظر کچھ یوں تھا کہ اہل نوائط کا ایک خاندان کوکن سے آرکاٹ جارہا تھا راستہ میں ڈاکوؤں نے حملہ کر کے سب کو قتل کر دیا صرف ایک خاتون مع ایک لڑکے اور دو لڑکیوں کے بچ گئی جس نے بعد میں کولار میں جاکر پناہ لی اس وقت فتح محمد کولار میں مقیم تھے انہوں نے اس خاتون کی بڑی لڑکی سے شادی کی لیکن جلد ہی اس کا انتقال ہو گیا تو فتح محمد نے پھر اس کی چھوٹی بہن سے شادی کی جس سے شہباز اور حیدر علی وغیرہ پیدا ہوئے۔ جو مؤرخین سرا کے زمیندار اکبر علی خاں کی دختر مجیدہ بیگم سے فتح محمد کی شادی کے قائل ہیں وہ اس شادی کی تفصیلات کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اکبر علی خاں اپنے انتقال کے وقت سرا کے حاکم نواب درگاہ قلی علی خاں کے مقروض تھے نواب سرا نے فتح محمد کو بیگم اکبر علی خاں کے

[1] نشان حیدری از میر حسین علی کرمانی [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

پاس قرض کی وصولی کے لئے بھیجا لیکن وہ قرض ادا نہ کر سکی اس پر فتح محمد نے کہا کہ اگر وہ ان کو اپنا داماد بنانے پر راضی ہو جائے تو وہ خود ان کی طرف سے قرض کی ادائیگی کا بندوبست کرینگے اس پر بیگم اکبر خاں راضی ہو گئی اور ان کو اپنی دامادی میں قبول کیا[1]

فتح محمد کا جب انتقال ہوا تو وہ بھی حاکم سرا کے مقروض تھے فتح محمد کے انتقال کے بعد حاکم سرا کے وارثوں نے ان کی بیوہ اور لڑکوں شہباز و حیدر علی پر قرض کی ادائیگی کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کیا جو اس وقت کے اٹھارہ ہزار روپے بتائے جاتے تھے اسی بہانہ بیوہ و یتیموں پر ظلم بھی کیا جاتا تھا حسن اتفاق سے اس وقت حیدر علی کے ماموں ابراہیم صاحب یا بقول نریندر کرشن سنہا خود اس کے چچازاد بھائی حیدر صاحب راجہ میسور کے پاس ملازم تھے[2] ان کے توسط سے جب اس خاندان پر حاکم سرا کے وارثوں کے ظلم و ستم کی خبریں راجہ میسور تک پہنچیں تو اس نے اس خاندان کو فوراً رہا کرنے کا حاکم سرا کو حکم دیا حکم عدولی پر سخت دھمکی بھی دی جس سے گھبرا کر اس خاندان کو فوراً رہا کر دیا گیا جہاں سے بینگلور ہوتے ہوئے یہ لوگ میسور کے دار السلطنت سری رنگا پٹنم پہنچے چونکہ شہباز و حیدر علی اب کچھ جوان بھی ہو چکے تھے اس لئے اپنے عزیزوں کی سفارش پر جو پہلے ہی سے راجہ کے پاس ملازم تھے خود بھی میسور کی فوجی ملازمت سے منسلک ہو گئے۔

[1] حالات حیدری بحوالہ سوانح حیدر علی [2] حیدر علی از نریندر کرشن سنہا

پانچواں باب

حیدر علی ولادت سے سپہ سالار فوج تک

پیدائش

جیسا کہ پچھلی تفصیلات سے معلوم ہوا کہ حیدر علی کی ولادت ۱۱۳۴ھ مطابق ۱۷۲۲ء کو فتح محمد کے صوبہ سرا میں ڈوڈا بالاپور کے قلعہ کی کمان سنبھالنے کے دوران کولار کے قریب بودی کوٹہ نامی گاؤں میں زیادہ صحیح روایت کے مطابق سرا کے زمیندار اکبر علی خاں کی صاحبزادی مجیدہ بیگم کے بطن سے ہوئی محب الحسن صاحب مصنف تاریخ ٹیپو سلطان کی تحقیق کے مطابق حیدر علی کی سنہ پیدائش ۱۱۳۳ھ مطابق ۱۷۲۱ء ہے جبکہ بعض دوسرے مؤرخین ۱۱۲۹ھ مطابق ۱۷۱۷ء کے قائل ہیں لیکن عام طور پر زیادہ تر کتابوں میں مقدم الذکر تاریخ ہی ملتی ہے۔

امجد علی اشھری نے سوانح حیدر علی میں حملات حیدری کے حوالہ سے حیدر علی نام رکھنے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فتح محمد کو لڑکوں سے بڑی محبت تھی اور ان کی خواہش تھی کہ ان کو مزید لڑکا ہی پیدا ہو مجیدہ بیگم کے حمل کے زمانہ میں انہوں نے اس کو اس زمانہ کے مشہور بزرگ حیدر علی شاہ درویش کی خدمت میں بھیجا اور ان سے دعا کرائی کہ نیک اور قابل فرزند کی ولادت ہو انہوں نے کہا کہ انشاء اللہ فرزند ہو گا اور ولادت پر اس کا نام میرے نام پر حیدر علی ہی رکھا جائے[1] بعد میں فتح محمد نے اسی ہدایت پر عمل کیا اور اپنے نومولود کا نام حیدر علی رکھا جو آگے چل کر نواب حیدر علی خاں کہلائے۔

[1] سوانح حیدر علی

بچپن

حیدر علی کی پیدائش کے چار پانچ سال بعد تک اس خاندان میں بڑی خوشحالی رہی اس لئے کہ اس وقت فتح محمد خاں صوبہ سرا میں ڈوڈا بالاپور کے قلعہ کی کمان سنبھالے ہوئے تھے فتح محمد خاں کے انتقال کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور اچانک خوشحالی و آرام کی زندگی تنگ دستی و عسرت سے بدل گئی اپنے والد فتح محمد کے قرض کی ادائیگی کے لئے حاکم سرا کے وارثوں کے دباؤ اور ظلم و ستم سے تنگ آکر یہ خاندان میسور منتقل ہو گیا اس وقت حیدر علی کی عمر ۶ سال اور شہباز کی گیارہ سال تھی اس طرح بچپن ہی سے یہ دونوں لڑکے اپنے والد کی تربیت سے محروم رہے والدہ ناساز گار حالات میں پھنس چکی تھی مالی وسائل بھی نہ ہونے کے برابر تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ان بچوں کی ابتدائی تعلیم کا نظم بھی نہیں ہو سکا حالانکہ اس زمانہ میں مسلم خاندانوں کے اندر تعلیم کا رواج عام تھا۔

کوئی مشغلہ نہ ہونے کی وجہ سے حیدر علی اپنا زیادہ تر وقت شکار میں گذارتے تھے گھوڑ سواری و سپہ گری ان کا محبوب مشغلہ تھا اس طرح تعلیم میں نہ سہی جنگی فنون میں حیدر علی کو مہارت حاصل ہونے لگی ۱۳/۱۲ سال کی عمر تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور اس خاندان کے معاشی حالات میں کوئی قابل ذکر سدھار نہیں آیا۔

ملازمت

نریندر کرشن سنہا نے اپنی کتاب حیدر علی میں لکھا ہے کہ حیدر علی کے بھائی شہباز نے پہلی دفعہ کرناٹک یعنی آرکاٹ کے نواب محمد علی کے چھوٹے بھائی عبدالوہاب کے پاس فوجی ملازمت کی جو چتور کا جاگیر دار تھا حیدر علی کی باضابطہ فوجی تربیت شہباز علی نے اس زمانہ میں چتور میں کی جب اس کے قبضہ میں دو سو سواروں کی پہلی دفعہ کمان دی گئی تھی[1] اس وقت میسور کا راجہ کرشنا راج اپنے وزیروں کے ہاتھوں محض ایک کٹھ پتلی تھا ریاست کے تمام اختیارات اس کے وزیروں یعنی نند راج جو اس کا خسر بھی تھا اور اس کے بھائی دیوراج کے پاس تھے دیوراج فوج کا سپہ سالار اور نند راج محاصل و مالیات کا نگراں تھا نند راج نے شہباز کو میسور کی فوج میں پچاس سوار اور سو پیادہ دستہ کا افسر مقرر کیا اور حیدر علی کو بھی سریرنگا پٹنم میں ایک چھوٹے سے فوجی دستے کی کمان سونپ دی ۱۷۴۹ء میں میسوری افواج کی طرف سے دیون ہلی کے محاصرہ کے دوران حیدر علی نے اپنی غیر معمولی قابلیت و مہارت کا مظاہرہ کیا جس سے متاثر ہو کر نند راج نے ان کو ترقی دی اور خان کا خطاب دے کر باقاعدہ دو سو پیادہ اور سو سواروں کا افسر مقرر کر دیا اس طرح جلد ہی حیدر علی نے اپنی فطری صلاحیتوں و قابلیتوں کا مظاہرہ کر کے میسور کی فوج میں اپنا ایک مقام بنا لیا راجہ اور اس کے وزیروں کے دلوں میں بھی ان کی قابلیت و صلاحیت کا سکہ بیٹھ گیا۔

شادی

تاریخ کی کتابوں میں حیدر علی کی شادی سے متعلق بہت کم تفصیلات

---

[1] حیدر علی از نریندر کرشن سنہا

دستیاب ہیں مؤرخین عام طور پر ان کی دو شادیوں کے قائل ہیں جس کے مطابق پہلی شادی صوبہ سرا کے ایک پیرزادہ سید شہباز شاہ میاں کی دختر سے ہوئی اس وقت حیدر علی کی عمر ۱۹ سال یا اس کے آس پاس تھی اس شادی کا خرچ میسور کے وزیر تندراج نے خود ادا کیا اس سے ان کو ایک بچی بھی ہوئی لیکن فالج کے حملہ کی وجہ سے یہ بیوی معذور و مفلوج ہو گئی تھی یہ سقوط سری رنگا پٹنم یعنی ۱۷۹۹ء تک بقید حیات رہی شاہی خاندان کی انگریزوں کی طرف سے ویلور جلاوطنی کے دوران ۱۸۰۵ء میں اسکا وہیں انتقال ہوا اس کا مزار بھی ویلور ہی میں ہے اسی معذور بیوی کے اصرار پر حیدر علی نے کڑپہ کے گورنر میر معین الدین کی لڑکی فاطمہ بیگم سے جو فخر النساء بھی کہلاتی تھی دوسری شادی کی اسی سے حیدر علی کو ۲۰ / ذی الحجہ ۱۱۶۳ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۷۵۰ء کو بینگلور سے شمال مشرق میں واقع ایک قصبہ دیون ہلی میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام حیدر علی نے اپنے والد فتح محمد کے نام پر فتح علی اور آرکاٹ کے بزرگ ٹیپو مستان ولی کے نام پر جس کے مزار پر حاضر ہو کر فاطمہ بیگم نے نیک بخت فرزند کی ولادت کی دعا کی تھی ٹیپو سلطان رکھا لیکن موخر الذکر نام ہی چل پڑا اور اسی نام سے بعد میں اس نے شہرت بھی پائی ٹیپو کے علاوہ حیدر علی کو اسی بیوی سے اور بعض روایات کے مطابق ایک تیسری بیوی سے جو مہدی بیگ جمعدار کی لڑکی تھی ایک اور بچہ بھی پیدا ہوا جس کا نام کریم شاہ عرف صفدر شکوہ تھا یہ بچہ طبعاً کمزور دماغ کا تھا دائرہ معارف اسلامیہ میں کارنامہ حیدری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حیدر علی کا ایک تیسرا لڑکا بھی تھا جس کا نام صفدر علی خاں تھا لیکن غازی اعظم کے مصنف شاہ ابوالحسن ادیب کی تحقیق کے مطابق صفدر علی خاں کریم شاہ ہی کا

دوسرا نام تھا بعض مؤرخین کے مطابق حیدر علی نے بعد میں نواب کڑپہ عبدالحکیم خاں کی بہن سے بھی شادی کی تھی۔

فوجی ترقی

ٹیپو سلطان کی ولادت سے حیدر علی کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا اور دنیا میں اس نیک بخت فرزند کی آمد اسکی سیاسی و فوجی ترقی کا سبب بن گئی ۱۷۵۲ء میں ارکاٹ پر حکمرانی کے سلسلہ میں جب نواب محمد علی اور چنداں صاحب کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو محمد علی کی پشت پر انگریزوں کی فوج تھی اور چنداں صاحب کی حمایت فرانسیسی کر رہے تھے محمد علی نے اپنے اقتدار کو بچانے میں میسور کے راجہ سے بھی فوجی مدد طلب کی اور وعدہ کیا کہ فتح کی صورت میں ترچنا پلی میسور کے حوالہ کر دیا جائے گا مرہٹوں اور نظام کی طرف سے خود اپنے لئے خطرہ کے باوجود ترچنا پلی کے حصول کی امید میں تندراج نے حیدر علی کے ساتھ بیس ہزار کی فوج اس کی مدد کے لئے بھیجی چنداں صاحب مارا گیا اور محمد علی آرکاٹ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن فتح کے نشہ میں ترچنا پلی میسور کے حوالہ کرنے کے اپنے وعدہ سے مکر گیا بالآخر تندراج نے فرانسیسیوں کی مدد سے ترچنا پلی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی یہ کوشش بھی بے سود رہی اور تندراج نامراد میسور واپس لوٹا حیدر علی بھی اس مہم میں شامل تھا فوجی اعتبار سے تو یہ مہم ناکام رہی لیکن اس سے حیدر علی کے فوجی تجربہ میں اضافہ ہوا چنانچہ سوانح حیدر علی کا مصنف لکھتا ہے کہ

"ترچنا پلی حیدر علی کے لئے بہت اہم تربیت گاہ ثابت ہوئی وہاں مسلسل کشاکش و کشمکش کے باوجود اس کی شخصیت میں پختگی آ گئی اس کا مشاہدہ تیز ہوا سوجھ بوجھ بڑھی کردار میں نکھار آیا جنگ جوئی کے فن کا تجربہ اس نے وہیں حاصل کیا اپنے پختہ شعور واضح بصیرت اور مستقل مزاجی کی بدولت اس نے مغربی نظام یورش و طریقہ دفاع کو بخوبی سمجھ لیا"[1]

حیدر علی کی دلیری و ثابت قدمی بہادری و مہارت سے متاثر ہو کر میسور کے وزیر تندراج نے اس کو ۱۷۵۲ء میں میسور کے قریب ضلع ڈنڈیگل کے پالیگاروں یعنی زمینداروں کی بغاوت کو ختم کرنے کے لئے وہاں کا گورنر مقرر کیا اور اس کے ماتحت چار ہزار پیادہ اور ڈیڑھ ہزار سواروں کی فوج دی تاریخ ٹیپو سلطان کے مصنف محب الحسن صاحب لکھتے ہیں کہ حیدر علی نے ڈنڈیگل کی گورنری کے دوران اپنی خاص فوج میں تندراج کی اجازت سے اضافہ کیا توپ خانوں کو منظم کیا اور فرانسیسی انجنیروں کی مدد سے ایک اسلحہ خانہ بھی وہاں قائم کیا ترچنا پلی سے نامراد واپسی تندراج کے لئے تو زحمت بن گئی لیکن یہی مہم حیدر علی کے حق میں رحمت بن گئی اور اس سے اس کی فوجی ترقی کا دروازہ کھل گیا[2]

میسور میں داخلی بغاوت اور مرہٹوں کا حملہ

ڈنڈیگل میں حیدر علی کی گورنری کے دوران میسور کے داخلی حالات سیاسی و

[1] حیدر علی از نریندر کرشن سنہا [2] تاریخ ٹیپو سلطان از محب الحسن

اقتصادی اعتبار سے دن بدن خراب ہونے لگے راجہ میسور کرشنا راج اپنے وزیر کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن گیا تھا وہ اپنے وزیروں کے اختیارات کم کر کے حکومت کے معاملات میں خود اپنے حرف آخر ہونے کو ثابت کرنا چاہتا تھا دونوں وزیروں تندراج اور دیوراج کی نااہلی سے تنگ آ کر فوج نے بھی اپنے افسر گنگا رام کی قیادت میں وزیروں کے خلاف بغاوت کر دی ترچنا پلی کی ناکام مہم کی وجہ سے حکومت کی مالی حالت بھی خراب ہو گئی تھی فوجیوں کو تنخواہیں نہیں مل رہی تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دنوں میں تندراج کے خلاف بغاوت پوری ریاست میں پھیل گئی یہ دیکھ کر تندراج کے بھائی دیوراج نے راجہ کے محل پر گولہ باری کر دی اور راجہ کو اپنی اطاعت پر مجبور کر دیا تندراج نے داخلی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ڈنڈیگل سے حیدر علی کو میسور بلایا دو ماہ کے اندر ہی حیدر علی نے بغاوت پر قابو پا کر باغی فوجی افسر گنگا رام کو قید کر دیا فوجیوں کی تنخواہوں کا بندوبست کیا اور راجہ اور اسکے وزیروں کے درمیان صلح بھی کرائی ۱۷۵۲ء کو مرہٹوں نے اچانک میسور پر حملہ کر دیا ان کا مقصد ریاست پر قبضہ نہیں بلکہ دولت کا حصول تھا اس لئے وہ جلد ہی راجہ میسور کی طرف سے ایک کروڑ روپیہ کو دینے کا وعدہ لے کر واپس چلے گئے البتہ بطور ضمانت میسور کے بہت سارے علاقوں کو اپنے قبضہ ہی میں رکھا جب حسب وعدہ راجہ میسور نے تاوان ادا نہیں کیا تو مرہٹوں نے اپنے پاس بطور ضمانت موجود علاقوں پر اپنے قبضہ کو باقاعدگی دے دی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیدر علی کی وفاداری اور سپہ سالار کے عہدہ پر ترقی

حیدر علی سے اپنے محسن راجہ کی یہ توہین کب برداشت ہو سکتی تھی وہ کب اس کو گوارہ کرتا کہ راجہ کی حکومت جو پہلے ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی مزید سمٹ کر میسور اور اس کے نواح تک ہی رہ جائے سب سے پہلے اس نے مرہٹی افواج پر حملہ کر کے جو گوپال راؤ کی قیادت میں سری رنگا پٹنم کا محاصرہ کئے ہوئی تھی اس کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا اس کے بعد اولین فرصت میں آس پاس کے علاقوں سے مطلوبہ رقم جمع کی اور مرہٹوں کو حسب وعدہ دے کر راجہ کے مقبوضہ علاقوں سے انکو دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا حیدر علی کی اس وفاداری سے راجہ اس قدر خوش ہوا کہ اس نے فوراً اس کے صلہ میں اس کو اپنی پوری میسوری فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے فتح حیدر بہادر کا خطاب دے دیا۔ اس کے علاوہ اپنے دشمنوں سے تمام فوجی معاملات طے کرنے کا اس کو اختیار بھی دیا ادھر تندراج نے بھی میسور کے سیاسی حالات سے دل برداشتہ ہو کر خود حیدر علی کے مشورہ سے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی جس کے عوض راجہ نے اس کو بقیہ زندگی سکھ سے گذارنے کے لئے ایک جاگیر دے دی اس کے بعد حیدر علی کی سفارش پر راجہ میسور نے تندراج کی جگہ کھنڈے راؤ کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا آگے چل کر یہی وزیر اعظم حیدر علی کے خلاف سازش میں پیش پیش رہا۔

چھٹا باب

از قیام سلطنت خداداد
تا وفات حیدر علی

حیدر علی کے خلاف سازش

میسور کی طرح ادھر حیدر آباد میں بھی عین اسی زمانہ میں حکمرانی کے سلسلہ میں اختلافات سر اٹھا رہے تھے نظام صلابت کو اس کے بھائی نظام علی نے ۱۷۶۱ء میں قید کر کے خود حیدر آباد کے تخت پر قبضہ کر لیا تھا دریائے کرشنا کے آس پاس جنوب میں اس کے ایک اور بھائی بصالت جنگ کی حکمرانی تھی پانی پت کے میدان میں ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی کے ساتھ مرہٹوں کی جنگ جاری تھی جس کی وجہ سے ان کی پوری توجہ شمالی ہند پر تھی تاکہ افغانوں کو ان کے مرکز کی طرف سے بڑھنے سے وہ روک سکیں سرا کے صوبہ پر مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا تھا نظام کا بھائی بسالت جنگ اس کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے کوشاں تھا اس کے لئے وہ اپنی فوج لے کر نکل پڑا اور بنگلور سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہوسکوٹ کے قلعہ کا اسکی افواج نے محاصرہ بھی کر لیا اس قلعہ میں سات سو مرہٹہ سپاہی تھے دو ماہ کے مسلسل محاصرہ کے باوجود جب وہ اس کو فتح نہ کر سکا تو اس نے مجبوراً میسوری افواج کے سپہ سالار حیدر علی سے اس سلسلہ میں فوجی مدد طلب کی حیدر علی نے اس شرط پر اس کی مدد کا وعدہ کیا کہ قلعہ کو فتح کرنے کے بعد اس کو سرا کا نواب بنایا جائے البتہ مال غنیمت پورا بسالت جنگ کو دیا جائیگا مجبوراً بسالت جنگ نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کی اور حیدر علی نے چند ہی دنوں میں اسکو فتح کر لیا حسب وعدہ بصالت جنگ کی سفارش پر دہلی کے اس وقت کے مغل بادشاہ نے حیدر علی کے لئے سرا کی نوابی لکھ دی جس کے بعد ہوسکوٹ اور آس پاس کے علاقوں کو حیدر علی نے سلطنت میسور

میں شامل کر لیا اب حیدر علی سرا کی نوابی کی وجہ سے نواب حیدر علی کہلانے لگا اس طرح سلطنت میسور میں شامل ایک بڑا علاقہ عملاً حیدر علی ہی کے براہ راست قبضہ میں ہو گیا راجہ کے وزیر اعظم کھنڈے راؤ کو جو پہلے حیدر علی کا ایک ذاتی محاسب پھر سلطنت کے مالی امور کا افسر اور اب حیدر علی ہی کی سفارش پر راجہ کا وزیر اعظم بن کر قانونی اعتبار سے پوری سلطنت میسور میں راجہ کے بعد سب سے با اختیار شخص بن گیا تھا جب میسور میں حیدر علی کے اثر ورسوخ اور اس کی حیثیت وطاقت کا احساس ہو گیا تو وہ گھبرا گیا ادھر راجہ اور اسکی رانیوں کو بھی دن بدن اپنے کٹھ پتلی ہونے کا احساس شدت سے ستا رہا تھا تدراج سے اسے کیا چھٹکارا ملا اب کھنڈے راؤ اور حیدر علی ہی کے عملاً تابع بن کر گویا آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا کا وہ مصداق بن گیا تھا پوری سلطنت کا نظام اب حیدر علی ہی کے ہاتھوں میں آ گیا تھا اتفاق سے انہی دنوں انگریزوں کے اشارہ پر نواب ارکاٹ محمد علی نے فرانسیسیوں کے قبضہ والے پانڈیچری پر حملہ کر دیا تھا فرانسیسیوں نے چند علاقے حیدر علی کو دینے کے وعدہ کے ساتھ اس سے اس سلسلہ میں فوج مدد طلب کی حیدر علی کی فوج ان کی مدد کے لئے پانڈیچری پہنچ بھی گئی لیکن اس سے فرانسیسیوں کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہ ہو سکا واپسی میں حیدر علی کی فوج ارکاٹ میں مقیم تھی کہ اس سے فائدہ اٹھا کر خود اس کے نمک خوار کھنڈے راؤ نے منصوبہ بنایا کہ محل کی رانیوں و راجہ دیوان وینکٹ پٹیا و دیگر وزراء ویرناچٹی، انیہ شاستری وغیرہ سے ملکر حیدر علی کے تسلط سے نجات پانے کے لئے اس کو سبق سکھایا جائے[1] چنانچہ راجہ سے کھنڈے راؤ نے کہا کہ

[1] حیدر علی از نریندر کرشن سنہا

آپ کا ملازم آپ کا ہمسر بننا چاہتا ہے پونا میں مرہٹہ سردار مادھوراؤ سے یہ کہکر مدد طلب کی کہ ایک مسلمان میسور پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اگر آپ ہماری مدد کریں تو میسور کی طرف سے آپ کو سالانہ دو لاکھ روپئے اور نقد پانچ لاکھ ادا کئے جائیں گے مادھوراؤ اس کے لئے راضی ہو گیا اور اس نے راجہ میسور کی حیدر علی کے خلاف مدد کے لئے ایک فوجی دستہ بھی مع توپ خانہ کے روانہ کر دیا[1]

سازش کی ناکامی

جس وقت میسور کے محل میں یہ سازش ہو رہی تھی تو حیدر علی کی فوج کا بیشتر حصہ ارکاٹ میں مخدوم علی کی قیادت میں رکا ہوا تھا میسور میں اس کے پاس اس وقت ایک ہزار غیر مسلح سپاہیوں کے علاوہ صرف چار سو سوار اور تیرہ سو پیادہ فوجی تھے وہ سری رنگا پٹنم کے دریا دولت باغ میں مقیم تھا کہ اس کو محل میں موجود اس کے بعض خیر خواہ ہندوؤں سے اس پر ہونے والے حملہ کی پیشگی اطلاع ملی جیسے ہی اس کو اس کا علم ہوا تو وہ اپنا وقت ضائع کئے بغیر راتوں رات اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر دریا میں طغیانی کے باوجود کاویری عبور کرتے ہوئے بیس گھنٹے کا فاصلہ مسلسل طے کرتے ہوئے بینگلور پہنچ گیا البتہ اس کا پورہ خاندان مع ٹیپو سلطان کے سری رنگا پٹنم ہی میں رہ گیا جس کو بعد میں رنگا راؤ نے ایک محفوظ مکان میں منتقل کر کے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور ان کا ہر طرح سے خیال رکھا

نریندر کرشن سنہا کا کہنا ہے کہ سری رنگا پٹنم سے بینگلور فرار ہوتے وقت

[1] سوانح حیدر علی از امجد علی اشہری

حیدر علی کے ساتھ تین سو گھوڑ سوار اور سونے چاندی سے بھرے تھیلے بھی تھے[1] بینگلور پہنچ کر اس نے سب سے پہلے ارکاٹ میں مقیم اپنی فوج کو بینگلور بلا لیا اور فوجی اخراجات کے لئے وہاں کے لوگوں سے پچاس لاکھ روپئے قرض بھی لئے ادھر میسور میں جب کھنڈے راؤ اور مرہٹہ افواج کو اس کے فرار ہونے کا علم ہوا تو انھوں نے بینگلور تک اس کا تعاقب کیا لیکن حیدر علی نے میر مخدوم علی کے ساتھ مل کر ان کا جم کر مقابلہ کیا اس کی افواج کو مرہٹوں کے فوجی تعاون کے باوجود نہ صرف شکست کھا کر واپس میسور لوٹنا پڑا بلکہ اس کے ہزاروں فوجی بھی مارے گئے یہاں غیر مسلم مؤرخین کھنڈے راؤ کی شکست کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کی فوج میں مسلم فوجی کثرت سے تھے حیدر علی نے ان کو اسلام کا حوالہ اور دولت کا لالچ دے کر کھنڈے راؤ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا اس لئے یہ لوگ میدان جنگ سے بھاگ گئے تھے اور کھنڈے راؤ کی فوج کو شکست ہوئی تھی جب کہ خود ایک ہندو مؤرخ نریندر کرشن سنہا ان کی ہزیمت کی وجہ یوں بیان کرتا ہے کہ کھنڈے راؤ کی فوج کا ایک بڑا حصہ بھگوڑوں پر مشتمل تھا جن کی وفاداری پر خود اس کو بھروسہ نہیں تھا جب کہ حیدر علی کی افواج وفادار تھیں

سری رنگا پٹنم پر حیدر علی کا حملہ و قبضہ

جب کھنڈے راؤ کی شکست اور حیدر علی کی فتح کی خبر میسور پہنچی تو وہاں کہرام

[1] حیدر علی از نریندر کرشن سنہا

بچ گیا ادھر حیدر علی بینگلور سے پلٹ کر اپنی فوج کو سری رنگا پٹنم پر حملہ کے لئے لے آیا اور اس کا محاصرہ بھی کر دیا یہاں کچھ انگریز افسروں نے کوشش کی کہ راجہ و حیدر علی میں مصالحت ہو جانے چاہے اس کے لئے کھنڈے راؤ کو سزا ہی کیوں نہ دینی پڑے لیکن حیدر علی جانتا تھا کہ راجہ تو کٹھ پتلی ہے کل کھنڈے راؤ کی جگہ کوئی اور لے سکتا ہے اور اس طرح کی صورت حال دوبارہ بھی پیدا ہو سکتی ہے یاد رہے کہ سری رنگا پٹنم کے محاصرہ سے پہلے ہی سابق وزیر تندراج کے کہنے پر مرہٹہ افواج کھنڈے راؤ سے الگ ہو کر حیدر علی سے صلح کر چکی تھی جس کے عوض حیدر علی نے انکو بارہ محل کا علاقہ دے دیا تھا اب حیدر علی کا مقابلہ صرف کھنڈے راؤ کی بچی کچی فوج سے تھا ادھر محل کی رانیاں بھی کھنڈے راؤ کی حماقت سے تنگ آ چکی تھیں اب انہوں نے خود حیدر علی سے دوبارہ حکومت کا انتظام سنبھالنے اور کھنڈے راؤ سے نجات دلانے کی درخواست کی لیکن حیدر علی نے دار السلطنت پر حملہ و قبضہ کے اپنے کسی فیصلہ میں نظر ثانی سے صاف انکار کر دیا محل کی افواج کو ڈرانے کیلیے اس نے سب سے پہلے محل پر گولہ باری کی اور بغاوت کے سرغنہ کھنڈے راؤ کو حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا راجہ ٹال مٹول کرتا رہا کہ کہیں حیدر علی اس کو گرفتار کر کے قتل نہ کر دے بالآخر راجہ نے حیدر علی کے اس وعدہ پر اس کو اس کے حوالہ کرنا منظور کیا کہ وہ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا حسب وعدہ اس کو کوئی جسمانی تکلیف بھی نہیں دی بلکہ صرف اتنا کیا کہ ایک بڑا لوہے کا پنجرہ بنوا کر اس کو اس میں بند کر دیا اس کے لئے کھانے پینے کا نظم بھی اسی پنجرہ میں کیا گیا حیدر علی کھنڈے راؤ کو دیکھ کر کہتا تھا کہ یہ میرا طوطا ہے جس کو میں پال رہا ہوں ایک سال کے بعد اسی پنجرہ میں وہ مر گیا یہ سب واقعات ۱۷۶۱ء کے اواخر کے تھے محل پر حملہ کے دوسرے روز حیدر علی قیمتی تحائف و نذرانوں کے ساتھ راجہ کے دربار میں حاضر ہوا اور میسور کے سیاسی و فوجی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس سے کہا کہ وہ سلطنت کا پورا نظم و نسق کلی طور پر اس کے حوالہ کر دے بالآخر راجہ کو خواہی نہ خواہی باعزت طریقہ پر اپنے اقتدار سے دستبردار ہونا پڑا حیدر علی نے راجہ کے روزمرہ کے مصارف کے لئے تین لاکھ روپے سالانہ آمدنی کی ایک بڑی جاگیر اس کو دی اور خود اس کے سابق وزیر تندراج کو بھی ایک لاکھ روپئے کی سالانہ آمدنی کا علاقہ دے دیا اس کے بعد خود اپنے اہل خاندان کو وہاں سے بنگلور منتقل کر دیا۔

حیدر علی کے والی میسور بننے کے سیاسی محرکات

مغربی مؤرخین او خود ہمارے ملک کے بعض متعصب ہندو مصنفین نے اس موقع پر یہ مشہور کر دیا کہ حیدر علی نے خود اپنے راجہ سے جس نے اس کو ترقی دے کر سپہ سالار فوج کے عہدہ تک پہنچایا بے وفائی کی اور خود اپنے محسن کے خلاف سازش و بغاوت کر کے اس کے تخت پر قبضہ کر لیا بالفاظ دیگر حیدر علی نے راجہ کی سلطنت غصب کی افسوس اس بات کا ہے کہ ان بے بنیاد الزامات کو عائد کرنے میں مسلم مصنفین اور غیر جانبدار سمجھے جانے والے ہندو مؤرخین بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے مشہور مؤرخ نریندر کرشن سنہانے بھی جن کی کتاب حیدر علی اور سلطنت خداداد کے نصف اول کے دور سے متعلق مسلمانوں کے حلقوں میں بھی بہت

غنیمت سمجھی جاتی ہے اپنی مذکورہ کتاب کے باب چہارم میں راجہ میسور کی احسان ناشناسی میں حیدر علی کو کھنڈے راؤ کے برابر قرار دیا ہے حالانکہ جب ایک عام آدمی بھی ان حالات وواقعات کا جائزہ لیتا ہے جس کے پس منظر میں حیدر علی کے لئے میسور پر قبضہ ناگزیر ہو گیا تھا تو وہ بے اختیار یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ حیدر علی نے اس موقع پر اپنے جس اعلی اخلاق کا مظاہرہ کیا اور راجہ کو کوئی گزند پہنچائے بغیر اس کو باعزت طریقہ پر اسی شان کے ساتھ بقیہ زندگی گذارنے کی اجازت دی اس سے زیادہ حسن سلوک کا اس زمانہ میں کسی انسان سے تصور نہیں کیا جاسکتا تھا اس کے علاوہ مندرجہ ذیل حقائق اور حیدر علی کے عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لینے کے سیاسی محرکات کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ان الزامات کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

۱) دنیا کی پوری انسانی تاریخ میں کسی بھی خاندان یا فرد کو قدرت نے تخت و سلطنت کا دائمی حقدار نہیں بنایا حضرت آدمؑ سے لیکر اب تک کسی بھی علاقہ یا خطہ کا اقتدار ایک ہی خاندان قبیلہ یا نسل میں تسلسل کے ساتھ نہیں رہا جس نے بھی کہیں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو تاریخ بتاتی ہے کہ خود اس نے یا اس کے آباء و اجداد میں سے کسی نے کسی دوسرے سے حکومت چھین ہی کر لی حکومتوں کی تبدیلی اور سلطنتوں کے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جانے کا یہ سلسلہ زمانہ قدیم ہی سے چل رہا ہے اور یہ قدرت الہی کی طرف سے مقررہ اصولوں کے عین مطابق ہے خود راجہ میسور کے خاندان نے بھی ۱۳۹۹ء میں میسور کا اقتدار ایک دوسرے خاندان سے چھین کر لیا تھا اگر بالفرض حیدر علی کو غاصب سلطنت میسور مان بھی لیا جائے تو صرف اتنا کہا جائیگا کہ ایک خاندان سے غصب کی ہوئی سلطنت کو ایک دوسرے خاندان نے غصب کر لیا اسطرح یہ کوئی بڑا سیاسی جرم نہیں رہا

۲) میسور کا راجہ کرشنا راج وڈیار اختیارات کے اعتبار سے عملاً مفلوج و معطل ہو کر رہ گیا تھا سلطنت کا پورا انتظام و اختیار اس کے وزیروں کے ہاتھوں میں تھا دیر سویر یہی وزراء بادشاہ کو بے دخل کر کے حکومت پر قبضہ کر سکتے تھے سیاسی آثار و قرائن بھی یہی بتا رہے تھے اگر وزراء میں سے کوئی سلطنت پر قبضہ کر لیتا تو اس بات کو یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ان کا سلوک راجہ کے ساتھ کیسا ہوتا زیادہ قرین قیاس یہی تھا کہ اقتدار پر قبضہ کے بعد راجہ کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا جب حکومت کا کوئی وزیر سلطنت پر قبضہ کے بارے میں سوچ سکتا تھا تو راجہ کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کی نیت کے ساتھ اقتدار کو غلط ہاتھوں میں جانے سے روکنے کے لئے کوئی دوسرا حکومت کا اعلی عہدیدار اس پر قبضہ کے بارے میں کیوں نہیں سوچ سکتا تھا حیدر علی بھی عہدہ کے اعتبار سے کسی وزیر سے کم نہیں تھا وہ سپہ سالار فوج تھا اس نے بھی غلط ہاتھوں میں حکومت کو جانے سے بچانے کے لئے اس پر قبضہ کا منصوبہ بنایا۔

۳) حیدر علی دراصل راجہ کے وزیر اعظم کھنڈے راؤ کو سبق سکھانا چاہتا تھا جس کو خود اسی نے اپنی سفارش پر تدراج کے بعد راجہ کا وزیر اعظم بنایا تھا لیکن اس نے اس کی اس احسان شناسی کا بدلہ احسان فراموشی اور بغاوت کے ذریعہ دیا بغاوت کو برداشت نہ کرنا اور اس کے سد باب کے لئے میدان میں آنا انسانی فطرت کے

عین مطابق تھا کھنڈے راؤ کو سبق سکھانے کے لئے حکومت پر قبضہ حیدر علی کے لئے ناگزیر تھا اور حیدر علی نے یہی کیا۔

۴) خود راجہ میسور بھی اپنی رانیوں اور کھنڈے راؤ کے بہکاوے میں آکر مرہٹہ افواج کی مدد لیکر دار السلطنت کے دریا دولت باغ پر حملہ کے لئے اپنے محل سے نکل چکا تھا جہاں حیدر علی مقیم تھا لیکن قدرت کو اسے بچانا منظور تھا اس لئے راتوں رات وہ کاویری کو عبور کرکے بینگلور پہنچ گیا اس طرح حیدر علی کے خلاف سازش میں راجہ بھی عملاً شریک تھا دوسرے الفاظ میں حیدر علی کو بغاوت پر خود راجہ ہی نے اکسایا تھا۔

۵) سرا کی نوابی دلی کے مغل دربار سے ملنے کے بعد حیدر علی اب عملاً راجہ میسور کے ماتحت نہیں رہا تھا لیکن یہ اس کا ظرف تھا کہ وہ اب بھی اپنے آپ کو راجہ کے ماتحت ہی تصور کرتا تھا راجہ کے پاس میسور اور آس پاس کے صرف ۳۳ گاؤں تھے جبکہ سرا کی نوابی کے بعد حیدر علی کے قبضہ میں کئی ہزار مربع میل کا علاقہ تھا۔

۶) اگر حیدر علی کو واقعی حصول سلطنت کی طمع ہوتی تو جب وہ ڈنڈیگل کا گورنر تھا اور اس کے بعد اس نے مرہٹہ افواج کو میسور کے مقبوضہ علاقوں کو خالی کرنے پر مجبور کیا تو اس کی فوجی طاقت وانتظامی صلاحیت کا اندازہ خود راجہ اور اسکے وزیروں کو ہو چکا تھا اگر وہ چاہتا تو اسی وقت اقتدار اپنے ہاتھ میں لے سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

۷) جب میسور کے وزیر نند راج کے بڑھتے اختیارات اور اثر ورسوخ سے راجہ نے اپنے اقتدار کے لئے خطرہ محسوس کیا تو خوش اسلوبی سے نند راج کو وزارت سے سبکدوشی پر آمادہ کرکے کھنڈے راؤ کو اس کی جگہ مقرر کرنے والا حیدر علی ہی تھا اگر وہ چاہتا تو کھنڈے راؤ کے بجائے خود اس عہدہ ومنصب کو لیکر بادشاہ کو مفلوج ومعطل کر سکتا تھا لیکن یہ اس کی ضمیر کے خلاف تھا۔

۸) اقتدار کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے باوجود میسور کے شاہی تخت پر اس نے برائے نام ہی سہی راجہ کو بحال رکھا ۱۷۶۶ء میں کرشنا راج کے انتقال کے بعد اس کے متبنیٰ بیٹے کو بھی تخت پر بٹھایا جو اس حکمران خاندان کے ساتھ اس کی احسان شناسی کی دلیل تھی۔

۹) راجہ کا حیدر علی نے ہر طرح سے لحاظ رکھا صرف اسی کے کہنے کی وجہ سے اس نے کھنڈے راؤ کو موت کی سزا نہیں دی البتہ ایک پنجرہ میں اس کو بند ضرور رکھا۔

۱۰) دار السلطنت پر قبضہ کے بعد حیدر علی خود قیمتی تحائف کے ساتھ راجہ کی خدمت میں حاضر ہوا تین لاکھ روپئے سالانہ آمدنی کی جائداد اس کے لئے مختص کر دی دسہرا تہوار کی شاہی تقریب میں راجہ کی دلجوئی کے لئے جب تک حیدر علی زندہ رہا نہ صرف حاضر ہوتا رہا بلکہ سرکار کی طرف سے اس کے لئے ہر طرح کی سہولتیں بھی فراہم کرنے کا اس نے حکم جاری کیا تھا

نقشہ سلطنت میسور قبل حیدر علی



اقتدار کی منتقلی کے وقت میسور کی وسعت

حیدر علی نے جب ۱۷۶۱ء میں سلطنت میسور کا اقتدار سنبھالا تو یہ خطہ سیاسی اعتبار سے گمنام تھا راجہ کرشنا راج وڈیار کے قبضہ میں میسور و سری رنگا پٹنم کے آس پاس سمٹ کر صرف ۳۳ گاؤں رہ گئے تھے اس کی شہرت بھی صرف جنوبی ہند ہی تک محدود تھی شمالی ہند یا ملک کے باہر بہت کم لوگ اس سے واقف تھے لیکن ۱۷۸۲ء میں جب حیدر علی کی وفات ہوئی تو اس محدود حکومت کا دائرہ پھیل کر اسی ہزار مربع میل تک پہنچ گیا تھا اور جس سلطنت کے بارے میں شروع میں خود برادران وطن واقف نہیں تھے اس کی شہرت اب ملک سے نکل کر یورپ و امریکہ تک پہنچ گئی تھی۔

ابتدائی فتوحات

حکومت سنبھالنے کے بعد حیدر علی نے سب سے پہلے صوبہ سرا کے نظم و نسق کو درست کرنے پر توجہ دی رائے درگ اور چتل درگ میں بغاوتوں کو ختم کر کے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا ۱۷۶۳ء میں چک بالاپور میں پالیگاروں کی بغاوتوں کو بھی کچل دیا گیا اسی زمانہ میں نندی بھی فتح ہوا وہاں کے راجہ مرار راؤ کو قید کر کے بینگلور بھیج دیا گیا اس کے دونوں لڑکوں نے اسلام قبول کیا غرض یہ کہ شروع کے ۲/۳ سال تک حیدر علی نے اپنی سلطنت کو وسعت دینے کے بجائے اس کے پرانے مقبوضات کو حاصل کرنے ہی پر توجہ دی اور اس میں وہ تقریباً کامیاب بھی ہوگیا۔

بدنور پر قبضہ

بحیرہ عرب کے مشرقی ساحل پر میسور کے شمال میں مغربی سرحد پر موجودہ ضلع شمالی کنارہ میں بدنور کے علاقہ میں اس وقت ایک چھوٹی سی خود مختار ہندو ریاست تھی جو اقتصادی اعتبار سے پورے علاقہ میں سب سے خوشحال سلطنت تصور کی جاتی تھی پہاڑوں پر واقع گھنے جنگلات سے گھری اس چھوٹی سی ریاست کا محل وقوع اور خوبصورتی کے اعتبار سے کوئی جواب نہیں تھا تاریخی روایات کے مطابق جنوبی ہند کی سب سے بڑی اور مشہور ہندو سلطنت وجے نگر کے زوال کے بعد وہاں سے ہندوؤں نے سونے چاندی کے بہت سارے ڈھیر یہاں منتقل کر دئے تھے چتل درگ کے قریب ۲۰ میل کی مسافت پر پھیلے ہوئے اس علاقہ کے راجہ باسویا نائیک کے ۱۷۵۴ء میں انتقال کے بعد اس کی رانی نے اپنے برہمن وزیر اعظم کے ساتھ ملکر اس پر قبضہ کر کے اس کے متبنیٰ بیٹے مہابدی کو تخت سے محروم رکھا مہابدی بھاگ کر ۱۷۶۳ء میں حیدر علی کے پاس مدد کے لئے پہنچا اور اس سے شکایت کی کہ قانونی طور پر بادشاہ کے مرنے کے بعد سلطنت کا حقدار میں ہی تھا رانی نے برہمن وزیر اعظم کے عشق میں مبتلا ہو کر اس پر ناجائز قبضہ کر کے مجھے تخت سے محروم رکھا ہے اب وہ عیش و عشرت میں مبتلا ہے اور حکومت کا نظم و نسق بے قابو ہو گیا ہے رانی خود اس کی جان کی دشمن بن گئی ہے مجھے گرفتار کر کے قتل کرنا چاہتی ہے لیکن میں کسی طرح اپنی جان بچا کر چتل درگ آگیا ہوں اب آپ سے درخواست ہے کہ مجھے انصاف دلائیں اور حکومت کی واپسی میں میری مدد کریں

اس کے عوض بقول نرسندر کرشن سنہا اس نے چالیس لاکھ روپئے نقد ادا کرنے کا یا بقول بعض دیگر مؤرخین حیدر علی کا مستقل باجگذار بننے کا وعدہ کیا مہابدی کی درخواست پر حیدر علی نے بدنور پر فوراً حملہ کر کے اس کو اس پر قبضہ دلایا اس کے عوض حیدر علی کو ہونادر اور منگلور کے آس پاس کے علاقے ملے مصنف تاریخ حیدر علی اس موقع پر کچھ اور مختلف کہانی بیان کرتا ہے اس کا کہنا ہے کہ مہابدی کو حیدر علی نے بدنور کی سلطنت حوالہ نہیں کی بلکہ اس کی بیوی پر فریفتہ ہو گیا اور اس کو اس سے حاصل کرنے کے لئے اسکا حریف بن گیا مہابدی کو قید کر کے مڈگیرے بھیج دیا۔ جہاں تک مہابدی سے حیدر علی کے تعلقات کے ناخوشگوار ہونے کا تعلق ہے اس میں تو سچائی ہے لیکن اس دشمنی کا پس منظر وہ نہیں ہے جس کو اوپر بیان کیا گیا ہے اس موضوع پر دیگر تاریخی کتابوں کے مطالعے سے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مہابدی نے بدنور کی فتح کے بعد جب منگلور کا علاقہ حیدر علی کے حوالہ کیا تو وہ اس پر قبضہ کے لئے منگلور روانہ ہوا اسی دوران بدنور کے راجہ کی بیوہ رانی نے مہابدی کے ساتھ ملکر حیدر علی کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس سے کہا کہ منگلور سے واپسی کے بعد وہ بدنور پر بھی قبضہ کرلے گا اس لئے مناسب یہی ہے کہ یہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس کا کام تمام کر دیا جائے مہابدی اس پر راضی ہو گیا اس نے حیدر علی کی واپسی کے راستہ میں بارودی سرنگیں بچھادیں حیدر علی کو جب اس کے ایک برہمن خیر خواہ کے ذریعہ اس سازش کا منگلور ہی میں علم ہو گیا تو اس نے فوراً رانی اور اس کے معشوق برہمن وزیر اعظم کو موت کے گھاٹ اتار دیا مہابدی کو بھی گرفتار کر کے اب باقاعدہ بدنور کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرلیا اس پر قبضہ

کے بعد بے حساب دولت ہاتھ لگی جس کا اندازہ اس وقت بارہ کروڑ روپیہ لگایا گیا حیدر علی نے جب سونے چاندی کا ڈھیر لگایا تو وہ گھوڑے پر سوار شخص کی اونچائی سے بھی زیادہ تھا فوج میں فتح کی خوشی میں ڈیڑھ ماہ کی تنخواہ زائد تقسیم کی گئی بدنور کا نام بدل کر حیدر نگر رکھا گیا چونکہ جغرافیائی اعتبار سے یہ بڑا اہم علاقہ تھا اس لئے اس کو حیدر علی نے اپنا دار السلطنت بھی بنایا اور ایک ہندو افسر وینکٹ اپیا کو اس کا گورنر مقرر کیا سکوں کو ڈھالنے کے لئے ایک کارخانہ بھی یہاں قائم کیا گیا ان سکوں کا نام بہادری پگوڈا رکھا گیا جس پر ہندو رعایا کی اکثریت کا خیال رکھتے ہوئے ہندو دیوی دیوتاؤں کی تصویریں نقش ہوتی تھیں۔

گوا پر چڑھائی

جس وقت حیدر علی نے میسور کا اقتدار سنبھالا مغربی ساحلی علاقہ گوا پرتگیزوں کے قبضہ میں تھا بدنور پر حیدر علی کے قبضہ کے بعد اس کے بعض علاقوں کو انہوں نے ہتھیانے کی کوشش کی جب حیدر علی کو اس کا علم ہوا تو کمال ذہانت سے اس نے بدنور میں مدافعت کے بجائے براہ راست گوا ہی پر چڑھائی کردی جس سے بدنور سے ان کی توجہ ہٹ کر اپنے علاقہ کو بچانے میں لگ گئی بالآخر پرتگیزیوں نے کاروار اور آس پاس کے کچھ علاقے حیدر علی کو دے کر صلح کرنے ہی میں عافیت سمجھی اس طرح حیدر علی بغیر کسی خون خرابہ کے اپنے علاقوں کو بچانے کے ساتھ ساتھ کچھ نئے علاقوں کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

کیرلا کے مسلمانوں کی مدد اور ملیبار پر حملہ

ہندوستان میں سب سے پہلے اسلام کب پہنچا اس بارے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سندھ پر محمد بن قاسم کے حملہ کے ساتھ اسلام اس ملک میں پہنچا جبکہ بعض دوسرے مؤرخین اس بات کے قائل ہیں کہ اسلام سب سے پہلے پہلی صدی ہجری کے اوائل میں مغربی ساحل پر آنے والے عرب تاجروں کے ذریعہ پہنچا اور زیادہ صحیح بھی یہی ہے کہ سندھ سے بھی بہت پہلے اسلام بحیرہ عرب کے مشرقی ساحل پر واقع ملیبار منگلور بھٹکل اور ہوناور وغیرہ کے علاقوں میں پہنچ چکا تھا عربوں کے ساتھ ہندوستان کے تجارتی تعلقات قبل اسلام ہی سے تھے ان ہی عرب تاجروں کے ذریعہ اسلام کا پیغام پہلی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں ساحلی شہروں میں پہنچ چکا تھا حتی کہ بعض مؤرخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ ملیبار کا راجہ زمورن ساموری معجزہ شق القمر کا عینی شاہد تھا اس نے اس واقعہ سے متاثرہ ہوکر اپنی پوری رعایا کے ساتھ اسی وقت اسلام بھی قبول کرلیا تھا اس ساحلی پٹی پر اور بعض اندرونی علاقوں میں بھی مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتیں قائم تھیں مشہور سیاح ابن بطوطہ جب ہندوستان پہنچا تو وہ ان مسلم حکومتوں میں بھی گیا اور اپنے سفر نامہ رحلۃ ابن بطوطہ میں ان سلطنتوں اور یہاں کے باشندوں کے تفصیلی حالات بھی درج کئے پورے ملک میں ملیبار کا یہ علاقہ قدرتی سرسبزی وشادابی اور تجارت کی وجہ سے بڑا ہی خوشحال تصور کیا جاتا تھا یہاں کے مسلمان ماپلہ اور ہندو نائر کہلاتے تھے ہندو

عورتوں کے پاس بیک وقت چار چار شوہر ہوتے تھے اور باپ کے مرنے کے بعد بیٹوں کے بجائے بھانجے وارث ہوتے تھے چونکہ نائر اکثریت میں تھے اس لئے وہ ماپلہ اقلیتوں یعنی مسلمانوں پر ظلم و ستم بھی کرتے تھے جس کی وجہ سے یہاں کے مسلمان ان سے تنگ آگئے تھے جب میسور کے تخت پر حیدر علی کے بیٹھنے کی ان کو اطلاع ملی تو انہیں حیدر علی کے مسلمان ہونے کی وجہ سے امید کی ایک کرن نظر آئی اتفاق سے اسی زمانہ میں کنانور کے نائر راجہ کی لڑکی سے علی نام کے ایک ماپلہ مسلمان کا معاشقہ ہو گیا نائر راجہ نے اس کی شادی اپنی لڑکی سے کردی اور کسی لڑکے کے نہ ہونے کی وجہ سے اسکو اپنے بعد اپنی سلطنت کا قانونی وارث بھی مقرر کر دیا اس سے نائروں اور ماپلاؤں میں کشیدگی اور بڑھ گئی بالآخر تنگ آکر مسلمانوں نے ۱۷۶۵ء میں حیدر علی سے اس سلسلہ میں نائروں کے خلاف فوجی مدد طلب کی حیدر علی چونکہ ایک کامیاب سپہ سالار رہ چکا تھا اس لئے اس کو معلوم تھا کہ نائروں کی اکثریت ساحل سمندر آباد ہے اور ان پر حملہ کے لئے بحری جنگی بیڑہ ناگزیر ہے چنانچہ اس نے فوراً بحری بیڑہ کی تیاری کا حکم دیا اور اس کے لئے منگلور میں جہاز سازی کا ایک کارخانہ بھی قائم کیا اور بحری فوج تیار کرکے نائر راجہ کے مسلمان داماد علی کو ہی اسکا امیر بھی مقرر کر دیا حیدر علی کی بحری فوج بنانے کی بلند نظری سے پورے ملک میں سلاطین کے دلوں پر اس کی عظمت و ذہانت کا سکہ بیٹھ گیا اس لئے کہ ملک کی تاریخ میں وہ پہلا حکمران تھا جس نے فوجی و تجارتی دونوں نقطہ نظر سے بحری فوج کی ضرورت محسوس کی بحری جنگی بیڑہ کی تیاری کے بعد کچھ دنوں تک نائر مسلمانوں پر ظلم و ستم سے رک گئے لیکن جلد ہی دوبارہ یہ سلسلہ پھر شروع ہو گیا

بالآخر حیدر علی کے حکم سے امیر البحر علی نے نائروں کے علاقوں پر حملہ کر دیا اور بحر ہند میں واقع جزائر مالدیپ پر قبضہ کرکے اور اس کے راجہ کو گرفتار کرکے اس کی آنکھیں نکلوادی حیدر علی کو امیر البحر کی یہ ادا پسند نہیں آئی اور انسانیت و اسلامیت سے عاری اس کے اس ناروا سلوک پر ناراض ہو کر اس کو امیر البحر کے عہدہ سے معزول کر دیا اور خود راجہ سے اس پر معافی بھی مانگی اور اس کی تلافی کے لئے راجہ کو ایک بڑی جاگیر بھی دی مالدیپ کی اس مہم میں حیدر علی کے ساتھ ٹیپو بھی شریک تھا اس وقت اس کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔

کنانور و کالی کٹ کی فتح

امیر البحر علی کی معزولی کا نائروں نے غلط مطلب سمجھا اور دوبارہ ماپلہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کا سلسلہ شروع ہو گیا بالآخر حیدر علی نے خود ۲۰ ہزار کی فوج کے ساتھ کنانور پہنچ کر نائروں پر حملہ کر دیا اور اس پر اپنے قبضہ کے بعد آگے بڑھ کر کالی کٹ پر بھی اپنی فتح کا پرچم لہرادیا۔ یہاں کے راجہ زمورن نے بغیر کسی خون خرابہ کے حیدر علی کی اطاعت قبول کرلی ایک روایت کے مطابق اس کی رعایا نے اسکی شکست پر اس کو غیرت دلائی تو اس نے آگ لگا کر خودکشی کرلی نائروں نے جب دوبارہ سر اٹھانے کی کوشش کی تو حیدر علی نے دوبارہ ان کی بغاوت کو کچل کر کوچین کے راجہ کو بھی اپنی اطاعت پر مجبور کر دیا اور کچھ دن آرام کی نیت سے خود کوئمبتور میں مقیم رہا۔

پونانی کی مہم

کوئمبتور میں حیدر علی کے قیام سے فائدہ اٹھا کر نائروں نے پونانی و کالی کٹ کا جس پر اب حیدر علی کا قبضہ تھا آس پاس کے ہندو راجاؤں کی مدد سے محاصرہ کر لیا اس دوران اس کے ہزاروں میسوری فوجی بھی مارے گئے کوئمبتور میں حیدر علی کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ اپنی پندرہ ہزار کی فوج کو لے کر جس میں بعض یورپی سپاہی بھی شامل تھے تیزی کے ساتھ پونانی پہنچا جہاں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا اور فرانسیسی سپاہیوں کی عقلمندی سے حیدر علی کی افواج کو فتح نصیب ہوئی ہزاروں نائروں کا قتل عام ہوا پورے شہر میں آگ لگادی گئی باقی بچ جانے والے نائروں نے آس پاس کے علاقوں میں جاکر پناہ لی ہندو سماج میں برہمنوں کے بعد نائروں ہی کا درجہ تھا حیدر علی نے اعلان کر دیا کہ آج سے سماجی تقسیم کے اعتبار سے نائر تیسرے اور چوتھے درجے کے رہیں گے ہریجنوں کو ہتھیار ساتھ لے کر چلنے کی جو ممانعت برہمنوں اور نائروں کی طرف سے تھی اس کو بھی ختم کر دیا اور سرکاری طور پر اس کا اعلان کر دیا کہ اسلام قبول کرنے کی صورت میں ان کو ان کے سابقہ حقوق واپس کر دئے جائیں گے نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں نائروں نے اسلام قبول کیا ماپلہ مسلمانوں پر مسلسل ہونے والے ظلم و ستم کا بھی ایک حد تک سد باب ہو گیا۔

مرہٹوں کا حملہ

بدنور پر اگر چہ شروع میں حیدر علی کا قبضہ ہو گیا تھا لیکن ہندو اکثریت میں

ہونے کی وجہ سے دوبارہ سر اٹھانے لگے اس دوران حیدر علی ملیبار کی مہم میں مصروف تھا بدنور کے ہندوؤں نے مذہب کا حوالہ دے مرہٹوں سے فوجی مدد طلب کی جس کو بہانہ بنا کر مرہٹوں نے بدنور پر حملہ کر دیا حیدر علی کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو ملیبار کا نظم اپنے ایک فوجی افسر میر علی رضا کے حوالہ کر کے خود فوراً بدنور پہنچا مرہٹی افواج اسکی آمد کی خبر سن کر ہی وہاں سے بھاگ گئیں شاہ نور کے نواب نے بھی حیدر علی سے ذاتی مخاصمت کی بناء پر اس سلسلہ میں مرہٹوں کی مدد کی تھی حیدر علی نے اس سے بھی ایک کروڑ روپیہ تاوان وصول کیا اور اس کی درخواست پر چند قلعے لیکر اس سے صلح کر لی۔

مرہٹوں کی پیش قدمی

مرہٹوں کو حیدر علی کے بڑھتے قدم سے اپنے لئے خوف محسوس ہونے لگا ان کا خیال تھا کہ اگر حیدر علی کی پیش قدمی کا یہی حال رہا تو اس کی فوج جلد ہی پونا تک بھی پہنچ سکتی ہے یہی سوچ کر مرہٹہ سردار مادھوا راؤ جو ایک بہادر اور تجربہ کار جرنیل تھا ۱۷۶۵ء میں اپنے ساتھ دو لاکھ کی فوج اور شاہ نور کے شکست خوردہ نواب کو لیکر شاہ نور، مڈگیری، بالاپور، کڑپہ، کولار، اور ملباگل وغیرہ کو فتح کرتا ہوا سری رنگا پٹنم تک پہنچ گیا دونوں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا شروع میں میسوری افواج کا شدید جانی و مالی نقصان ہوا اور مرہٹہ افواج کا پلڑا بھاری رہا لیکن جب اخیر میں میسوری افواج نے جنگلوں میں چھپ کر مرہٹوں پر شب خون مارنا شروع کیا جس کا مرہٹہ افواج کو کوئی تجربہ نہیں تھا تو جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا آن کی آن میں ہزاروں دشمن

کے سپاہی مارے گئے اس طرح مرہٹوں کی جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی حیدر علی کے سامنے چونکہ ایک مستقل منصوبہ اور ایک مثالی مملکت کے قیام کا خاکہ تھا اس لئے وہ مرہٹوں سے مزید الجھ کر اپنی طاقت کو ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اس شکست خوردہ قوم کو جوش انتقام میں پلٹ کر آنے کا موقع دینے کے بجائے فی الحال ان کو کچھ مال دے کر پونا ہی میں رکھا جائے ادھر مادھوراؤ بھی شکست کھا کر پونا واپس ہونے کے بجائے صلح ہی کی تاک میں تھا حیدر علی نے اس کو آٹھ لاکھ روپیہ نقد اور پچاس لاکھ روپیہ بعد میں دینے کا اس شرط پر وعدہ کیا کہ مرہٹہ افواج دوبارہ میسور کا رخ نہ کریں بعض مؤرخین نے حیدر علی کی اس صلح کو اسکی شکست سے تعبیر کیا ہے نریندر کرشن سنہا نے بھی اسی طرح لکھا ہے جہاں تک ہم سمجھتے ہیں حیدر علی نے سلطنت کو تباہی اور رعایا کو ناحق خون خرابہ سے بچانے کے لئے اور سب سے بڑھ کر آئندہ ایک بڑے سیاسی منصوبہ کے پیش نظر صلح کو ترجیح دی تھی اگر وہ چاہتا تو جنگ کو جاری رکھ کر اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو عملی جامہ پہنا سکتا تھا لیکن اس کے نزدیک فوجی حکمت و سیاسی مصلحت کے تقاضے کے تحت اس وقت مرہٹوں کے ساتھ جنگ جاری رکھنا قبل از وقت تھا یہ الگ بات ہے کہ شروع میں مرہٹی افواج کی پیش قدمی کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ سلطنت خداداد کا ستارہ اس کے طلوع کے چند ہی سالوں میں غروب ہونے والا ہے حتی کہ حیدر علی کے زیر اثر بہت سارے علاقوں کے راجہ و نواب وغیرہ بھی بغاوت کر کے اس کے خلاف مرہٹوں سے مل گئے تھے اور اندیشہ تھا کہ میسور پر بھی جلد ہی مرہٹوں کا قبضہ ہو جائے لیکن اللہ تعالی نے عین موقع پر حیدر علی کی مدد کی اور اس کی نومولود متزلزل نظر آنے والی سلطنت پہلے سے کہیں زیادہ مستحکم و مضبوط ہو گئی۔

انگریزوں کے ساتھ میسور کی پہلی جنگ

جیسا کہ پچھلے صفحات میں انگریزوں کی ہندوستان آمد کے عنوان کے تحت گذر چکا ہے کہ ۱۷۶۱ء میں جب حیدر علی نے میسور کا اقتدار سنبھالا تو انگریز بنگال کے علاقہ پر نواب سراج الدولہ کو پلاسی کے میدان میں شکست دے کر قابض ہو چکے تھے ۱۷۶۴ء میں بکسر کی لڑائی کے بعد اودھ کے خطہ پر بھی ان کا قبضہ ہو چکا تھا اس طرح ہندوستان میں انگریزوں کا سیاسی دور شروع ہو کر ان کا وجود اب ایک مسلّم حقیقت بن چکا تھا ارکاٹ کے تخت پر بھی انہوں نے فرانسیسیوں کے حلیف چنداں صاحب کو قتل کر کے اپنے سیاسی حلیف نواب محمد علی کو بٹھا دیا تھا ادھر نظام حیدر آباد بھی عملاً انگریزوں ہی کے ماتحت تھا پونا میں مرہٹہ افواج تھیں جو بوقت ضرورت اپنے ذاتی و سیاسی مفادات کے لئے انگریزوں کی فوجی مدد بھی کرتی تھی چونکہ ارکاٹ کے اقتدار کے سلسلہ میں چنداں صاحب اور محمد علی کے درمیان رسہ کشی کے دوران فرانسیسی افواج کے توسط سے میسور کی فوجوں نے چنداں صاحب کی حمایت کی تھی اس لئے چنداں صاحب کے قتل اور شکست کے باوجود نواب ارکاٹ محمد علی میسوری افواج کی دشمنی کو بھول نہیں سکا تھا اس لئے فطری طور پر اپنے پڑوس میں وہ کسی مستحکم حکومت کا وجود برداشت نہیں کر سکتا تھا یوں بھی وہ عملاً انگریزوں کے ماتحت ہی ہو گیا تھا اہم سیاسی و فوجی امور میں وہ اپنے محسن انگریزوں

کو نظر انداز کر کے کوئی اہم فیصلہ بھی خود سے نہیں کر سکتا تھا محمد علی کے ساتھ حیدر علی کے سرحدی جھگڑے بھی تھے دوسری طرف نظام حیدر آباد کا انگریزوں کے ساتھ ایک فوجی معاہدہ ہو چکا تھا جس کے مطابق بوقت ضرورت انگریزوں کے لئے نظام کی فوجی مدد کرنا ضروری تھا حیدر علی کے توسیع پسندانہ عزائم سے اس کو بھی اپنے لئے خطرہ تھا اور مذکورہ بالا معاہدہ بھی اسی خوف کی وجہ سے عمل میں آیا تھا جہاں تک مرہٹوں کا سوال تھا وہ کئی بار حیدر علی کے ساتھ الجھ چکے تھے اور ماضی میں اپنی شکستوں کا بدلہ لینے کے لئے ہر وقت موقع کی تاک میں رہتے تھے انگریز تو مسلمانوں کے ازلی دشمن تھے ہی مدراس میں ان کی کمپنی کو خطرہ تھا کہ حیدر علی کی طوفانی افواج کسی وقت بھی مدراس میں گھس کر وہاں سے ان کو ملک بدر کر سکتی ہے ان کے عالمی سطح پر سیاسی حریف فرانسیسیوں سے بھی حیدر علی کے تعلقات تھے اس لئے انگریزوں کے حیدر علی سے متعلق خدشات یقین میں بدل رہے تھے انگریز، مرہٹے، نظام اور نواب محمد علی میں سے کسی کو بھی تنہا حیدر علی کا مقابلہ کرنے کی ہمت و جرات نہیں تھی لیکن ان میں سے ہر ایک کو اپنی سلطنتوں کے بقاء کے لئے حیدر علی کو راستہ سے ہٹانا بھی ناگزیر تھا چنانچہ انگریزوں کی مکاری و عیاری کی وجہ سے یہ چاروں حکومتیں میسور پر حملہ کے لئے متحد ہو گئیں* حالانکہ نظریاتی اعتبار سے ان چاروں حکومتوں کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں تھا پھر بھی مشترکہ دشمن کے خاتمہ کے لئے وقتی اجتماع و اتحاد ان کی مجبوری تھی باہم مشورہ سے متحدہ افواج کی کمان

* میسور کی پہلی جنگ کے تفصیلی اسباب کے مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر بی شیخ علی کی کتاب
British Relation with Hyder Ali

انگریز کمانڈر جنرل اسمتھ کے ہاتھ میں دی گئی حیدر علی کو جب متحدہ دشمنوں کے عزائم کا پتہ لگ گیا تو اس نے بھی بغیر کسی تاخیر کے اپنی فوجی طاقت کو منظم کیا فوجی حکمت عملی کے پیش نظر اس نے اپنی پوری فوج کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا اور اسکی ذمہ داری بالترتیب اپنے نو عمر صاحبزادہ ٹیپو سلطان، میر رضا علی خاں، ہیبت جنگ اور محمد علی کو سونپ دی فوج کے پانچویں حصہ کی کمان خود اپنے پاس رکھی ادھر سے انگریزوں نے بمبئی سے اپنی فوج لاکر مغربی ساحلی شہر منگلور میں جس کا اس وقت نام کوڑیال بندر تھا اتار دی تاکہ میسوری افواج کی توجہ بٹ جائے اس کی اطلاع ملتے ہی حیدر علی نے اپنے لائق فرزند کی قیادت میں جس کی عمر اس وقت صرف ۱۷سال تھی سات ہزار کا ایک فوجی دستہ دے کر فوراً مینگلور ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا جس نے فوراً وہاں پہنچ کر مینگلور کا محاصرہ کیا چند دنوں کے بعد حیدر علی خود بھی مینگلور کی طرف روانہ ہوا ادھر حیدر علی کے مینگلور جانے سے فائدہ اٹھا کر پہلے دشمنوں کی متحدہ افواج نے بالا گھاٹ پر قبضہ کر لیا پھر جلد ہی وانمباڑی ہوسکوٹہ اور کولار وغیرہ کے علاقے بھی میسوری افواج کے ہاتھوں سے چلے گئے لیکن ادھر حیدر علی کے مینگلور پہنچنے کی خبر سنتے ہی انگریزی افواج سمندری راستہ سے واپس بمبئی بھاگ گئی اور گھبراہٹ میں اسلحہ و گولہ بارود کے علاوہ اپنے سینکڑوں سپاہیوں کو بھی پیچھے چھوڑ کر چلی گئی حالانکہ انگریزی افواج کے مقابلہ میں حیدر علی کے فوجی تعداد میں بہت ہی کم تھے بمبئی واپس بھاگتے وقت انگریزی فوجیوں کی بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے خود اپنے سپاہیوں پر بھی گولیاں چلائیں مینگلور کی مہم سے فارغ ہو کر حیدر علی نے مشرقی محاذ میں متحدہ افواج پر شب خون مار کر

ہوسکوٹہ کو واپس چھین لیا۔

مغربی محاذ میں پسپائی کے بعد مشرقی محاذ پر متحدہ افواج کی شکست سے مرہٹہ ونظام کی افواج گھبرا گئی اور صلح ہی میں عافیت سمجھ کر اس کے لئے انگریزوں پر بھی دباؤ ڈالنے لگی میسوری افواج پہلے ہی بہت تھک چکی تھیں اس لئے اس نے اس موقع کو غنیمت جانا نظام کو حیدر علی نے دس گھوڑے پانچ ہاتھی اور کچھ ہیرے جواہرات کے علاوہ پچاس ہزار روپیہ نقد دے کر انگریزوں سے الگ کرنے میں کامیابی حاصل کی اس سلسلہ میں بینگلور سے جنوب مغرب میں واقع چھینا پٹنم میں نظام کے کیمپ میں ٹیپو نے محفوظ علی خان اور میر علی رضا کی موجودگی میں ایک معاہدہ پر دستخط بھی کئے جس کے بعد نظام نے ٹیپو کو خوش ہو کر نصیب الدولہ یعنی ریاست کی قسمت کا خطاب بھی دیا۔[1] پونا کی مرہٹہ افواج بھی واپس چلی گئی اب میدان میں انگریزوں اور ان کے پٹھو حلیف نواب محمد علی ہی کی افواج رہ گئی تھیں حیدر علی نے نواب کے علاقوں پر حملہ کر کے ویلور، ترچناپلی اور وانمباڑی وغیرہ کو دوبارہ فتح کر لیا جس سے وہ مدراس بھاگنے پر مجبور ہو گیا جنگ میں شکست کے آثار دیکھ کر فوج کی کمان انگریز جنرل اسمتھ سے جنرل اوڈ کی طرف منتقل کی گئی جس کے بعد پھر ایک دفعہ دونوں فوجوں میں سخت مقابلہ بھی ہوا لیکن مجموعی طور پر اس مرتبہ حیدر علی کا پلڑا بھاری رہا سینکڑوں انگریز سپاہیوں کو میسوری افواج نے قید کر لیا یہاں تک کہ میسوری افواج اس کے بعد چند ہی دنوں میں مدراس کے قلعہ سینٹ جارج تک پہنچ گئی۔

---

[1] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر بی شیخ علی کی کتاب
British Relation With Hyder Ali

انگریزوں کی پسپائی و درخواست صلح

جنرل اوڈ کو جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ میسوری افواج کا مقابلہ ان کے لئے اب مزید ممکن نہیں تو اس نے کمال ہوشیاری سے حیدر علی سے صلح کی درخواست کی۔ حیدر علی اگرچہ اس وقت اس پوزیشن میں تھا کہ پورے مدراس پر قبضہ کر کے انگریزوں کو یہاں سے بھگا دے لیکن بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اس نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور ان کو مدراس ہی میں رہنے دیا بعد میں مندرجہ ذیل نکات پر انگریزوں اور میسوریوں کے مابین صلح کا معاہدہ ہوا

۱) ایک دوسرے کے مقبوضہ علاقے واپس کر دئے جائیں گے
۲) قیدیوں کا آپس میں تبادلہ ہو گا
۳) فریقین بوقت ضرورت ایک دوسرے کی فوجی مدد کے پابند ہونگے
۴) نواب محمد علی کے بعض علاقے حیدر علی کے حوالہ کئے جائیں گے

غرض یہ کہ حیدر علی نے اپنے دشمنوں کے ساتھ رعایتوں کی ایسی مثال قائم کی کہ تاریخ میں اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس کی یہی نرمی بعد میں اس کے لئے سم قاتل ثابت ہوئی اور سلطنت خداداد کے زوال کا سبب بھی بنی اگر وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مدراس پر اپنا قبضہ مکمل کر کے ان کو وہاں سے بھگا دیتا تو شاید دوبارہ انگریز اتنی جلد سر نہیں اٹھا پاتے لیکن حیدر علی نے صرف اس نیت سے انگریزوں کے ساتھ اپنی صلح کو ترجیح دی تھی کہ وہ حسب وعدہ مرہٹوں کے مقابلہ میں جن کو وہ اب تک سابقہ جنگوں میں اپنے تجربہ کی روشنی میں اپنا اصل

سیاسی حریف تصور کرتا تھا اس کی مدد کریں گے لیکن اپنی اس خام خیالی پر اسکو بعد میں پچھتانا پڑا اس لئے کہ مرہٹوں سے زیادہ اس کے سخت حریف انگریز ہی ثابت ہوئے غرض یہ کہ میسور کی انگریزوں کے ساتھ ۱۷۶۷ء میں شروع ہونے والی اس باقاعدہ پہلی جنگ کا خاتمہ حیدر علی کی فتح اور انگریزوں کی شکست پر ۲۹ مارچ ۱۷۶۹ء کو ہوا۔

حیدر علی اس فتح کے بعد ایک شاہانہ جلوس کی معیت میں جس میں ۵۰ ہزار سوار اور ۸۰ ہزار پیدل فوجی تھے مدراس سے واپس اسی وقت اپنے مستقر سری رنگا پٹنم لوٹا اور اقتدار سنبھالنے کے بعد سے اب تک کے سب سے بڑے مقابلہ میں اپنی فتح پر اطمینان کا سانس لیا۔

مرہٹوں کی دوبارہ یورش

گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حیدر علی نے مرہٹہ افواج کو ۸ لاکھ روپیہ نقد اور ۵۰ لاکھ روپیہ بعد میں دینے کے وعدہ پر صلح کر کے پونا واپس بھیج دیا تھا لیکن ۱۷۶۹ء میں مرہٹہ سردار مادھوا راؤ کو جب انگریزوں پر حیدر علی کی فتح و معاہدہ مدراس کی خبر ملی تو وہ اس موقع کو غنیمت جان کر حسب معاہدہ ۵۰ لاکھ روپیہ حیدر علی سے وصول کرنے کے لئے نکلا اس کا خیال تھا کہ دو سال تک انگریزوں کے ساتھ مسلسل جنگ سے حیدر علی کی طاقت جواب دے گئی ہوگی ۵۰ لاکھ ادا نہ کرنے کی صورت میں وہ اس سے دوبارہ جنگ کر کے اپنے مقبوضہ علاقے واپس لے لیگا ادھر خود حیدر علی بھی شکست خوردہ مرہٹہ سپاہیوں کو ان کے سردار مادھوا راؤ کے خلاف اکسا رہا تھا مرہٹہ افواج حیدر علی سے اس کا بھی انتقام لینا چاہتی تھیں چنانچہ

مادھوا راؤ ۱۷۷۰ء میں ایک لاکھ مرہٹہ سواروں اور پچاس ہزار بندوقچیوں کو لے کر میسور پر حملہ کے لئے نکلا راستہ میں چتل درگ کا راجہ اور شاہ نور کا نواب بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا لیکن مادھوا راؤ راستہ ہی میں بیمار پڑ کر واپس پونا چلا گیا اور اپنی فوج کی کمان اپنے سپہ سالار ترنبک راؤ کے حوالہ کر دی اس کی مدد کے لئے اس کا وزیر نانا فرنویس بھی موجود تھا حیدر علی کو جب مرہٹوں کی دوبارہ یورش کی اطلاع ملی تو اس نے ۲۵ ہزار فوجیوں کو سلطنت کے مختلف فوجی قلعوں کی حفاظت کیلئے رکھا اور اتنے ہی سپاہیوں کو اپنے مختلف اپنے کمانڈروں میر رضا ۔ مخدوم علی ۔ وینکٹ راؤ اور فرزند ٹیپو سلطان کی کمان میں دے کر مختلف علاقوں میں پھیلا دیا ۳۵ ہزار فوجی خود اپنے ساتھ رکھے چونکہ حیدر علی کی مرہٹوں کے ساتھ اس سے قبل بھی کئی جنگیں ہو چکی تھیں اس لئے ان کی نفسیات سے اب وہ پوری طرح واقف ہو گیا تھا اس لئے اس نے کمانڈروں کو شب خون مارنے کا ہی حکم دیا اس لئے کہ بے حساب مرہٹہ افواج کا محدود حیدری سپاہیوں سے کھلے میدان میں مقابلہ بظاہر اپنی شکست کو دعوت دینا تھا معاہدہ مدراس کے مطابق اس نے انگریزوں سے فوجی مدد طلب کی لیکن حسب فطرت و عادت وہ اپنے وعدہ سے مکر گئے شروع شروع میں میسوری افواج پسپا ہونے لگی اور مشرقی و شمالی علاقوں پر مرہٹوں نے قبضہ بھی کر لیا اسلئے کہ اب تک میسوری سپاہی صرف اپنی مدافعت ہی پر اکتفا کر رہے تھے لیکن اسکے باوجود اس معرکہ آرائی میں ٹیپو سلطان نے وہ کارنامے انجام دئے کہ حیدر علی کو بھی حیرت ہو گئی ٹیپو کی قیادت میں جنگ کے آخری مرحلہ میں شب خون مارنے کی حکمت عملی کامیاب رہی ہزاروں مرہٹہ سپاہی کام آگئے جہاں حیدری افواج پسپا

ہوتیں وہاں حیدر علی کے حکم سے اس کے سپاہی رسد، چارہ و پانی سے دشمنوں کو فائدہ اٹھانے سے باز رکھنے کے لئے پانی کو خراب کر دیتے یا اس میں زہر ملا دیتے اور کھیتوں میں آگ لگا دیتے حیدر علی کے ایک وفادار افسر محمد علی نے بھی اس موقع پر نمایاں کارنامے انجام دئے ٹیپو کے ساتھ مل کر اس نے دریائے کاویری کے کنارے مذہبی غسل کی رسومات انجام دینے والے مرہٹہ سپاہیوں پر جنگل میں چھپ کر ایسا حملہ کر دیا کہ دشمن کے ہزاروں سپاہی وہیں ڈھیر ہو گئے۔

ادھر ۳۵ ہزار مرہٹہ سپاہی ایک ماہ سے زائد عرصہ تک سری رنگا پٹنم کے مسلسل محاصرہ کے باوجود اس میں داخل نہیں ہو سکے مادھوراؤ تو پہلے ہی راستہ سے واپس پونا جا چکا تھا ۱۷۷۲ء میں اس کا انتقال ہو گیا تو پونا میں اس کی جانشینی کو لیکر نارائن راؤ اور را گھوبا میں ٹھن گئی پہلے نارائن راؤ پیشوا بنا بعد میں اس کو قتل کر دیا گیا اور را گھوبا کو پیشوائی ملی پونا میں برپا ہونے والے اس سیاسی طوفان سے فائدہ اٹھانے میں حیدر علی کامیاب رہا ۳۲ لاکھ روپیہ نقد ادا کر کے اور ۲٦ لاکھ روپیہ بعد میں دینے کا وعدہ کر کے مرہٹی افواج کو پونا واپس بھیجنے میں اس نے کامیابی حاصل کی غرض یہ کہ ۱۷۷۰ء میں شروع ہونے والی یہ جنگ وقفہ وقفہ سے ۱۷۷٦ء تک چلتی رہی اور بغیر کسی نتیجہ کے اختتام پذیر ہوئی البتہ فریقین کو سخت جانی و مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑا مجموعی طور پر حیدر علی کو زیادہ مالی نقصان اور مرہٹوں کو جانی نقصان ہوا ان کے ہزاروں سپاہی مارے گئے اور اس سے زیادہ زخمی۔ چونکہ حیدر علی نے ۳۲ لاکھ روپیہ مرہٹوں کو نقد دے کر واپس پونا بھیج دیا تھا اس لئے سرکاری خزانہ پر اس کا بڑا اثر پڑا لیکن حیدر علی نے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے جلد ہی اس کی تلافی کر دی اور اس پر قابو پا لیا۔

فاتحانہ پیش قدمی اور توسیع مملکت خداداد

مرہٹوں کے ساتھ گذشتہ جنگ میں غیر معمولی نقصان کی تلافی کے لئے حیدر علی کا خیال تھا کہ اب اس کے لئے نہ صرف مقبوضہ علاقوں کی واپسی بلکہ نئے علاقوں کی فتوحات بھی ناگزیر ہے ادھر مرہٹہ افواج بھی داخلی سیاسی انتشار کی وجہ سے پریشان و منتشر تھیں اس لئے اس سے فائدہ اٹھا کر صوبہ سرا کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے جس پر اب مرہٹہ افواج قابض تھیں ٹیپو کو روانہ کیا گیا صرف تین ماہ کے قلیل عرصہ میں ٹیپو اس پر دوبارہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اس کے بعد چار دن کے اندر مرکارہ اور گورک کو بھی فتح کر لیا گیا ہوسکوٹہ بھی دوبارہ سلطنت خداداد میں شامل ہو گیا ۱۷۷۵ء میں بلاری اور ۱۷۷۹ء میں چتل درگ وکڑپہ وغیرہ کے علاقے بھی فتح کر کے ریاست میسور میں داخل کئے گئے دریائے تنگ بھدرا و کرشنا کے وہ تمام علاقے بھی جس پر اب تک مرہٹہ ہی قابض تھے حیدر علی نے دوبارہ حاصل کر لئے ملیبار، کوچین اور نیلگری کے علاقوں کو بھی فتح کر کے اس کو جنوبی کیانرہ کا نام دے کر الگ صوبہ کی حیثیت دی گئی طوالت کے خوف سے ان سب فتوحات کی تفصیلات یہاں درج نہیں کی جا رہی ہیں۔

انگریزوں کے ساتھ میسور کی دوسری جنگ

جنگ میں کوئی کسی کا مستقل دوست یا دشمن نہیں رہتا بعض اوقات فتح یا شکست کے بعد برسوں کے دشمن دوست اور صدیوں کے دوست دشمن بن جاتے

ہیں سلطنت خداداد میسور کے آس پاس قائم حکومتیں مرہٹے، نظام، نواب، اور انگریز بھی آپس میں کسی نظریہ یا بنیاد پر متفق یا متحد نہیں تھے بلکہ ان سب کا ایک ہی مشترک مقصد تھا کہ ان سب کے وجود اور استحکام کے لئے لاحق خطرہ حیدر علی کو راستہ سے ہٹا دیا جائے اس رکاوٹ کو دور کرنے ہی میں ان سب کی بقاء کی ضمانت تھی نتیجہ یہ تھا کہ کسی نظریاتی بنیاد پر متحد نہ ہونے کی وجہ سے ذاتی اغراض و وقتی مفادات کے لئے وہ میدان جنگ میں ایک دوسرے سے الگ بھی ہو جاتے تھے جیسا کہ میسور کی پہلی جنگ میں صرف پچاس ہزار روپیہ اور دس ہاتھی دے کر حیدر علی نے نظام حیدر آباد کو انگریزوں سے الگ کر دیا تھا مشترکہ محاذ میں شامل نواب محمد علی عملاً انگریزوں ہی کے تابع تھا نظام حیدر آباد ان چاروں میں سب سے کمزور اور ہمیشہ اپنے دشمنوں سے جارحانہ جنگ کے بجائے صرف مدافعانہ جنگ کو ترجیح دینے والا تھا دریائے کرشنا و تنگبھدرا کے آس پاس آباد مرہٹہ قوم مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی جن کا ایک ڈھیلا ڈھالا کمزور وفاق بھی تھا البتہ ان میں صرف انگریز مضبوط تھے جن کا اقتدار مدراس بنگال اور بمبئی میں روز بروز مستحکم ہو رہا تھا لیکن وہ گذشتہ جنگ میں حیدر علی کی پیش کردہ شرائط پر اپنی مصالحت کو اپنی شکست ہی تسلیم کرتے تھے اور دوبارہ حملہ کی تیاری بھی شروع کر چکے تھے اسلئے اپنی اس ذلت کا حیدر علی سے بدلہ لینے کے لئے وہ برابر کوشاں تھے ادھر حیدر علی بھی انگریزوں سے انتقام لینے کے لئے بے چین تھا اسلئے کہ انہوں نے معاہدہ مدراس کے مطابق مرہٹوں کے ساتھ ہونے والی جنگ میں اس کا ساتھ نہیں دیا تھا لیکن ان کی کمزوری یہ تھی کہ وہ حیدر علی کے خلاف تنہا میدان جنگ میں

آنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے وہ ہمیشہ میسور کے آس پاس کی حکومتوں کے اشتراک و اتحاد کے ساتھ ہی حیدر علی کے خلاف جنگ کو ترجیح دیتے تھے۔

حیدر علی کی دشمن کے متحدہ محاذ میں دراڑ کی کوشش

حیدر علی انگریزوں کی اس نفسیاتی کمزوری سے بخوبی اپنے سابقہ تجربہ کی بنیاد پر واقف تھا کہ انگریز تنہا اس سے مقابلہ کی سوچ بھی نہیں سکتے چنانچہ ان کے ناپاک عزائم کا اس کو جب علم ہوا تو اس نے سب سے پہلے دشمن کے متحدہ محاذ میں دراڑ ڈالنے کی کوشش کی نواب محمد علی تو انگریزوں کا نمک خوار اور اپنے اقتدار میں ان ہی کا رہین منت تھا اس لئے اس پر محنت بے سود تھی اس پر حیدر علی نے توجہ ہی نہیں دی بچ گئے نظام، مرہٹہ تو ان میں قدرے فوجی اعتبار سے مضبوط مرہٹے ہی تھے اقتدار کی رسہ کشی میں ان کی افواج پہلے ہی سے دو ٹکڑیوں میں بٹ گئی تھیں ایک کی سربراہی نارائن راؤ کے نوزائدہ بچے کے نام پر اس کے وزراء جس میں سرفہرست نانا فرنویس وغیرہ تھے کر رہے تھے اور دوسرے کی رگھوناتھ راؤ، پونا کے اس سیاسی انتشار میں انگریزوں کا جھکاؤ رگھوناتھ راؤ کی طرف تھا تاکہ وہ نواب کرناٹک محمد علی کی طرح اس کو بھی اپنے سیاسی مقاصد کے لئے بعد میں استعمال کر سکیں رگھوناتھ راؤ کی طرف انگریزوں کا جھکاؤ دیکھ کر نانا فرنویس نے حیدر علی سے مدد طلب کی حیدر علی تو اسکا پہلے ہی سے منتظر تھا اس نے اسکی فوجی مدد کا فیصلہ کیا ادھر نظام حیدر آباد کے گنٹور کے علاقہ پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا تھا جس کی وجہ سے وہ فطری طور پر انگریزوں سے ناراض اور حیدر علی سے اس سلسلہ میں مدد و تعاون کا خواہاں تھا لیکن حیدر علی

کو نظام کی وفاداری پر بھروسہ نہیں تھا پھر بھی وہ اس سیاسی مصلحت کے پیش نظر کہ کہیں ناراض ہو کر وہ اس کے خلاف دوبارہ انگریزوں سے نہ مل جائے خواہی نہ خواہی اس کی مدد کے لئے راضی ہو گیا عالمی سطح پر ادھر انگریزوں و فرانسیسیوں میں بھی کشیدگی بڑھ رہی تھی اور نوبت جنگ تک پہنچ گئی تھی عالمی سطح پر ان کی اس سیاسی کشمکش سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے ہندوستان میں فرانسیسیوں کے مقبوضہ علاقہ پانڈیچری پر حملہ کر کے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور ملیبار کے علاقہ میں جو حیدر علی کے زیر حکمرانی تھا فرانسیسیوں کے قبضہ والے ماہی بندرگاہ پر حملہ کے لئے آگے بڑھے مجبور ہو کر فرانسیسیوں نے انگریزوں کے خلاف حیدر علی سے فوجی مدد طلب کی حیدر علی سے معاہدہ مدراس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انگریزوں نے مرہٹہ جنگ میں اس کی مدد نہ کر کے اپنی بے وفائی اور غداری کا ثبوت پہلے ہی دے دیا تھا ان کی اس وعدہ خلافی کا ان سے بدلہ لینے کے لئے حیدر علی پہلے ہی سے بے چین تھا اسی بہانہ وہ فرانسیسیوں کی درخواست پر ان کی مدد کے لئے بھی بآسانی تیار ہو گیا جب انگریزوں کو اس بات کی اطلاع ہو گئی کہ گنٹور پر ان کے قبضہ سے نظام حیدر آباد ان سے خفا ہو کر حیدر علی کے ساتھ ہو گیا ہے تو انہوں نے نظام کو گنٹور کا علاقہ فوراً واپس کر دیا اس طرح حیدر علی کی توقع کے عین مطابق نظام نے عین موقع پر اس سے علیحدگی کا اعلان کر دیا پونا میں نانا فرنویس کی فوج سے بھی فوجی تعاون کے لئے باقاعدہ کوئی تحریری معاہدہ نہیں ہو سکا ادھر حیدر علی کے متحدہ محاذ کے قیام کے منصوبہ کو ناکام ہوتا دیکھ کر انگریزوں نے اپنی تیاریاں تیزی سے مکمل کر لیں بالآخر حیدر علی بھی مجبور ہو کر ۲۸ مئی ۱۷۸۰ء کو اپنی ۹۰ ہزار فوج لیکر جس میں ۲۸ ہزار

سواروں کے علاوہ چند سو فرانسیسی سپاہی بھی تھے انگریزوں کے مقابلہ کے لئے سری رنگا پٹنم سے نکلا مرہٹوں و نظام کے بغیر تنہا انگریز در حقیقت لڑنا نہیں چاہتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے سفارتی نمائندہ گرلے کو حیدر علی کے پاس امن کا پیغام دے کر بھیجا لیکن اس نے اس کو ان کی وعدہ خلافی و غداری پر طنز کرتے ہوئے نامراد واپس لوٹا دیا۔

جنگ کا آغاز

حیدر علی جب سری رنگا پٹنم سے نکلا تو اس نے فوجی حکمت عملی کے تحت اپنی پوری فوج کو تقسیم کر کے اپنے مختلف فوجی افسران کے ماتحت مختلف علاقوں میں پھیلا دیا ٹیپو کو سات ہزار کی فوج دے کر جس کی عمر اس وقت صرف ۲۹ سال تھی پائیں گھاٹ کی طرف بھیجا گیا راستہ میں حیدری افواج کاویری پٹنم، کنجی ورم، محمود بندر وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے آگے بڑھیں پولی لور کے مقام پر پہنچ کر انگریزی افواج کا سامنا ہوا جم کر دونوں میں مقابلہ ہوا کرنل بیلی کی زیر قیادت انگریزی دستہ کو شکست ہوئی ان کے سینکڑوں سپاہی مارے گئے چھتیس بڑے افسران اور دو ہزار عام سپاہی گرفتار کر کے سری رنگا پٹنم بھیج دئے گئے ادھر جنرل منرو بھی ایک دستہ کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا لیکن کرنل بیلی کی شکست کی خبر سن کر کانجی ورم تالاب میں اپنا اسلحہ پھینک کر وہ راستہ ہی سے واپس مدراس بھاگ گیا۔ جلد ہی ویلور پر بھی قبضہ مکمل ہو گیا نواب محمد علی کی افواج سے مقابلہ کے بعد ارکاٹ بھی فتح ہو گیا محمد علی کی شکست کے بعد اس کے بعض اعلیٰ فوجی افسران نے جس میں سید حامد،

راجہ بیربر، اور میر صادق وغیرہ سر فہرست تھے یسوری افواج میں شمولیت اختیار کرلی حیدر علی نے ان کے سابقہ مراتب کو دیکھتے ہوئے اپنی فوج میں بھی ان کو اسی طرح کے اعلی مناصب پر فائز کیا میر صادق کو محاصل کا افسر اعلی بنایا گیا اور سید حامد وغیرہ کو بھی اہم فوجی عہدے دئے گئے جنگ پولی لور میں کرنل بیلی کی انگریزی فوج کی شکست کے بعد بھی حیدر علی کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا انگریزوں نے مسلسل اپنی شکست و ہزیمت کو دیکھتے ہوئے حیدر علی سے صلح کی بہت کوشش کی لیکن بعض سلطانی افسران کی رائے تھی کہ سابقہ تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے دوبارہ صلح کی بات نہ کی جائے ان ہی کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے حیدر علی نے ان کی مصالحانہ پیشکش کو مسترد کردیا چند ہی دنوں میں ٹیپو کی زیر قیادت یسوری افواج نے ست گڑھ پر قبضہ کرلیا تیاگ گڑھ اور آنبور وغیرہ بھی فتح کر کے سلطنت یسور میں شامل کردئے گئے مغربی ساحلی شہروں پر بھی یسوری افواج نے مکمل قبضہ کرلیا ۱۰/ اگست ۱۷۸۱ء کو مدراس پہنچ کر اس پر بھی اچانک حملہ کردیا گیا انگریز سپاہیوں نے بھاگ کر اپنے بحری جہازوں میں پناہ لیں دو ہزار سپاہی انگریزوں کے گرفتار ہوئے اور اس سے زیادہ مارے گئے اس طرح قریب تھا کہ پورے مدراس پر حیدر علی کا قبضہ ہوجاتا ادھر انگریزوں کی مسلسل شکست کی خبر جب پورے ملک و بیرون میں پھیل گئی تو ان کا جینا دوبھر ہوگیا بالآخر ہندوستان میں گورنر جنرل وارن ہسٹینگز نے انگریزی فوج کی کمان جنرل آئر کورٹ کے سپرد کی ابتداء میں اس تبدیلی کا کچھ فائدہ ہوا محمود بندر اور ارنی پر انگریزوں نے دوبارہ قبضہ کرلیا فرانسیسی چونکہ اس جنگ میں حیدر علی کے ساتھ شریک تھے اس لئے جنگ میں فتح کے آثار دیکھ کر شروع میں تو ان کو اطمینان رہا لیکن اخیر میں جب انگریزوں کا پلڑا بھاری ہونے لگا تو ان ہی کی درخواست پر حیدر علی کی مدد کے لئے سمندری راستہ سے بحری فوجی کمک ایڈمیرل سفرن کے ماتحت پہنچی جس میں سپاہیوں سے بھرے پانچ جہاز اور نقل و حمل کے آٹھ جہاز شامل تھے اس میں جملہ سات ہزار فرانسیسی سپاہی اور ایک ہزار کے قریب توپیں تھیں اس سے حیدر علی کو بڑی تقویت ملی بیک وقت سمندری راستہ سے فرانسیسیوں نے اور برّی راستہ سے یسوریوں نے انگریزوں پر حملہ کرنا شروع کردیا ارنی پر دوبارہ حیدر علی کا قبضہ ہوگیا ادھر ملیبار کے نائروں نے پھر بغاوت کردی یہی حال کورگ کا بھی تھا حیدر علی نے اس بغاوت کو کچلنے کے لئے ملیبار میں ٹیپو کی کمان میں ایک فوجی کمک بھیجی کورگ کی طرف میر مخدوم علی کو روانہ کیا موخر الذکر تو شہید ہوگئے اور کورگ کی بغاوت کو کچل نہ سکے لیکن نائروں کی بغاوت کو دبانے میں ٹیپو کامیاب ہوگیا اور سابقہ تجربات کی بنیاد پر اس نے وہیں کچھ دن قیام کا فیصلہ کیا۔

حیدر علی کی بیماری

نومبر ۱۷۸۲ء میں جبکہ انگریزوں کے ساتھ مقابلہ جاری تھا حیدر علی بیمار پڑگیا جس کی وجہ سے اس نے ارکاٹ ہی میں اپنے قیام کو ترجیح دی ان کے بدن میں دنبل نکل آئے تھے معالجوں نے اسکو معمولی پھوڑا سمجھ کر علاج کیا فرانسیسی ماہرین اور حیدری افواج کے ہندو و مسلم معالجوں نے جان توڑ کوشش کی کہ کسی طرح

حیدر علی شفایاب ہو جائے لیکن اخیر میں جاکر معلوم ہوا کہ یہ پھوڑے دراصل سرطان (کینسر) کا پیش خیمہ تھے جس کا اس وقت تک علاج دریافت نہیں ہوا تھا اپنی بیماری کی شدت دیکھ کر وزراء کے مشورہ سے حیدر علی نے ٹیپو کو ملیبار کی کامیاب مہم کے بعد واپس آنے کے لئے خط لکھا انتقال سے صرف ایک روز قبل لکھے جانے والے اس خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا

نور چشم راحت جان پدر

در صورت کہ تم کو اس نواح کے متردوں کی تنبیہ و تادیب سے قرار واقعی جمعیت خاطر حاصل ہو تو چشم پدر کو اپنے دیدار سے جلد منور کرو اگر کچھ کمک اور فوج کی احتیاج ہو تو اس کا حال گوش گذار کرو۔

فقط

حیدر علی

رحلت

ٹیپو خط پڑھ کر واپسی کے لئے نکل کر پائیں گھاٹ پہنچا ہی تھا کہ حیدر علی نے یکم محرم ۱۱۹۶ھ مطابق، دسمبر ۱۷۸۲ء کی شب چتور ارکاٹ سے قریب نرسنگ نرائن پیٹ میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

انتقال کے وقت عمر تاریخ عیسوی کے حساب سے ساٹھ سال اور تاریخ ہجری کے حساب سے باسٹھ سال تھی[1] وفات سے ایک روز قبل یعنی ذی الحجہ کی آخری

[1] یاد رہے کہ نظام شمسی میں سالانہ سورج کی گردش کے اعتبار سے ہر ۳۳ سال عیسوی پر ایک سال ہجری کا اضافہ ہوتا ہے

تاریخ کو حاضرین سے دریافت کیا کہ آج کونسی تاریخ ہے جواب دیا گیا کہ محرم کی چاندرات ہے اس پر فرمایا کہ مجھ کو غسل کرادو اس پر غسل کرایا گیا کپڑے بدلے گئے کلمہ و درود کا ورد زبان پر جاری ہوا کچھ دل ہی دل میں پڑھ کر اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا سرکاری ملازمین کو ایک ماہ کی زائد تنخواہ اور فقراء و مساکین کو صدقات و خیرات کا حکم دیا کچھ دیر قبل شمالی آرکاٹ فتح کرنے کے لئے اپنی فوج بھی روانہ کرنے کا حکم دیا تھا اس پر بھی عمل کیا گیا غرض یہ کہ حاضرین مجلس کا بیان تھا کہ حیدر علی کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا سیاسی مصلحت کے پیش نظر کسی فوری بغاوت کو روکنے کے لئے انتقال کی خبر کو مخفی رکھا گیا اس کے لئے فوج کو بھی مستعد رہنے کا حکم دیا گیا باہر سے سلطنت میں داخل ہونے والے مسافروں اور خطوط پر نظر رکھی گئی اور عام دنوں کے مقابلہ میں اس وقت چوکسی و جاسوسی میں اضافہ کیا گیا مملکت کے افسران کی نقل و حرکت پر بھی خصوصی نگاہ رکھی گئی۔

ملیبار سے ٹیپو کی آمد

والد کے انتقال کی خبر دینے کے لئے ٹیپو کے پاس جو اس وقت ملیبار کی مہم میں تھا مہا مرزاں خاں کو بھیجا گیا ٹیپو والد کے خط پر واپس آنے کے لئے پائیں گھاٹ تک پہنچ چکا تھا وہیں اس کو اطلاع دی گئی والد کے اس حادثہ وفات کی خبر سن کر وہ بے اختیار رونے لگا اور کہنے لگا کہ اگر اللہ تعالی مزید کچھ دن میرے والد کو بقید حیات رکھتا تو وہ انگریزوں کو ملک سے باہر نکال کر ہی دم لیتے کاش اللہ تعالی ان کو تب تک زندہ رکھتا۔ ارشد بیگ کو اپنا نائب بنا کر تیزی سے نرسنگھ نارائن پیٹ کی

طرف روانہ ہوا ادھر حیدر علی کے وزراء نے ان کی موت کی خبر کو مخفی رکھنے کے لئے یہ چال چلی کہ ان کی نعش کو ایک تابوت میں رکھ کر مسلح افواج کی نگرانی میں اس کو سری رنگا پٹنم روانہ کر دیا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ کسی بڑے خزانہ کو حفاظت سے کہیں منتقل کیا جارہا ہے راستہ میں کچھ دیر کے لئے تابوت کو کولار میں ان کے والد فتح محمد کی قبر کے پاس رکھا گیا پھر وہاں سے سری رنگا پٹنم لاکر لال باغ میں خود ٹیپو کے اسی غرض سے خصوصی اہتمام کے ساتھ بنائے گئے گنبد میں سپرد خاک کیا گیا جب تک ٹیپو سری رنگا پٹنم پہنچا اس وقت تک تخت کو خالی رکھنے کے بجائے اس کے چھوٹے بھائی کریم شاہ کو اس پر بٹھا کر سلطنت کی معمول کی کارروائی جاری رکھی گئی اس پوری کارروائی کو جاری رکھنے میں جن وزراء نے اہم رول ادا کیا ان میں سرفہرست غازی خاں بدرالزماں خاں، ابو محمد، محمد علی کمیدان، پورنیا، کرشن راؤ، شامیا اور میر صادق وغیرہ تھے لیکن حتی الامکان احتیاط کے باوجود حیدر علی کی موت کی خبر ہر جگہ پھیل گئی اور حسب توقع شرپسندوں نے مختلف علاقوں میں سر اٹھانے کی کوشش بھی کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ خود ٹیپو کے ایک چچازاد بھائی محمد امین نے بخشی شمس الدین سے مل کر یہ سازش کی کہ ٹیپو کے بجائے اس کے ذہنی طور پر معذور اور ناتجربہ کار بھائی کریم شاہ کو تخت پر بٹھایا جائے تاکہ اسکی آڑ میں وہ حکومت کی باگ ڈور سنبھال سکے لیکن جب ٹیپو کو اس کا علم ہوا تو ان دونوں کو ہتکڑیاں لگا کر سری رنگا پٹنم میں قید کر دیا میسور کی افواج ٹیپو کی انتظامی صلاحیتوں سے خوب واقف تھیں اس لئے اس نے کوئی بغاوت نہیں کی بلکہ اس نازک موقع پر بھی اس کی وفادار رہیں ادھر انگریزوں کی حالت ناقابل

بیان ہو گئی تھی حیدر علی کی وفات کے وقت کئی محاذوں پر ان کے فوجی دستوں کو شکست ہو رہی تھی نانا فرنویس کی مرہٹہ افواج انگریزوں کے خلاف میدان جنگ میں آنے کو تیار ہو گئی تھیں بنگال میں ان کے مقبوضات پر ناگپور کا راجہ حملہ کے لئے پر تول رہا تھا اس طرح ان سب مشکلات و مسائل کی وجہ سے انگریزوں کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح جنگ بھی بند ہو جائے اور ان کا وقار بھی مجروح نہ ہو اس کے لئے انہوں نے یہ افواہ اڑادی کہ حیدر علی نے انتقال سے کچھ دن قبل ملیبار میں مقیم ٹیپو کو خط لکھا تھا کہ انگریز انتہائی طاقتور ہیں ان سے مقابلہ بے سود ہے اس لئے صلح ہی میں عافیت ہے فرانسیسیوں پر بھروسہ نہ کیا جائے جبکہ حقیقت یہ تھی کہ حیدر علی نے اس کے برخلاف ٹیپو کو کسی نتیجہ پر پہنچے بغیر جنگ کو بند نہ کرنے کا حکم دیا تھا جس پر بعد میں ٹیپو نے عمل بھی کیا اور اس کے بعد بھی سولہ ماہ تک جنگ جاری رہی۔

ساتواں باب

حیدر علی کی خصوصیات و کمالات

حلیہ

چھ فٹ لمبے طویل القامت حیدر علی کا رنگ گندمی اور چہرہ بارعب تھا ناک اونچی آنکھیں چھوٹی لیکن چمک دار تھیں سینہ کشادہ گردن لمبی اور انتہائی چوڑی تھی ہاتھ لمبے اور بازو موٹے تھے سر پر عمامہ اور کمر میں ریشمی پٹکا ہوتا جس میں ایرانی تلوار لٹکی رہتی ہاتھ میں عام طور پر چھڑی ہوتی چہرہ پر داڑھی تھی یا نہیں اس سلسلہ میں مؤرخین کے دونوں طرح کے اقوال و تصویریں ملتی ہیں ممکن ہے کہ ایک زمانہ تک چہرہ صاف کرتے ہوں بعد میں داڑھی رکھ لی ہو عام طور پر دکھنی (اردو) بولتے تھے چونکہ سرکاری زبان فارسی تھی اسلئے اسی زبان میں عام طور پر خط و کتابت بھی کرواتے تھے ناخواندہ تھے اسلئے خطوط ایک محرر سے لکھواتے تھے دوسرے سے پڑھواتے اور تیسرے سے اس کی تصدیق کرواتے تھے اس کے علاوہ، کنڑ، تمل، مرہٹی اور تیلگو سے بھی واقف تھے فرانسیسیوں سے تعلقات کی وجہ سے تھوڑی بہت فرانسیسی زبان بھی سمجھتے تھے

معمولات

زندگی کا ایک بڑا حصہ بالخصوص میسور کی حکمرانی کے بعد جنگوں اور اسفار میں گذرا اس لئے روزانہ کے معمولات طے نہیں تھے حالات اور تقاضوں کے لحاظ سے اس میں تبدیلی ہوتی رہتی تھی البتہ جب اپنے مستقر سری رنگا پٹنم میں مقیم ہوتے تھے تو عام طور پر صبح صادق کے وقت ہی اول وقت میں بیدار ہوتے اور آٹھ نو بجے

تک اپنی ذاتی ضروریات و معمولات سے فارغ ہو کر اپنے وزراء و فوجی افسران سے گذشتہ رات سے اب تک کے حالات سنتے موصولہ خطوط اور درخواستوں کو پڑھ کر اسی وقت اس کے جوابات لکھواتے پھر ناشتہ کے بعد محل میں پالے گئے ہاتھیوں و چیتوں وغیرہ کو دیکھتے پیار سے ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے اور ان کی حرکتوں سے کچھ دیر تک محظوظ ہوتے رہتے ساڑھے دس بجے ایک شامیانہ میں دربار عام لگتا خود اس میں ایک طلائی کرسی پر جلوہ فروز ہوتے عوام حاضر ہو کر اپنے مسائل بیان کرتے جس کو سن کر اسی وقت اس کے حل کے لئے احکامات بھی جاری کرتے سفراء سلطنت سے بھی اسی دوران ملاقات ہوتی یہ سلسلہ ۲/۱ ۲ بجے ظہر تک چلتا ۳ سے ۵ بجے تک آرام کرنے کے بعد فوجیوں کا معائنہ کر کے ضروری احکامات جاری کرتے پھر گھوڑے پر تفریح کے لئے نکلتے واپس آکر پھر دربار میں بقیہ درخواستوں کو سنتے مغرب کے بعد کھانا ہوتا تھوڑی دیر چہل قدمی کرتے رات کو ۹ بجے سے ۱۱ بجے تک محفل جمتی جس میں رقص و سرور کے علاوہ شعر و شاعری کا سلسلہ بھی چلتا اس محفل میں نواب صاحب کے رشتہ دار و وزراء بھی حاضر رہتے ہفتہ میں دو تین مرتبہ حسب سہولت شکار کے لئے بھی جاتے کھانے میں عام طور پر سادہ کھانا پسند کرتے راگی کی روٹی پسندیدہ غذا تھی سفر میں عام طور پر چاول کو ترجیح دیتے جب کہیں جاتے یا سری رنگا پٹنم واپس آتے تو ان کا شاہانہ جلوس عوام کے لئے سب سے زیادہ کشش کا باعث ہوتا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہمت و بہادری

ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا کی تاریخ میں اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ حاکم سلطنت یا بادشاہ وقت نے خود میدان جنگ میں آکر اپنے دشمنوں کا دوش بدوش مقابلہ کیا ہو حیدر علی اپنے بیٹے ٹیپو کی طرح دنیا کے ان چند سلاطین میں سر فہرست ہیں جنہوں نے خود کو اپنی فوج و سپاہیوں کے ساتھ میدان جنگ میں ہمیشہ آگے رکھا میسور کی حکمرانی سے پہلے اور اس کے بعد جتنے مقابلے سلطنت میسور کے دوسری اقوام و افواج کے ساتھ ہوئے اس میں وہ نہ صرف شریک رہے بلکہ دشمنوں کی صفوں میں گھس کر ان کا مقابلہ کیا ان کی اسی بہادری و شجاعت کو ان کے چہرے سے بھانپ کر راجہ میسور نے ۱۷۵۲ء میں صرف ۲۹ سال کی عمر میں میسور کے قریب ڈنڈیگل کا ان کو گورنر مقرر کیا تھا اس سے پہلے ۱۷۴۹ء میں دیون ہلی کے ان کے کامیاب فوجی محاصرہ سے متاثر ہو کر میسور کے وزیر نند راج نے ان کو خان کا خطاب دے کر صرف ۲۷ سال کی عمر میں دو سو پیادہ اور پچاس سواروں کا افسر مقرر کر دیا تھا میسور میں راجہ کے دربار میں حیدر علی کے خلاف سازش کے بعد جب کھنڈے راؤ کی قیادت میں باغی افواج نے مرہٹہ فوج کے ساتھ مل کر جب ان کا سری رنگا پٹنم کے دریا دولت باغ میں محاصرہ کیا تو جس طرح گھبرائے بغیر ہمت کے ساتھ دشمنوں کو چکمہ دے کر راتوں رات دریائے کاویری کو طغیانی کے باوجود عبور کر کے اور مسلسل بیس گھنٹوں کا سفر طے کر کے بینگلور پہنچے اور جلد ہی پھر پلٹ کر تعاقب کرنے والوں پر حملہ کر کے جس بہادری کا ثبوت دیا اس کا اعتراف خود اس وقت ان کے دشمنوں نے بھی کیا۔

انتظامی صلاحیت

حیدر علی اگرچہ ناخواندہ تھے لیکن انتہائی ذہین تھے بیک وقت فارسی، اردو، کنڑ، تامل اور تیلگو پر دسترس رکھتے تھے ان کا مشہور مقولہ تھا کہ "مجھ جیسے جاہل سے اللہ کے فضل سے ایسے کارہائے نمایاں انجام پائے جو ہزاروں پڑھے لکھوں سے وقوع میں نہ آسکے یہ قدرت خداوندی کا ایک ادنی نمونہ ہے" فطری طور پر قیافہ شناس تھے لوگوں کے صرف چہروں کو دیکھ کر ان کے معیار اور صلاحیت کا اندازہ لگا لیتے تھے وہ ہندوستان کے پہلے حکمران تھے جنہوں نے بحری طاقت کی اہمیت محسوس کی اور بحری فوج قائم کی اس سے پہلے صرف فرانسیسیوں اور انگریزوں کے پاس ہندوستان میں بحری فوج تھی وہ اس سے بیک وقت فوجی طاقت کے علاوہ تجارتی فائدہ بھی اٹھانا چاہتے تھے بینگلور میں اس کے لئے باقاعدہ جہاز سازی کا ایک بڑا کارخانہ بھی قائم کیا گیا وہ رعایا کی خبر گیری کے لئے خود بھیس بدل کر راتوں میں گشت بھی کرتے تھے محکمہ پولس میں جاسوسی کے لئے الگ شعبہ قائم تھا جو عام طور پر مالیات میں غبن کی تحقیق کا کام کرتا ظلم اور رشوت ستانی ان کی سلطنت میں ناقابل معافی جرم تھے اس پر کوڑے لگائے جاتے جس کے لئے سرکار کی طرف سے باقاعدہ دو سو جلاد مقرر تھے کسی بھی سرکاری افسر کے بارے میں رشوت ستانی یا غبن کا ثبوت ملتا تو اس کی املاک ضبط کرلی جاتی سپاہیوں اور ملازمین کیلئے نمایاں کارنامے انجام دینے پر خصوصی انعامات کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا تھا جب بھی کسی نئے علاقہ کو فتح کرکے سلطنت خداداد میں شامل کیا جاتا تو وہاں کے عوام کو بغاوت سے دور رکھنے کے لئے وہ ان کے یہاں مروج قوانین و روایات میں تبدیلی سے گریز کرتے ہندوؤں کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی تھی یہاں تک کہ میسور کا اقتدار سنبھالنے کے بعد وہاں چلے آرہے سکوں پر ہندو دیوی دیوتاؤں کی تصویروں کو بحال رکھا تاکہ ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے وہ جنگوں میں عام طور پر شب خون مارنے کی کامیاب حکمت عملی پر عمل کرتے آج کے کام کو کل پر ٹالنے کے عادی نہیں تھے ہر دن موصول ہونے والے خطوط کا اسی دن جواب دیا جاتا جن کی تعداد بعض اوقات ۳۰ / ۲۵ تک پہنچ جاتی خطوط کے جوابات دینے کے لئے ہر زبان کے سکریٹری مقرر تھے جن کو وہ مضامین املا کراتے طبیعت اس قدر حساس تھی کہ ایک منشی سے خط لکھانے کے بعد دوسرے منشی سے اس کو پڑھواتے اور تیسرے سے تصدیق کرواتے تاکہ ان کی ناخواندگی سے ان کے سکریٹری ناجائز فائدہ اٹھا کر مسائل پیدا نہ کریں پھر جب اطمینان ہوجاتا تو سرکاری مہر لگوا کر دستخط کرتے جو صرف لفظ ح ہوتا اپنے ماتحتوں میں سے ہر ایک کی ذاتی صلاحیت و قابلیت سے واقف تھے اور اسی کے مطابق ان سے کام لیتے خود اپنے شہزادہ ٹیپو کو بھی اپنے بعد نظام سلطنت کے بار کو سنبھالنے کے لئے اس طرح تیار کیا کہ اس نے ان کے بعد بغیر کسی دشواری کے اقتدار سنبھالا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

نظم سلطنت

حیدر علی نے اپنی پوری سلطنت کو تیس اضلاع میں تقسیم کر دیا تھا ہر ضلع میں چالیس کے قریب تعلقے تھے اس کے علاوہ انتظامی سہولت کے لئے مرکزی انتظامیہ کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا جو مندرجہ ذیل تھے

۱) محکمہ امور خارجہ :۔

غیر ملکیوں کی دیکھ بھال غیر ملکی سپاہیوں کے لئے چھاونیوں وغیرہ کا نظم و نسق

۲) محکمہ فوجی وذخائر :۔

اسلحہ گولہ بارود وغیرہ کی تیاری و مرمت اور اس کے سرکاری ریکارڈ کی حفاظت

۳) محکمہ زراعت :۔

غلہ کی پیداوار سے متعلق ریکارڈ تیار کرنا اور کسانوں کے مفادات کی نگرانی کرنا۔

۴) محکمہ حفاظت سلطانی :۔

بادشاہ کے سفر و حضر میں تحفظ کے لئے نظم کرنا

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵) محکمہ تجارت :۔

غلہ کی درآمدات وذخائر کا حساب اور عوام میں اجناس کی تقسیم کی ذمہ داری

۶) محکمہ عدالت :۔

عوام کو انصاف دلانے کے لئے ان کے مسائل کی شنوائی اس پر فیصلے اور سزاؤں کا نفاذ

۷) محکمہ مذہبی اوقاف :۔

مذہبی مقامات مندر و مساجد کی حفاظت اور اسکی آمدنی کے لئے ذرائع پیدا کرنا۔

۸) محکمہ اطلاعات عامہ :۔

سلطنت کے ہر حصہ کے حالات سے مرکز کو واقف کرانا

۹) محکمہ درآمدات و برآمدات :۔

درآمدات و برآمدات پر محاصل کی وصولی

۱۰) محکمہ فوجی حساب :۔

سوار و پیدل فوج سے متعلق مالی امور کی نگرانی

۱۱) محکمہ مال :۔

جملہ محصولات کی جمع و تقسیم کی ذمہ داری

۱۲) محکمہ محاسبہ :۔

حکومت سے متعلق تمام کاموں اور افسران کی نگرانی اور اس کے متعلق بادشاہ کو رپورٹ کی پیشی۔

ہر محکمہ یعنی وزارت کے لئے ایک دیوان (وزیر) تین بخشی بیس فوجدار سو معاملہ دار وغیرہ ہوتے ڈاک اور خبر رسانی کے لئے سترہ سو کے قریب تیز رفتار ہرکارے اس کے علاوہ تھے حکومت میں دیوان کا عہدہ سب سے بڑا تھا ہر پانچ سال میں ہر محکمہ کے دیوان کا دوسرے محکمہ میں تبادلہ کر دیا جاتا تاکہ کوئی مسلسل ایک ہی عہدہ پر رہنے کی وجہ سے اس سے غلط فائدہ نہ اٹھاسکے۔

انسانی ہمدردی و انصاف پسندی

نظام حکومت کو چلانے میں وہ جہاں ایک طرف سخت گیر منتظم تھے تو دوسری طرف رحمدل حکمران بھی یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ خصوصی شفقت و محبت کا معاملہ کرتے دربار میں امیر و غریب کی کوئی تفریق نہیں تھی مذہب و مسلک کی بنیاد پر کسی کے ساتھ امتیاز نہیں برتا جاتا رعایا پر محاصل کی وصولی کے سلسلہ میں کوئی جبر نہیں کیا جاتا عوام کی مدد کے لئے پولس چوکیاں ہر جگہ قائم کر دی گئی تھیں رعایا کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اپنے علاقوں کے گورنروں کے خلاف کسی وقت بھی دربار میں حاضر ہو کر شکایت کریں عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ اپنے چہیتے شہزادہ ٹیپو کو بھی ایک دفعہ کسی غلطی پر کوڑے لگوائے مرہٹوں پر فوج کشی کے بعد مال غنیمت کی رپورٹ تاخیر سے دینے پر خود ٹیپو کی جیب خاص سے چھ ہزار روپئے بطور جرمانہ وصول کئے مالدیپ پر حملہ کے بعد جب امیر البحر نے وہاں کے راجہ کو گرفتار کر کے اس کی آنکھیں نکلوا دیں تو اس کی اس حرکت پر اسکو اس کے عہدہ سے فوراً معزول کر دیا راجہ سے اس پر خود معافی مانگی اور اس کی تلافی کے لئے اس کو ایک بڑی جاگیر بھی دی غرض یہ کہ حیدر علی کو ہمیشہ اس بات کا بڑا خیال رہتا کہ انکی سلطنت میں کسی بھی شخص کے ساتھ ناانصافی اور ناروا سلوک نہ ہو اور مجرم بچ نہ سکے جب بھی کوئی مجرم جرم کر کے بھاگ جاتا تو محکمہ خفیہ کی پولس اس کو تلاش کر کے حیدر علی کے پاس حاضر کرتی جس کے بعد اس کو سزا دی جاتی۔

مذہبی رواداری

مذہبی رواداری اور دوسرے مذاہب کی تحقیر نہ کرنا عین اسلامی اصول ہے مسلم سلاطین کو اسلام نے ہدایت دی کہ وہ اپنے عہد حکومت میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو جبراً اسلام میں داخل نہ کرائیں اسی طرح ان کے معبودان باطل کو برا بھلا بھی نہ کہیں ارشاد خداوندی ہے کہ " ولا تسبّوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبو اللہ عدوا بغیر علم " کہ تم ان کے معبودان باطل کو برا بھلامت کہو کہ کہیں وہ جہالت میں اللہ کو بھی گالی نہ دیں. مجموعی طور پر اسلامی تاریخ اس اسلامی اصول وہدایت پر عمل کی شاہد ہے حیدر علی نے بھی بحیثیت ایک مسلم حکمراں کے ان اصولوں کا پاس رکھا ان کے اقتدار میں ہر ایک کو اپنے مذہب و عقیدہ پر عمل کی مکمل آزادی تھی انکے زیادہ تر وزراء وافسران بھی غیر مسلم ہی تھے پورنیا اور کرشن راؤ اعلیٰ مناصب پر فائز تھے بدنور پر قبضہ کے بعد جب وہاں سکوں کو ڈھالنے کا کارخانہ قائم کیا گیا تو ہندو اکثریت کے مذہبی جذبات کالحاظ رکھتے ہوئے اس پر نقش ہندو دیوی دیوتاؤں کی تصویروں کو بحال رکھا گیا مندروں کو بڑی بڑی جاگیریں دی گئیں حسور کے مندر کو ایک بڑی جاگیر دی گئی تروپتی کے مندر کو ۱۷۸۱ء میں کئی ہزار روپئے دیے گئے سری رنگا پٹنم کا مندر جب آگ لگنے سے جل گیا تو ۱۷۷۳ء میں حیدر علی کے حکم ہی سے اس کو سرکاری اخراجات پر دوبارہ تعمیر کیا گیا نریندر کرشن سنہا نے لکھا ہے کہ جب دار السلطنت سے انگریزوں کے مقابلہ کے لئے ایک دفعہ جب میسوری افواج نکلیں تو برہمن افسران کی خواہش پر ہندو مذہب کے مطابق مبارک دن کی آمد تک فوج کی روانگی کو روکنے کا حکم دیا گیا تھا سرکاری ملازمین کے انتخاب میں مذہبی بنیاد پر کسی کو ترجیح نہیں دی جاتی تھی ۱۷۶۹ء میں سرنگیری مٹھ کے سوامی کے نام خط لکھا کہ انہیں پونا کے سفر کے لئے ساڑھے دس ہزار روپئے پانچ گھوڑے ایک ہاتھی پانچ اونٹ اور ایک پالکی روانہ کی جارہی ہے[1] ۱۷۸۰ء میں رنگناتھ کے تباہ شدہ مندر کو دوبارہ خود اپنے خرچ پر تعمیر کروایا[2] ان کا ذاتی محاسب (پرائیوٹ سکریٹری) بھی شروع میں ایک برہمن کھنڈے راؤ ہی تھا اسی کی سفارش پر اس کو میسور کے راجہ کا اس کے وزیر تدراج کے بعد وزیر اعظم مقرر کیا گیا تھا اگر وہ چاہتے تو کسی مسلمان افسر کا نام اس کے لئے تجویز کرسکتے تھے جو راجہ کو بخوشی منظور بھی ہوتا لیکن یہی نمک خوار کھنڈے راؤ آگے چل کر خود اپنے محسن حیدر علی کے خلاف پیش پیش رہا اس کو دی گئی سزا بھی اس کے سیاسی پس منظر کی وجہ سے تھی نہ کہ کسی مذہبی بنیاد پر۔

اسلامی جذبہ

ان کا مشہور مقولہ تھا کہ مسلمانوں کی شکست و کمزوری ان کی آپسی نا اتفاقی کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے آخری دم تک خود بھی اس بات کی کوشش کی کہ مسلم حکمرانوں کے خلاف ان کی فوج صف آرا نہ ہو بلکہ انگریزوں کے خلاف ان مسلم ریاستوں کا آپس ہی میں اتحاد ہو جائے نواب ارکاٹ محمد علی اور نظام حیدر آباد

[1] سلطان ٹیپو اور سرنگیری مٹھ از محمد غوث مجاور [2] سلطنت خداداد از محمود بنگلوری

سے ہمیشہ صلح کی کوشش کرتے رہے لیکن افسوس کہ ذاتی مفادات نے ہمیشہ ان دونوں کو حیدر علی کے خلاف جوان کے ہم مذہب بھی تھے اسلام دشمن انگریزوں کا حلیف بنائے رکھا اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت و عقیدت تھی کہ کہتے تھے کہ بی بی تو صرف حضرت فاطمہ ہے کوئی دوسری خاتون بی بی نہیں ہو سکتی ان کے علاوہ باقی سب لونڈیاں ہیں اسی لئے ہمیشہ دوسروں کو لونڈی بچہ کہہ کر مخاطب کرتے تھے لوگ ان کے اس پس منظر کو جاننے کی وجہ سے اس کو برا بھی نہیں مانتے تھے علماء کی بڑی قدر دانی کرتے تھے حجاز، ایران، ترکستان سے کئی مسلم علمی خاندانوں کو بلا کر سلطنت خداداد میں بسایا شیراز (ایران) سے ایک ہزار مسلم فوجیوں کو بلا کر اپنی فوج میں بھرتی کر دیا تھا ناخواندگی کے باوجود اسلامی نہج پر سوچنے کا یہ عالم تھا کہ ٹیپو سے بچپن میں خود اس کے قلم سے یہ اقرار نامہ لکھوایا کہ خدا کی نافرمانی پر جو مناسب سزا سمجھیں دی جائے جھوٹ چوری اور دغابازی پر پھانسی کی سزا دی جائے یہ الگ بات ہے کہ دین داری تقوی اور بزرگی میں ان میں اپنے صاحبزادہ ٹیپو کے مقابلہ میں بہت فرق تھا۔

سیاسی تدبر و فوجی حکمت عملی

مغربی مؤرخین نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ سیاسی تدبر و فوجی حکمت عملی میں اس وقت پورے ملک میں ان کا کوئی مقابل نہیں تھا وہ انگریزوں کے سخت دشمن تھے لیکن نواب محمد علی اور نظام حیدر آباد سے ان کی دشمنی انگریزوں کے ساتھ ان کے تعاون کی وجہ سے وقتی تھی خود ان کی خواہش تھی کہ ہندوستان کی تمام چھوٹی بڑی سلطنتیں متحد ہو کر ملک کی سرزمین سے انگریزوں کو نکال باہر کر دیں لیکن ہزار کوششوں کے باوجود ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی وہ ہمیشہ اپنے دوستوں سے کہتے تھے کہ اگر خدا نے توفیق دی تو میں اپنے وطن کو مشرک فرنگیوں سے پاک کر کے ہی رہونگا ان کو انگریزوں کی فوجی طاقت اور جنگی صلاحیت کا بخوبی احساس تھا وہ چاہتے تھے کہ مغربی فوج کا توڑ مغربی فوج ہی سے کیا جائے اسی لئے فرانسیسیوں سے فوجی مدد لی اس وقت عالمی سطح پر فرانس اور برطانیہ ایک دوسرے کے سیاسی حریف تھے ان دونوں کے درمیان جنگ تک کی نوبت پہنچ گئی تھی انگریزوں کی طرح فرانسیسیوں کے بھی ہندوستان میں کچھ مقبوضات تھے پانڈیچری پر ان کا قبضہ تھا ساحل سمندر سے دور کوکن سے ڈھائی ہزار میل کے فاصلہ پر ماریشس میں ان کا فوجی اڈہ بھی تھا لیکن انگریزوں کی ملک میں بڑھتی سیاسی و فوجی طاقت نے ایشیاء میں ان کی ایک بڑی طاقت بننے کے خواب کو چکنا چور کر دیا تھا مجموعی طور پر ملک کے ساحلوں پر انگریزوں ہی کا قبضہ تھا مرہٹے نظام حیدر آباد اور نواب محمد علی کی بے وفائی کے بعد انگریزوں کے خلاف تعاون کے لئے اب صرف ملک میں فرانسیسی ہی رہ گئے تھے اگرچہ وہ بھی تاریخی طور پر مذہباً مسیحی ہونے کی وجہ سے انگریزوں کی طرح اسلام دشمن ہی تھے لیکن انگریزوں کے سیاسی دشمن ہونے کی وجہ سے وقتی مفادات کے لئے وہ حیدر علی کے قریب ہونا چاہتے تھے ادھر حیدر علی کو بھی انگریزوں کے خلاف ایک سیاسی حلیف کی ضرورت تھی میسور کی دوسری جنگ میں فرانسیسیوں نے حسب وعدہ حیدر علی کی فوجی مدد بھی کی تھی حیدر علی فوجی

حکمت عملی و تنظیم میں بھی اس وقت کے حکمرانوں میں سب سے آگے تھے ان کی فوجی ترقی کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا تھا کہ ۱۷۶۱ء میں عنان حکومت سنبھالنے کے بعد سے ۱۷۶۷ء تک انکی فوج صرف ۲۰ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی لیکن ۱۷۸۲ء میں جب ان کی وفات ہوئی تو ۸۸ ہزار سے زائد سپاہی میسور کے سرکاری خزانہ سے تنخواہ پارہے تھے ڈیڑھ ہزار یورپین سپاہی اس کے علاوہ تھے فرانسیسی فوجی افسران نے حیدر علی کی افواج کی بہترین تنظیم و تربیت کی تھی اسی لئے مرہٹہ و نظام کی افواج کے مقابلہ میں میسوری افواج فوجی قواعد و ضوابط سے کہیں زیادہ واقف تھیں ان کے پاس قلعوں اور سرحدی چوکیوں کی حفاظت کے لئے ایک الگ اور مستقل فوج تھی گوریلا دستے اور رسل و رسائل سے متعلق بھی الگ الگ دستے قائم تھے رسد کی کثیر فراہمی جغرافیائی معلومات اور کامیاب فوجی حکمت عملی کی وجہ سے حیدر علی عام طور پر اپنے مقابل دشمن کو صرف دفاعی جنگ تک محدود رکھتے تھے صرف توپ خانوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے باربرداری کے ان کی فوج میں آٹھ ہزار سے زائد بیل تھے فوج میں جاسوسی نظام اس قدر طاقتور تھا کہ خود ایک انگریز کرنل نے اعتراف کیا ہماری فوجی بٹالین جب بھی خفیہ طور پر میسوری افواج پر حملہ کے لئے نکلتی ہے تو حیدر علی کو اس کا ضرور پتہ چل جاتا ہے اس کے برخلاف حیدر علی کی نقل و حرکت کا انہیں ذرہ بھی علم نہیں رہتا۔

چیلہ بٹالین کے نام سے جنگ میں گرفتار شدہ بچوں کی ایک بٹالین قائم کی گئی تھی۔ جس میں اتفاق سے زیادہ تر ملیبار کے نائر اور مرہٹہ افواج کے ہندو بچے تھے بعد میں آگے چل کر اس بٹالین کے سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام بھی قبول کرلیا تھا۔

سلطنت کے کاشتکاروں کو فصل کی کٹائی کے بعد کئی ماہ تک لوٹ مار اور بے کاری سے بچانے کے لئے کنداچار ہرکارے کے نام سے ایک بٹالین بنائی گئی تھی اس میں شامل سپاہی سال کے خالی اوقات میں فوج میں ملازمت کرتے تھے اس طرح کے سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی یہ بے قاعدہ سپاہی بوقت ضرورت جنگوں میں باقاعدہ فوج کی مدد کرتے تھے اس کے علاوہ یہ لوگ جنگوں میں راستہ صاف کرنے خندقیں کھودنے اور فوجیوں کے سامان کی نقل و حرکت کا کام بھی کرتے تھے۔

دور حیدری میں معاشی و اقتصادی ترقی

حیدر علی کی حکومت میں سرکاری آمدنی کا بڑا ذریعہ جنگوں میں ہاتھ لگنے والا مال غنیمت اور کاشتکاروں، زمینداروں اور تاجروں سے وصول کیا جانے والا محصول تھا چونکہ ملیبار کے ساحل سے غیر ملکوں کے ساتھ برآمدی تجارت روز بروز ترقی پر تھی اس لئے برآمدی اشیاء پر خصوصی محصول لاگو کیا گیا تھا انگریزوں کو حدود سلطنت میسور میں تجارت کے لئے ڈیڑھ فیصد کسٹم ڈیوٹی ادا کرنی پڑتی تھی بنجر زمین طویل مدت تک کاشتکاروں کو پٹہ پر دی جاتی تھی اسی بہانہ غلہ میں بھی اضافہ ہوتا اور محصول کی شکل میں حکومت کی آمدنی میں بھی، غلہ کی پیداوار مسلسل مانسون کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ ہوتی تھی اسطرح حکومت قحط سالی سے ہمیشہ محفوظ رہتی جس کی وجہ سے محاصل کی وصولی میں بھی آسانی ہوجاتی تھی ایک انگریز مورخ نے

یہاں تک لکھا ہے کہ میسوری حکومت کے باشندے اچھی غذا کی وجہ سے انگلستان کے زمینداروں سے زیادہ صحت مند تھے[1] قانون شکنی پر حکومت کی طرف سے جرمانہ بھی وصول کیا جاتا تھا خام سونا ہاتھی کے دانت بانس و ساگوان کے درختوں سے ہونے والی آمدنی کی وجہ سے سرکاری خزانہ ہمیشہ بھرا رہتا اسکے علاوہ آس پاس کے مختلف راجہ و نواب بھی سالانہ خراج ادا کرتے تھے جس سے حکومت کو اچھی خاصی آمدنی ہوجاتی ملیبار سے یورپی ممالک کو سیاہ و سرخ مرچ صندل الائچی اور چاول برآمد کئے جاتے تھے سرسی میں پورے ملک کا سب سے بڑا سپاری کا بازار تھا غرض یہ کہ تاریخ حیدر علی کے مصنف کے مطابق مستقل سالانہ آمدنی ہی ساڑھے سات کروڑ روپئے سے بھی زائد تھی[2] مجموعی طور پر پوری سلطنت میں خوشحالی تھی

[1] تاریخ حیدر علی از نریندر کرشن سنہا [2] ایضاً

آٹھواں باب

سلطان ٹیپو کی ولادت سے جانشینی تک

ولادت

پچھلے صفحات میں خاندانی پس منظر کے عنوان کے تحت یہ بات گذر چکی ہے کہ صحیح اور معتبر روایات کے مطابق ٹیپو کا خاندان عربی اور قریشی النسل تھا جس کو حوادث زمانہ نے مکہ مکرمہ سے بغداد افغانستان پنجاب دہلی اور اجمیر کے بعد گلبرگہ پہنچادیا تھا ٹیپو کے والد حیدر علی کی دو بیویاں تھیں ان کی پہلی شادی ۱۹سال کی عمر میں صوبہ سرا کے ایک پیرزادہ سید شہباز شاہ میاں کی دختر سے ہوئی تھی جو زچگی کے وقت بعض بداحتیاطی کی وجہ سے مفلوج ہوکر مدت العمر معذور رہی دوسری شادی اسس کے کچھ سال بعد ہی پہلی بیوی کے اصرار پر کڑپہ کے گورنر معین الدین خاں کی لڑکی فاطمہ بیگم المعروف بہ فخرالنساء سے ہوئی اسی خاتون کے بطن سے حیدر علی کو ایک نیک بخت فرزند بروز سنیچر علی الصبح ۲۰/ ذی الحجہ ۱۱۶۳ھ مطابق ۱۰نومبر ۱۷۵۰ء کو کولار کے شمال مغرب میں بینگلور سے ۳۳ کلومیٹر دور شمال میں دیون ہلی نامی قصبہ میں پیدا ہوا ٹیپو نے اس شہر کا نام بعد میں یوسف آباد رکھا تھا اور یہاں ایک فوجی قلعہ بھی تعمیر کیا تھا حیدر علی نے ٹیپو کے لئے اس نام کو کیوں منتخب کیا تاریخ میں اس سلسلہ میں تین طرح کی روایات ملتی ہیں ایک یہ کہ حیدر علی کو دوسری شادی کے بعد بڑی مدت تک اولاد کے آثار نظر نہیں آئے اس سلسلہ میں دعا مانگنے کے لئے وہ اپنی بیوی کے ساتھ ارکاٹ کے مشہور بزرگ مستان ٹیپو کی درگاہ پر حاضر ہوئے اور اولاد کے لئے دعا کی دوسری روایت یہ ہے کہ پہلی بیوی کو زچگی کے وقت بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تھا اس لئے دوسری بیوی کے لئے ولادت کے موقع پر آسانی وسہولت کے لئے اللہ تعالی سے دعا مانگنے کی غرض سے انہوں نے ارکاٹ کے ولی ٹیپو مستان شاہ کے مزار پر حاضری دی دعا قبول ہوگئی اور بڑی آسانی کے ساتھ یہ مرحلہ طے ہوا تیسری روایت یہ ہے کہ حیدر علی کو نرینہ اولاد کی خواہش وتمنا تھی اس کے لئے انہوں نے مستان شاہ ٹیپو کی درگاہ میں حاضر ہوکر اللہ سے بیٹے کی ولادت کے لئے دعا کی غرض یہ کہ ان تینوں روایات میں کوئی تضاد یا تعارض نہیں ہے ممکن ہے کہ انہوں نے تینوں دعائیں ایک ساتھ اس درگاہ میں حاضر ہوکر کی ہو اور اللہ تعالی نے اس بزرگ کے توسط سے کی جانے والی دعا کو قبول کیا ہو اسی وجہ سے حیدر علی نے اپنے ہونے والے بچہ کا نام اسی بزرگ کے نام پر ٹیپو اور اپنے والد فتح محمد کے نام پر فتح علی رکھا[1] لیکن مقدم الذکر نام ہی سے ٹیپو نے بعد میں شہرت پائی اب جہاں تک سوال ہے ٹیپو کے ساتھ لفظ سلطان کے اضافہ کا تو بعض مورخین کی تحقیق یہ ہے کہ حیدر علی نے اس کا نام صرف ٹیپو ہی رکھا تھا لفظ سلطان کا اضافہ اس کے حاکم میسور بننے کے بعد ہوا لیکن نشان حیدری میں میر حسین علی کرمانی کی تحقیق بتاتی ہے کہ شروع ہی سے لفظ سلطان ٹیپو کے نام کا جزء تھا۔

فرزند کی ولادت پر حیدر علی نے چالیس دن تک خوشی کا جشن منایا تمام شہر والوں کی دعوت کی گئی فقراء و مساکین میں روپئے تقسیم کئے گئے حکومت کے عہدیداروں اور فوج کے ملازمین کو انہوں نے اپنی طرف سے خصوصی انعامات دئے[2] حالانکہ وہ اس وقت تک میسور کے حکمران نہیں بنے تھے صرف میسور کی فوج میں ایک اعلی عہدہ پر فائز تھے۔

---

۱ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۲ سوانح ٹیپو سلطان

سلسلہ نسب

بڑی تحقیق و جستجو کے بعد بھی ہمیں ٹیپو سلطان کا مکمل سلسلہ نسب دستیاب نہیں ہو سکا جتنا ہمیں مل سکا ہے وہ اس طرح ہے

ٹیپو سلطان ابن حیدر علی ابن فتح محمد ابن محمد علی ابن ولی محمد ابن محمد بہلول ابن حسن ابن ابراہیم ابن عبدالغنی اب احمد ابن محمد ابن حسن بن یحییٰ المتوفی ۸۷۳ھ مطابق ۱۴۶۹ء

ٹیپو کی ولادت نیک شگون

ٹیپو کی پیدائش سے پہلے حیدر علی میسور کے راجہ کرشنا راج کی فوج میں ایک معمولی ملازم تھے اور نائک کے منصب پر جو میسور کی فوج میں ایک عہدہ کا نام تھا فائز تھے لیکن ٹیپو کی ولادت کے ساتھ ہی ان کا کاشانہ اقبال چمک اٹھا اور دو سال کے اندر ڈنڈیگل کے گورنر مقرر ہوئے اس کے بعد سپہ سالار فوج بنائے گئے اور دس سال کے اندر پوری ریاست میسور کے والی بھی بن گئے

تعلیم و تربیت

جب ٹیپو کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو حیدر علی نے خود ناخواندہ ہونے کے باوجود اس زمانہ کے رواج کے مطابق اپنے فرزند کی دینی تعلیم کا سب سے پہلے بندوبست کیا قرآن شریف اور عربی و فارسی زبان دانی کے لئے معلم مقرر کئے گئے جن میں اس زمانہ کے مشہور عالم و شاعر علی حسین اور نصیر الدین وغیرہ تھے اس کے بعد حدیث فقہ وغیرہ کی بھی تعلیم دی گئی امجد علی اشہری کی تحقیق یہ ہے کہ کنڑ و دیگر مقامی زبانوں کے علاوہ انگریزی و فرانسیسی تعلیم کا بھی نظم کیا گیا[1] حیدر علی جب سری رنگا پٹنم میں مقیم ہوتے تو اپنی ناخواندگی کے باوجود خود اسکی تعلیم کی نگرانی کرتے ٹیپو سے براہ راست بھی اس سلسلہ میں دریافت کرتے غرض یہ کہ ہر علم و فن کی تعلیم و تربیت کے لئے حیدر علی نے ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کی ٹیپو فطری طور پر چونکہ بہت ذہین تھا اس لئے وہ جلد ہی ان تمام علوم و فنون میں ماہر ہو گیا اس زمانہ کے حالات و ضروریات کے پیش نظر جنگی فنون شہسواری تیر اندازی سپہ گری وغیرہ کی بھی تربیت دی گئی اس کے لئے باقاعدہ انگریزوں و فرانسیسی ماہرین کو مقرر کیا گیا خود میسور کی فوج کے ایک لائق و قابل افسر غازی خاں نے بھی حیدر علی کے حکم سے اس پر خصوصی توجہ دی ٹیپو کو سب سے زیادہ گھوڑ سواری پسند تھی پالکی میں سوار ہونے کو وہ معیوب اور مردوں کی شان کے خلاف سمجھتا تھا تعلیم و تربیت کا یہ سلسلہ مختلف ماہرین علم و فن کی نگرانی میں ٹیپو کی جنگوں میں شرکت کے باوجود ۱۹ سال کی عمر تک چلتا رہا۔

[1] سوانح ٹیپو سلطان از امجد علی اشہری

بچپن کے حالات

ٹیپو کے بچپن کے حالات تاریخ کی کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں محمود بنگلوری نے ایک واقعہ اس کے بچپن کا لکھا ہے کہ جب ٹیپو کی عمر ۶/۷ سال کی تھی اور وہ اپنے ہم عمروں کے ساتھ سری رنگا پٹنم میں کھیل رہا تھا تو وہاں سے ایک فقیر کا گذر ہوا جس نے ٹیپو کے چہرہ کو دیکھ کر پیشن گوئی کی کہ یہ بڑا ہو کر اس ریاست کا حکمراں ہو گا حالانکہ اس وقت تک حیدر علی میسور کی فوج میں صرف ملازم تھے اس فقیر نے ٹیپو سے کہا کہ جب تجھے بادشاہت ملے تو اس جگہ ایک شاندار مسجد تعمیر کرنا ۱۷۸۲ء میں جب حیدر علی کی وفات کے بعد ٹیپو اپنے والد کا جانشین ہوا تو ۱۷۸۲ء میں اس نے اس جگہ حسب ہدایت فقیر ایک خوبصورت مسجد تعمیر کی جس کا نام مسجد اعلیٰ رکھا گیا۔

بچپن ہی سے حیدر علی نے ٹیپو کو تمام جنگی مہموں میں اپنے ساتھ رکھا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۶/۱۷ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے ٹیپو ایک قابل سپاہی اور لائق افسر بن گیا تھا ۱۷۶۵ء میں ملیبار کی مہم میں بھی یہ اپنے والد کے ساتھ شریک تھا جب کہ اس کی عمر اس وقت صرف ۱۵ سال تھی ایک موقع پر اس مہم میں تین ہزار سپاہیوں کا ایک فوجی دستہ دے کر اس کو پالیگاروں سے نپٹنے کے لئے بھی روانہ کیا گیا جس میں وہ کامیاب بھی رہا اس کی اسی جرات و بہادری سے متاثر ہو کر حیدر علی نے اس کو اپنی ذاتی سلامتی کے لئے متعین پانچ سو فوجیوں کا افسر بھی مقرر کر دیا تھا ۱۷۶۱ء میں کھنڈے راؤ نے مرہٹوں کے تعاون سے جب سری رنگا پٹنم کے دریا دولت باغ میں

موجود حیدر علی کو گرفتار کرنے کے لئے اس کا محاصرہ کیا تو حیدر علی کسی طرح راتوں رات بینگلور بھاگنے میں کامیاب ہو گیا لیکن حیدر علی کے پورے گھر والے سری رنگا پٹنم ہی میں رہ گئے تھے کھنڈے راؤ نے ان کو قلعہ کے اندر مسجد کے قریب ایک مکان میں رکھا تھا اس میں ٹیپو بھی شامل تھا بعد میں سری رنگا پٹنم پر قبضہ کے بعد حیدر علی نے بشمول ٹیپو تمام گھر والوں کو بینگلور منتقل کر دیا تھا اس کے علاوہ سترہ سال کی عمر میں ۱۷۶۷ء میں بینگلور میں انگریزوں کا محاصرہ کرنے والی سات ہزار میسوری فوج کی قیادت بھی ٹیپو ہی کر رہا تھا ۱۷۶۷ء میں حیدر علی نے انگریزوں کے ساتھ میسور کی باقاعدہ پہلی جنگ میں نظام حیدر آباد کو انگریزوں سے الگ رکھنے کے لئے اس کے پاس ایک سفارتی وفد بھیجا تھا جس میں سلطنت کے نامور افراد میر علی رضا اور محفوظ خاں وغیرہ شامل تھے اس وفد میں حیدر علی کی ذاتی نمائندگی ٹیپو خود کر رہا تھا ٹیپو نے اپنے والد کی طرف سے نظام کی خدمت میں دس گھوڑے پانچ ہاتھی اور ہیرے جواہرات کے علاوہ نقد رقم بھی پیش کر کے اس کے ساتھ اس حکمت عملی سے گفتگو کی کہ نظام اس جنگ میں انگریزوں کا ساتھ نہ دینے پر راضی ہو گیا اسی حاضری کے موقع پر اس کو نظام ہی نے نصیب الدولہ یعنی حکومت کی قسمت کہہ کر مخاطب کر کے فتح علی خاں بہادر کا خطاب دیا تھا۔

ٹیپو کی تربیت کے سلسلہ میں حیدر علی کا خصوصی اہتمام

حیدر علی کے ناخواندہ ہونے کے باوجود ٹیپو اس قدر تعلیم یافتہ بن گیا کہ وہ

بیک وقت علوم دینیہ و دنیویہ کا ماہر بھی تھا اور میدان جنگ کا ایک کامیاب سپہ سالار بھی دراصل بات یہ تھی کہ حیدر علی کو میسور کا اقتدار سنبھالنے کے بعد اس بات کا شدت سے احساس ہو گیا تھا کہ عنان سلطنت سنبھالنے کے لئے صرف ذہانت بہادری یا حسن انتظام کافی نہیں ہے ان سب صلاحیتوں و خوبیوں کے باوجود حکمراں اگر زیور تعلیم سے آراستہ نہ ہو تو اس کے وزراء وافسران اس کو اس کی ناخواندگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کسی وقت بھی دھوکہ دے سکتے ہیں اس لئے اس نے جب اپنے فرزند کو اپنے بعد جانشینی کے لئے تیار کرنے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے اس کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا اور وہ بھی اس طرح کہ ہر علم وفن کو ماہرین وقت سے ٹیپو میں منتقل کیا لیکن اسکے ساتھ ساتھ اسکی دینی واخلاقی تربیت سے بھی غفلت نہیں برتی اس پر بھی خصوصی اہتمام کے ساتھ توجہ دی اس کا ہلکا سا اندازہ اس اقرار نامہ سے لگایا جا سکتا ہے جو اس نے ٹیپو سے رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد اس وقت خود اس کے ہاتھ سے فارسی میں لکھوایا اس اقرار نامہ میں ٹیپو کی تحریر کا عکس بھی دیکھا جا سکتا ہے اور حیدر علی کی غیر معمولی ڈسپلن کے علاوہ اخلاقی و دینی بنیادوں پر سوچنے کا انداز اور اس کا ہلکا سا نمونہ بھی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

ٹیپو کے خود اپنے ہاتھ سے اپنے والد کی ہدایت پر فارسی میں لکھے گئے اقرار نامہ کی نقل، جس میں اس کی تحریر کا عکس بھی موجود ہے



ترجمہ اقرار نامہ

۱) خداوند نعمت کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کرونگا ورنہ جو سزا مناسب سمجھی جائے دی جائے

۲) اگر سرکاری خزانہ میں چوری یا غبن کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے

۳) جھوٹ اور دھوکہ دہی پر پھانسی کی سزادی جائے

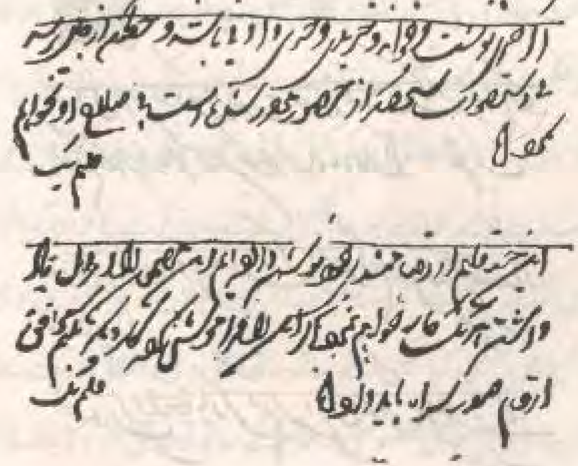
۴) والد کی اجازت کے بغیر کسی سے کوئی ہدیہ یا تحفہ قبول نہیں کرونگا ورنہ ناک کاٹ کر جلاوطن کردیا جائے

۵) امور سلطنت کے علاوہ اور کسی معاملہ میں کسی سے الجھوں یا کسی کو دھوکہ دوں تو پھانسی کا مستحق ہوں۔

۶) اگر حکومت کی طرف سے میرے ذمہ کوئی کام کیا جائے یا میری کمان میں فوج دی جائے تو ان متعلقہ لوگوں کے مشورہ ہی سے اپنے فرائض کو پورہ کرونگا جنہیں سرکار کی طرف سے اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے بصورت دیگر پھانسی کا مستحق ہوں

۷) کسی سے خط و کتابت یا لین دین آپ کی طرف سے مقرر کردہ مشیروں کی رائے ہی سے کرونگا

۸) یہ چند جملے اپنی مرضی سے لکھ کر اس کو ذہن نشین کر رہا ہوں ساتھ اسکا بھی اقرار کرتا ہوں کہ تمام کام اسی کے مطابق انجام دونگا ورنہ جو مناسب سزا سمجھی جائے دی جائے۔



انگریزوں کے خلاف پہلی جنگ میں نمایاں کارنامے

جیسا کہ پچھلے صفحات میں حیدر علی کے حالات میں گذر چکا ہے کہ کس طرح ۱۷۶۷ء میں انگریزوں نے نواب محمد علی نظام حیدر آباد اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا کر سلطنت خداداد کے خلاف پہلی باقاعدہ جنگ چھیڑ دی تھی اور حیدر علی نے اس کا مقابلہ کیا تھا فوجی حکمت عملی کے پیش نظر حیدر علی نے اس جنگ میں اپنی پوری فوج کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے مختلف علاقوں میں پھیلا دیا تھا اس میں ایک فوجی دستہ جو سات ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا خود ٹیپو کی کمان میں دے کر جب کہ اس وقت اس کی عمر صرف ۱۷ سال تھی بینگلور میں انگریزوں کے فوری محاصرہ کے لئے بھیج دیا تھا حسب حکم و منشاء والد ٹیپو نہ صرف بینگلور کے مضبوط فوجی قلعہ پر قبضہ میں کامیاب ہو گیا بلکہ انگریزوں کو سمندری راستہ سے بمبئی واپس بھاگنے پر بھی مجبور کر دیا غرض یہ کہ انگریزوں کے خلاف میسور کی پہلی جنگ میں حیدر علی کی فتح میں کم عمری کے باوجود ٹیپو کا بھی ایک بڑا حصہ اور ہاتھ تھا جس کو کوئی مؤرخ نظر انداز نہیں کر سکتا۔

مرہٹہ جنگ میں شرکت

صلح نامہ مدراس کے فوراً بعد ۱۷۶۹ء میں ایک لاکھ مرہٹہ فوج نے ترنبک راؤ کی قیادت میں نواب شاہ نور کو اپنے ساتھ لے کر جب دوبارہ میسور پر حملہ کر دیا تو اس

جنگ میں بھی ٹیپو اپنے والد کے شانہ بہ شانہ شریک تھا حیدر علی نے اس کے ذمہ یہ کام دیا تھا کہ وہ دشمن کے راستہ میں چارہ کو برباد کر دے رسد کی ہر چیز کو تباہ کر دے اور پانی میں زہر ملا دے تاکہ دشمن کی افواج ان سب چیزوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور مجبور ہو کر واپس چلی جائے مرہٹوں کے ساتھ اس جنگ میں ابتداء میں حیدر علی کو پسپائی کا سامنا کرنا پڑا اور اتفاق سے ایک دن دشمن پر حملہ کرتے ہوئے ٹیپو بہت دور نکل گیا اور اس کا پتہ نہیں لگ سکا حیدر علی کو خدشہ ہوا کہ ٹیپو کہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگ گیا ہو اپنی اولاد میں اس فرزند سے اس کو غیر معمولی محبت تھی اس کی جدائی کے غم میں وہ بے چین و بے قرار ہو گیا ایک بزرگ کے مزار پر حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے اس کی واپسی کے لئے دعائیں بھی کی ایک روز فقیر کے لباس میں بھیس بدل کر ٹیپو جب حیدر علی کے پاس سری رنگا پٹنم پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تو حیدر علی کی خوشی کی انتہا نہ رہی اسی وقت اس نے سرکاری خزانے صدقات و خیرات کے لئے کھول دئے اور خوشی میں عام لوگوں کو بھی انعام و اکرام سے نوازا ایک ماہ کے مسلسل محاصرہ کے باوجود اس جنگ میں مرہٹہ فوج سری رنگا پٹنم کو فتح نہ کر سکی اور ۱۵ لاکھ روپے نقد لیکر واپس پونا چلی گئی اس پوری جنگ میں بھی ٹیپو شروع سے آخر تک اپنے والد کے ساتھ برابر شریک رہا۔

شادی

حیدر علی کی خواہش تھی کہ وہ اپنے فرزند ٹیپو کی شادی سے جلد ہی فارغ ہو جائے لیکن خود اس کے اور ٹیپو کے بھی مسلسل جنگوں میں مصروف ہونے کی وجہ

سے اس کا موقع نہیں مل سکا تھا (۴۰) یہیں سلطنت خداداد کی اپنے دشمن کے ساتھ باقاعدہ کوئی جنگ چھڑی ہوئی نہیں تھی اور ٹیپو بھی اپنی عمر کے چوبیسویں سال میں داخل ہو چکا تھا امن کی حالت سے فائدہ اٹھا کر حیدر علی نے مناسب سمجھا کہ ٹیپو کی شادی ہو جائے لیکن سوال یہ تھا کہ شہزادہ کے لئے لڑکی کا انتخاب کیسے ہو ٹیپو خوبصورت بھی تھا اور خوب سیرت بھی تعلیم یافتہ بھی تھا اور دیندار و بااخلاق بھی اور سب سے بڑھ کر اپنے والد کا جانشین اور سلطنت میسور کا امیدوار بھی اس لئے سلطنت میں ہر کوئی اس کو اپنا داماد بنانے کا خواہش مند و متمنی تھا لیکن ٹیپو نے اپنی سعادتمندی سے اپنے والدین کو اس کا مکمل اختیار دے دیا تھا کہ وہ اس کے لئے جس لڑکی کا چاہیں انتخاب کریں سلطنت خداداد میں اس وقت ایک قبیلہ اہل نوائط کے نام سے آباد تھا جو عربوں سے نسبی تعلق رکھتا تھا اس میں حضرموت (یمن) سے تجارت کی غرض سے ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل پر اترنے والے عرب تاجر بھی تھے اور عراق میں حجاج بن یوسف کے ظلم و ستم سے ہندوستان ہجرت کرنے والے عرب مہاجرین بھی ان عرب تاجروں و مہاجروں کی نسل سے تعلق رکھنے والے ان مسلمانوں کی جو یہاں کے مستقل باشندوں کی شکل اختیار کئے گئے تھے اور اہل نوائط کہلاتے تھے اس وقت کے مسلم حکمرانوں کے دربار میں بڑی عزت تھی دینی و دنیوی اعتبار سے تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے قاضی خطیب اور محتسب وغیرہ کے اکثر بڑے مذہبی عہدوں پر یہ لوگ فائز تھے چونکہ ان میں قریشی النسل بھی تھے اس لئے عام مسلمان ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے خود غیر مسلم بھی ان کا بڑا احترام کرتے تھے ٹیپو کے دادا فتح محمد کی ایک بیوی یعنی

حیدر علی کی والدہ بھی اہل نوائط ہی سے تعلق رکھتی تھی اس لئے ان سب وجوہات کی بناء پر فطری طور پر حیدر علی کی خواہش تھی کہ ٹیپو کا بھی ملک کے اسی معزز قبیلہ کی کسی لڑکی سے بیاہ کر دیا جائے اس کے لئے اس نے امام صاحب بخشی نوائطی کی لڑکی سلطانہ بیگم کا ٹیپو کے لئے انتخاب کیا لیکن ٹیپو کی والدہ فاطمہ بیگم کا خیال تھا کہ ریاست کے ایک اہم فوجی افسر شیخ برہان الدین کی بہن یعنی لالہ میاں شہید چرکولی کی بیٹی رقیہ بیگم سے ٹیپو کا نکاح کر دیا جائے لڑکی کے انتخاب کو لیکر کئی دن تک یہ مسئلہ معلق ہی رہا بعض مورخین اس جگہ یہ لکھتے ہیں فاطمہ بیگم کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ اہل نوائط خود ٹیپو کے اپنے قبیلہ کی کسی لڑکی سے رشتہ سے خوش نہیں تھے اور حیدر علی صرف اپنی طاقت کے زور پر اس رشتہ کو کرنے پر مصر تھا اس لئے کہ اہل نوائط غیر کفو یعنی اپنے سے کم معیار کے لوگوں سے رشتہ کرنے کو معیوب سمجھتے تھے، یہ بات ایک حد تک اگرچہ صحیح ہے کہ اہل نوائط عام طور پر اپنے مخصوص معاشرتی مزاج تہذیبی و ثقافتی فرق اور بعض اسباب و وجوہات کی وجہ سے اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ آپس ہی میں شادی بیاہ کے رشتے قائم ہوں اور یہ شریعت اسلامی کی روح کے منافی بھی نہیں لیکن اس میں کہاں تک صداقت ہے کہ ٹیپو اہل نوائط کے لئے غیر کفو تھے اول تو خود ٹیپو کی دادی بھی اہل نوائط ہی سے تھی دوم یہ کہ صحیح روایات کے مطابق ٹیپو کا خاندان بھی عربی اور قریشی النسل تھا اس طرح ایک عربی کے لئے دوسرا عربی غیر کفو کیسے ہو سکتا ہے حیدر علی نے اپنے مرحوم بھائی شہباز کی لڑکی کا نکاح بھی تربیت علی خاں نائطہ کے لڑکے ہی سے کر دیا تھا غرض یہ کہ ایک نائطی لڑکی کے ساتھ ٹیپو کے رشتہ سے اہل نوائط کے ناراض ہونے

کے الزامات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بالآخر ٹیپو اپنے والدین میں سے ہر ایک کی ناراضگی و دل شکنی سے بچنے کے لئے ان کی منتخب دونوں لڑکیوں سے بیک وقت شادی پر راضی ہو گیا اور ۱۷۷۴ء کو صرف ایک ہی رات میں ایک گھنٹہ کے وقفہ کے ساتھ دونوں سے ٹیپو کا نکاح عمل میں آیا پہلے بخشی نائطہ کی لڑکی سلطانہ بیگم سے نکاح ہوا اسکے بعد لالہ میاں کی صاحبزادی رقیہ بیگم سے، پورے میسور میں شادی کا خوب جشن منایا گیا ایک مہینہ تک شہر والوں کی دعوت ہوئی حیدر علی نے ہاتھی پر سوار کر کے شاہانہ جلوس کے ساتھ ٹیپو کو نکاح کے لئے بھیجا رقیہ بیگم کا ۱۷۹۲ء میں اور محب الحسن صاحب کی تحقیق کے مطابق ۱۷۹۰ء میں ٹیپو کی حیات ہی میں انتقال ہو گیا[1] البتہ سلطانہ بیگم ٹیپو کی وفات کے بعد بھی زندہ رہی تاریخ ٹیپو سلطان کے مصنف کے مطابق رقیہ بیگم کے انتقال کے بعد سید معین الدین صاحب کی لڑکی خدیجہ زمان بیگم سے بھی ٹیپو نے شادی کی تھی[2] اور اس کا بھی ۱۷۹۷ء ہی میں ایک بچہ کی ولادت کے بعد انتقال ہو گیا تھا بعض مؤرخین اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ٹیپو نے کشمیر کے ایک امیر میر محمد پسند بیگ مقیم دہلی کی بیٹی بوراننی بیگم سے بھی بیاہ کیا تھا لیکن اغلب ہے کہ ٹیپو کی شہادت کے وقت اس کی صرف ایک بیوی سلطانہ بیگم ہی زندہ تھی ان بیویوں سے ہونے والی اولاد کی تفصیلات اگلے صفحات میں آرہی ہیں۔

---

[1] تاریخ ٹیپو سلطان از محب الحسن [2] نشان حیدری از میر حسین علی کرمانی

حیدر علی کی آخری جنگ میں ٹیپو کا کردار

۱۷۸۰ء میں انگریزوں کے ساتھ میسور کی دوسری جنگ کے اسباب و محرکات پر پچھلے صفحات میں روشنی ڈالی جا چکی ہے چونکہ اس دوسری جنگ کا سلسلہ ۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک پھیلا ہوا ہے اور ۱۷۸۲ء ہی میں اس جنگ کے دوران حیدر علی کی وفات ہوئی تھی اور ٹیپو سلطان نے اقتدار سنبھالا تھا اس طرح یہ جنگ حیدر علی کی آخری اور ٹیپو سلطان کے دور حکمرانی کی پہلی جنگ تھی حیدر علی کی حیات ہی میں پائیں گھاٹ کی مہم ٹیپو کے حوالہ تھی جنرل آر کوٹ کی قیادت میں جب انگریزوں نے محمود بندر پر قبضہ کیا تو حیدر علی نے انگریزوں سے اس کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے ٹیپو ہی کو روانہ کیا تھا پولی لور کے مقام پر انگریز کرنل بیلی کی فوجوں کو شکست دینے میں بھی ٹیپو ہی کا دماغ کام کر رہا تھا جس میں تقریباً چھتیس بڑے فوجی افسر اور سینکڑوں سپاہی مارے گئے تھے اور پچاس بڑے افسر قید کر کے سری رنگا پٹنم بھیج دیئے گئے تھے۔

۱۷۸۰ء میں نیلور، کاویری پٹن، ارنی، ارکاٹ، ست گڑھ، آنبور، تیاک گڑھ وغیرہ کے علاقے ٹیپو ہی کی کوششوں سے فتح ہوئے ۱۷۸۱ء میں ماہی منڈل کے قلعہ پر قبضہ کا سہرا بھی اسی کے سر تھا فروری ۱۷۸۱ء ہی میں کرنل برتھ ویٹ کو ٹیپو ہی نے تنجور میں شکست فاش دی تھی جس سے جنرل آر کورٹ کا پورا جنگی منصوبہ ناکام ہو گیا تھا جب حیدر علی کی وفات سے کچھ دنوں قبل ملیبار میں نائروں کی دوبارہ بغاوت کی اطلاع آئی اور کالی کٹ وغیرہ پر انگریزوں کے قبضہ کی خبریں آنے لگیں

توحیدر علی نے اپنے معتمد مخدوم علی کو اس طرف روانہ کیا لیکن وہ اس مہم میں ناکام ہو کر شہید ہو گئے ان کے بعد وہاں کے حالات کو سنبھالنے کے لئے ٹیپو ہی کو روانہ کیا گیا تھا اس میں وہ کامیاب بھی رہا۔

حیدر علی کی وفات اور ٹیپو کی جانشینی

ٹیپو ملیبار کی اس مہم میں مصروف ہی تھا کہ حیدر علی کو ایک مختصر بیماری کے بعد پیغام اجل آگیا اس طرح جس عظیم اسلامی سلطنت کی بناء اس کے والد نواب حیدر علی نے رکھی تھی اس کی آبیاری اب ان کے لائق فرزند ٹیپو سلطان کے ذمہ ہو گئی وفات کے وقت حیدر علی نے اپنے امراء سلطنت کو وصیت کی تھی کہ جس وفاداری سے آپ لوگ میری خدمت انجام دے رہے تھے اسی طرح میرے بعد ٹیپو کا بھی تعاون کریں وفات سے ایک روز قبل واپس آنے کے لئے ٹیپو کو حیدر علی نے خط بھی لکھا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ پہنچتا ان کی وفات ہو گئی ٹیپو کی سری رنگا پٹنم واپسی تک اس کے چھوٹے بھائی کریم شاہ کو قائم مقام حاکم میسور بنایا گیا تھا اس کے بعد ٹیپو کو اقتدار سے دور رکھنے کے لئے جو سازشیں ہوئیں اس کی تفصیلات پچھلے صفحات میں گذر چکی ہیں بروز سنیچر ۲۰ / محرم ۱۱۹۶ھ مطابق ۲۷ / دسمبر ۱۷۸۲ء کو اپنے چھوٹے بھائی سے رسمی طور پر ٹیپو نے اقتدار سنبھالا باضابطہ تخت شاہی پر بیٹھنے سے قبل اس نے اپنی ماں کی خدمت میں حاضری دی اس کی دعائیں لی دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ سے بار امانت کو سنبھالنے کے لئے توفیق کی دعا مانگی اور پھر دربار میں آکر تخت شاہی پر بیٹھ گیا دربار شاہی کی پہلی مجلس کا آغاز تلاوت کلام

پاک سے ہوا قاری نے سورۃ حشر کے آخری رکوع کی تلاوت کی قاری جب لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرایته خاشعا متصدعا من خشیة الله کی تلاوت فرمائی تو چونکہ ٹیپو عالم تھا اور عربی زبان سے واقف بھی اس لئے ان آیات کو سن کر بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پوری مجلس پر بہت دیر تک سکتہ طاری رہا پھر اسکے بعد اس مجلس میں موجود ایک بڑے عالم کے دست مبارک سے اس تاج سلطنت اپنے سر پر رکھا اسی وقت پوری سلطنت کے گورنروں کے نام فرمان جاری کیا کہ اقتدار کی منتقلی کے باوجود نظم سلطنت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی ہر شخص پہلے کی طرح اپنی جگہ اپنی ذمہ داری کو ادا کرے تخت نشینی کے دیگر مراسم جنگ کے جاری رہنے کی وجہ سے ادا نہیں کئے جاسکے اس کی نوبت ۱۷۸۴ء کے اختتام پر آئی جب میسور کی دوسری جنگ مکمل ہو چکی تھی۔

عوام کے نام پہلا سلطانی فرمان

عنان حکومت سنبھالنے کے بعد ٹیپو سلطان نے اپنی رعایا کے نام جو پہلا سرکاری فرمان جاری کیا اس میں اس کے نیک عزائم اور رعایا کی خدمت کے جذبات اور حسن نیت و ہمدردی کی عکاسی تھی فرمان کا مضمون کچھ یوں تھا۔

۱) میں سلطان ٹیپو بحیثیت حکمران ریاست میسور سلطنت خداداد اس بات کو اپنا فرض منصبی سمجھتا ہوں کہ بلا تفریق مذہب و ملت اپنی رعایا کی اخلاقی اصلاح کروں

۲) ان کی خوشحالی اور معاشی وسیاسی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہوں

۳) آخری دم تک سلطنت خداداد کی ایک ایک انچ زمین کی حفاظت کروں

۴) مسلمانوں کی دینی واخلاقی بنیادوں پر اصلاح کے لئے خصوصی قدم اٹھاؤں

۵) انگریزوں کو اس ملک سے باہر کرنے کے لئے جو ہمارے حقیقی دشمن ہیں پورے ہندوستان کے لوگوں کو متحد کروں

۶) مظلوم و بے بس عوام کو جاگیرداروں اور زمین داروں کے ظلم وستم سے نجات دلاؤں اور عدل وانصاف کی بنیاد پر ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کروں

۷) ملک کے باشندوں کے درمیان پائی جانے والی مذہبی لسانی وطبقاتی عصبیت کو ختم کرکے ملک کے دفاع کے لئے ان سب کو متحد کروں۔

۸) بوقت ضرورت مادر وطن کی حفاظت کے لئے غیر ملکیوں سے بھی فوجی تعاون سے دریغ نہ کروں سلطنت میسور میں غیر ملکی تجارت و مصنوعات کو ممنوع قرار دے کر خود یہاں کے تاجروں کی ترقی و خوشحالی کی فکر کروں[۱]

ٹیپو کو حاصل شدہ سلطنت کی وسعت

سلطان ٹیپو نے جب ۱۷۸۲ء کو سلطنت خداداد کا اقتدار سنبھالا تو اس کی لمبائی چار سو میل کے قریب اور مجموعی رقبہ اسی ہزار مربع میل سے بھی زائد تھا پوری سلطنت کو انتظامی سہولت کے اعتبار سے ۲۰ اضلاع میں تقسیم کیا گیا تھا ہر ضلع میں اوسطاً ۴۰ تعلقے تھے حکومت کی سرحدیں شمال مشرق میں دریائے کرشنا اور شمال

[۱] سلطان جمہور از مسلم ویلوری

مغرب میں دھارواڑ سے جنوب مشرق میں موجودہ صوبہ تامل ناڈو کے شہر دورائے اور جنوب مغرب میں کوچین تک پھیلی ہوئی تھیں مشرق میں اس کی حدود مشرقی گھاٹ سے شروع ہو کر مغرب میں بحیرہ عرب کے ساحلی شہر بھٹکل اور کاروار تک جا پہنچی تھیں صرف چند سالوں قبل تک جس ریاست کے وجود سے شمالی ہند کے لوگ بھی واقف نہیں تھے اب اس کی شہرت یورپ سے نکل کر امریکہ تک پہنچ گئی تھی سلطنت خداداد کے یہ تمام علاقے حیدر علی سے پہلے میسور کی پوری تاریخ میں کسی ایک حکمران کے ماتحت کبھی نہیں تھے پہلی دفعہ اس خطہ کی تاریخ میں کسی والی ریاست کے قبضہ میں متعدد چھوٹے بڑے جزیرے بھی تھے حیدر علی کی وفات کے وقت سرکاری خزانہ میں مسلسل جنگوں کے باوجود بھی تین کروڑ روپے نقدی کے علاوہ سونے چاندی کے ڈھیر مختلف ہیرے، جواہرات وغیرہ بھی تھے غیر منقولہ سرکاری املاک باغات عمارتوں اور کارخانوں کی مالیت کا کوئی شمار نہیں تھا دارالسلطنت کے آس پاس جنگوں میں مسلسل مصروف رہنے والی ایک لاکھ فوج کے علاوہ حکومت کا نظم ونسق سنبھالنے والے سپاہیوں کی تعداد بھی ایک لاکھ اسی ہزار کے قریب تھی ساٹھ ہزار گھوڑے جس میں خالص عربی نسل کے ہی نصف کے قریب تھے چھ ہزار اونٹ نو سو ہاتھی ۲ لاکھ سے زائد تلواریں ۲۲ ہزار توپیں چھ لاکھ مختلف ساخت کی بندوقیں اور بے حساب دیگر چھوٹے موٹے ہتھیار اور گولہ بارود سرکار میسور کی ملکیت میں تھے آبادی اور پیداوار وغیرہ میں بھی اس کا شمار اس وقت پورے ہندوستان کی بڑی خود مختار ریاستوں میں ہوتا تھا سات ملین یعنی ستر لاکھ نفوس پر مشتمل اس سلطنت کی آب وہوا بھی معتدل تھی اکاون پالیگار اور

نواب سلطنت خداداد کے باج گذار تھے حکومت کی سالانہ آمدنی ساڑھے سات کروڑ روپئے سے بھی زیادہ تھی معدنی پیداوار رعایا کی خوشحالی اور بادشاہ کے حسن انتظام کی وجہ سے اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی اس طرح مجموعی طور پر ہر اعتبار سے سلطنت خداداد کو اس وقت ایک قابل نمونہ سلطنت کا درجہ حاصل تھا اسی وجہ سے آس پاس اور دور دراز کی بہت ساری ریاستوں سے مختلف خاندانوں اور قبیلوں نے اپنی سلطنتوں سے نقل وطن کر کے حیدر علی کی سلطنت میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی حتیٰ کہ بعض غیر ملکی لوگ بھی حکومت کی اجازت سے یہاں کے مستقل باشندے بن گئے تھے اور ان میں سے بعض لوگوں نے سرکاری ملازمت بھی اختیار کر لی تھی۔

نواں باب

ٹیپو کی جانشینی سے معاہدہ مینگلور تک

سابقہ جنگ کا تسلسل

حیدر علی کی وفات کے بعد جب سلطان ٹیپو نے اقتدار سنبھالا تو انگریزوں کے ساتھ دوسری جنگ جاری تھی اور میسوری افواج سلطنت کے مختلف محاذوں پر ان کے ساتھ برسرپیکار تھیں تخت نشینی کے فوراً بعد ٹیپو نے جاری جنگ ہی پر توجہ دی مسلسل جنگ کی وجہ سے سرکاری خزانہ بھرپور ہونے کے باوجود فوجیوں کو تنخواہیں نہیں مل رہی تھیں سلطان نے سب سے پہلے یہ حکم جاری کیا کہ سپاہیوں کی تنخواہیں فوراً ادا کی جائیں اور آئندہ بھی ہر ماہ کے اخیر میں ہی ان کو تنخواہیں دی جائیں اس کے علاوہ مصروف جنگ فوجیوں کے لئے سامان خورد و نوش کی ترسیل میں بھی کسی طرح کی تاخیر یا کمی نہ کی جائے اور انگریز جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے اس کے بعد اس نے فرانسیسی افسروں سے اپنے توپ خانوں کی بھی از سر نو تنظیم کرائی اسلحہ خانوں میں خام مال پہنچانے کا بندوبست کیا اور فوجیوں کے لئے ہر طرح کی سہولتوں کا بھی اعلان کیا۔

بدنور پر انگریزوں کا قبضہ

بدنور جیسا کہ گذرچکا ایک خوشحال ہندو ریاست تھی جس کو فتح کر کے حیدر علی نے سلطنت خداداد میں شامل کر دیا تھا اور اپنے نو مسلم ملازم ایاز خان کو جس کا پہلے ملیبار کی نائر قوم سے تعلق تھا اس کا گورنر مقرر کر دیا تھا لیکن حیدر علی کی وفات کے بعد اس نے غداری کی اور بمبئی کے انگریز جنرل میتھوز کو یہ علاقہ اس شرط پر حوالہ کر دیا

کہ ان کی ماتحتی میں اس کو ہی اس پر گورنر بحال رکھا جائے انگریزوں کا اس پر قبضہ کا پہلا مقصد یہ تھا کہ چونکہ یہ علاقہ ساحل سمندر سے قریب تھا اس لئے اس پر قبضہ سے ان کو ٹیپو کے خلاف اپنی فوجی کارروائیوں میں سہولت تھی دوم یہ کہ یہ خوشحال اور دولت سے مالا مال علاقہ تھا اس سے ان کی فوجی ضروریات کی تکمیل بآسانی ہو سکتی تھی سوم یہ کہ سلطنت خداداد میں بدنور کی جغرافیائی و فوجی اعتبار سے بڑی اہمیت تھی اس پر انگریزوں کے قبضہ سے سلطان ٹیپو ان کے گمان کے مطابق بآسانی ان سے صلح پر آمادہ ہو سکتا تھا جس کے لئے وہ کئی ماہ سے موقع کی تاک میں تھے لیکن انگریز کمپنی کو اس پر قبضہ کے باوجود کوئی مالی فائدہ نہ ہو سکا اس لئے کہ اس پر قبضہ کے بعد انگریز سپاہیوں نے وہاں کے مال غنیمت اور دیگر دولت کو آپس ہی میں بانٹ لیا تھا کمپنی کا اس میں کوئی حصہ نہیں تھا اس کے علاوہ وہاں کے باشندوں نے انگریزوں کے قبضہ کے باوجود سخت مزاحمت کی اس لئے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے جوان مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا چار سو خواتین کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا[1] بعض خواتین نے ان کے ظلم سے خوف کھا کر تالابوں میں ڈوب کر خودکشی کر لی لیکن انگریز زیادہ دیر تک اس پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے ۲۸ اپریل ۱۷۸۳ء کو ٹیپو نے بارہ ہزار کی فوج لے کر جس میں فرانسیسی سپاہی بھی شامل تھے اس پر حملہ کر کے اس کو دوبارہ فتح کر لیا مینگلور سے بدنور جانے والے راستہ پر قبضہ کر کے ان کے لئے رسد کا راستہ بھی بند کر دیا اخیر میں رحم کھا کر ان سپاہیوں کو سداشوگڑھ کے راستہ سے بمبئی واپس جانے کی اجازت دے دی گئی

[1] تاریخ ٹیپو سلطان از پروفیسر محب الحسن

لیکن اپنے ساتھ یہ لوگ سرکاری خزانہ کا ایک بڑا حصہ بھی لوٹ کر لے گئے جب ٹیپو کے حکم سے ان کے بعض سپاہیوں کی تلاشی لی گئی تو جملہ ۴۰ ہزار اشرفیاں برآمد ہوئیں جو بعد میں دوبارہ سرکاری خزانہ میں جمع کردی گئیں۔

مینگلور کا محاصرہ

بدنور کی اپنی مہم کے دوران ہی ٹیپو نے مینگلور پر دوبارہ قبضہ کے لئے اپنے ایک کامیاب فوجی افسر حسین علی خاں کی قیادت میں چار ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ روانہ کردیا تھا لیکن مدراس کے گورنر جنرل کیمبل کے ہاتھوں یہ فوج پسپا ہوئی اور دو سو میسوری فوجی بھی کام آگئے ٹیپو بدنور کی کامیاب مہم سے فارغ ہو کر مینگلور پہنچا فوجی حیثیت سے اسکا شمار اس وقت ملک کی اہم ترین بندر گاہوں میں ہوتا تھا وہاں جنرل کیمبل کی فوج کا سامنا ہوا اور ٹیپو نے ان کو آسانی کے ساتھ شکست دے دی اس مہم میں اتنا مال غنیمت ہاتھ لگا کہ سلطانی افواج کو کئی ماہ کی فکر نہیں رہی آگے بڑھ کر شہر کے فوجی قلعہ کا بھی اس نے محاصرہ کیا موسلادھار بارش کے باوجود چند ہی دنوں میں اس کو فتح کرلیا گیا اس شہر پر بھی حیدر علی نے ایاز خاں ہی کو گورنر مقرر کردیا تھا اس نے بے وفائی کرکے بدنور کے ساتھ اس کو بھی انگریزوں کے حوالہ کردیا تھا یہ خود تو بھاگ کر سورت میں پناہ لینے میں کامیاب ہوگیا لیکن جن میسوری سپاہیوں نے اس غداری میں اس کا ساتھ دیا تھا ان سب کو بعد میں پکڑ کر پھانسی کی سزا دی گئی تمام قیدیوں کو سری رنگا پٹنم بھیج دیا گیا ادھر عالمی سطح پر

انگریزوں اور فرانسیسیوں میں صلح ہوگئی جس کی وجہ سے سلطانی افواج میں شامل فرانسیسی انگریزوں کے خلاف جنگ سے الگ ہوگئے۔

کڑپہ کی بغاوت

سلطان ٹیپو جب مینگلور کی مہم میں مصروف تھا تو اس کی توجہ وہاں سے ہٹانے کے لئے مدراس کے انگریزوں نے کڑپہ کے علاقہ پر اپنے فوجی تعاون سے ایک سازش کے تحت سید محمد نامی شخص کو قبضہ دلایا تھا حالانکہ حکومت میسور کی طرف سے یہ علاقہ میر قمر الدین کو بطور جاگیر دیا گیا تھا اس لئے سلطان ٹیپو نے میر قمر الدین ہی کی قیادت میں فوج کی ایک ٹکڑی اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے بھیجی جس نے بڑی آسانی کے ساتھ سید محمد کو شکست دے کر دوبارہ کڑپہ پر قبضہ کرلیا اور انگریزوں کی جو فوج خود ساختہ نواب کڑپہ کی مدد کے لئے آرہی تھی اس کو بھی راستہ ہی میں شکست دی گئی۔

سری رنگا پٹنم کی سازشیں

مجموعی طور پر حیدر علی کی وفات کے بعد ٹیپو کو اپنے خلاف گورنروں یا افسروں کی بغاوت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا البتہ آس پاس کے بعض علاقوں مثلاً بدنور، کڑپہ وغیرہ میں بغاوتوں نے سر اٹھایا تھا جس کو بڑی خوبی کے ساتھ ٹیپو نے دبا دیا تھا لیکن ۸۳ء کے وسط میں سری رنگا پٹنم میں ٹیپو کے خلاف سازشوں کا ایک وسیع

جال پھیلا دیا گیا اور ٹیپو کو ہٹا کر میسور کے قدیم حکمراں ہندو راجہ کے خاندان کو انگریزوں کے تعاون سے دوبارہ بحال کرنے کا منصوبہ بنایا گیا لیکن اللہ کے فضل سے یہ سازش عملی جامہ پہنائے جانے سے قبل ہی ناکام بنادی گئی اور جو خط بعض ہندو افسران کی طرف سے انگریزوں کو ٹیپو کے خلاف فوجی تعاون کے لئے لکھا گیا تھا پکڑ لیا گیا سازشوں کے سرغنہ میسور پولس کے اعلیٰ افسر سنگھیا اور نرسنگھا راؤ موت کے گھاٹ اتار دئے گئے رنگا آئینگر اور شاما آئینگر گرفتار ہوئے اس پوری سازش کو ناکام بنانے میں ٹیپو کی فوج کے ایک اعلیٰ و قابل افسر محمد علی نے اہم رول ادا کیا۔

وفادار سپہ سالار کی حماقت وانجام

بدنور میں انگریزوں کو قبضہ دلانے کی سازش میں ایاز خاں کے ساتھ قلعدار محمد قاسم خاں بھی شریک تھا ایاز خاں تو سورت بھاگنے میں کامیاب ہو گیا لیکن قاسم خاں گرفتار کر لیا گیا اور ٹیپو نے اسکو غداری وبغاوت کی پاداش میں پھانسی کی سزا سنائی اس وقت میسوری افواج کے ایک سپہ سالار محمد علی کے قاسم خاں کے ساتھ ذاتی تعلقات تھے سزا کو ٹالنے کے لئے اس نے محمد علی سے سفارش کروائی لیکن اس کا جرم ناقابل معافی تھا اس نے انگریزوں کے ساتھ ساز باز کر کے ٹیپو کی فوج کے تمام اندرونی حالات سے ان کو آگاہ کر دیا تھا اور حیدر نگر کا قلعہ جس کا وہ نگراں تھا بغیر کسی مزاحمت کے انگریزوں کے حوالہ کر دیا تھا اس کو اپنے جرم کا اعتراف بھی

تھا اس لئے ٹیپو نے دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے علماء و وزراء کے مشورہ پر اسکی سزا کو بحال رکھا ٹیپو کے ساتھ ذاتی تعلقات کے باوجود اپنی سفارش کی عدم قبولیت کو محمد علی اپنی توہین سمجھتا تھا چنانچہ جب قاسم خاں کو پھانسی کے لئے مقتل لایا جارہا تھا تو محمد علی نے جذبات میں آکر سپاہیوں کے ہاتھوں سے قاسم خاں کو چھڑا دیا اور اس کو لے کر بھاگ گیا ٹیپو کے حکم سے ان سب کو دوبارہ گرفتار کیا گیا قاسم خاں کو فوراً پھانسی دی گئی دیگر باغی افسران و سپاہیوں کو بھی سخت سزائیں دی گئیں البتہ محمد علی کو اس کے پچھلے کارناموں اور وفاداری کے پیش نظر صرف قید کر کے سری رنگا پٹنم میں نظر بند رکھنے کی سزا سنائی گئی محمد علی اپنی اس توہین کو برداشت نہیں کر سکا اور راستہ ہی میں اس نے خودکشی کر لی اس طرح ناحق کسی باغی کی حمایت کر کے خود اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا اس کی اس حماقت پر ٹیپو کو بھی بڑا افسوس ہوا اس نے بعد میں اس کے اہل و عیال کو اپنے محل ہی میں رکھا اور ان پر خصوصی توجہ دی۔

پائیں گھاٹ میں انگریزوں سے مزاحمت و شکست

نواب حیدر علی کی وفات کے بعد پائیں گھاٹ میں سرکشوں نے پھر سر اٹھایا ان کو بھی درپردہ انگریزوں ہی کی حمایت حاصل تھی بعد میں وہ کھل کر سامنے بھی آگئے تھے اس طرح اب یہاں میسوری افواج کا مقابلہ براہ راست انگریزوں کے ساتھ تھا ٹیپو کے لئے اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے اس بغاوت کی سرکوبی ضروری

تھی چنانچہ اس نے میر معین الدین کی قیادت میں سات ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک فوجی دستہ اس مہم کو سر کرنے کے لئے پائیں گھاٹ بھیج دیا اس میں بدر الزماں خاں نائطہ، صلابت خاں بخشی اور میر غلام علی وغیرہ شامل تھے ادھر انگریزی افواج ترچناپلی سے نکل کر کروڑ اور ڈنڈیگل پر قبضہ کے لئے جنرل لانگ کی قیادت میں آگے بڑھ رہی تھیں میر معین الدین کے حکم سے بدر الزماں خاں ان کے مقابلہ کے لئے نکلا لیکن قلعہ دار عثمان خاں کشمیری نے میسوری افواج کے منع کرنے کے باوجود کروڑ کا یہ فوجی قلعہ بغیر کسی مزاحمت کے انگریزوں کے حوالہ کر دیا اور گورنری کی لالچ میں خود بھی انگریزوں کی پناہ میں چلا گیا لیکن انگریزوں کے ساتھ زیادہ دیر تک اس کا نباہ نہیں ہو سکا اور وہ جلد ہی انگریزوں سے الگ ہو گیا بعد میں اس کو میر معین الدین نے گرفتار کر کے پھانسی دے دی کروڑ پر قبضہ کے بعد انگریزوں کی ہمت بڑھ گئی اور وہ قریب ہی کے ایک دوسرے قلعہ پر قبضہ کے لئے بڑھے بدر الزماں خاں نائطہ کی قیادت میں میسوری افواج نے وہاں بھی انگریزوں کا مقابلہ کیا لیکن چونکہ انگریزی فوج ان کی بہ نسبت زیادہ مسلح تھی اس لئے اس محاذ میں انتھک کوششوں کے باوجود میسوری افواج کو پسپا ہونا پڑا اور انگریزوں نے فوجی قلعہ پر قبضہ کر لیا اور بدر الزماں خاں اپنی فوج کو لے کر دھاراپور چلا گیا۔

کڈلور کی جنگ اور میسوری افواج کی فتح

۱۷۸۳ء کے وسط میں فرانسیسی افواج کے تعاون سے میسوری افواج کا

انگریزوں سے ایک سخت مقابلہ ہوا دس ہزار میسوری سپاہیوں نے کڈلور کے راستہ میں انگریزوں کے ایک مضبوط قلعہ کریم گڑھ پر قبضہ کر لیا انگریزی افواج کی کمان جنرل اسٹورٹ کے ماتحت تھی دونوں کا کڈلور میں کئی دنوں تک دوش بدوش خون ریز مقابلہ ہوا بالآخر اس معرکہ میں فرانسیسیوں کے تعاون سے سلطانی افواج کو فتح ہوئی اور انگریزوں کو غیر معمولی جانی ومالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔

انگریزوں کی مایوسی اور صلح کی درخواست

انگریزوں کی ہمیشہ یہ حکمت عملی رہی کہ ان کے مقابل ان کا دشمن اگر کمزور اور مائل بہ شکست ہو تو جنگ کا سلسلہ آخر تک جاری رکھا جائے لیکن اگر دشمن قوی ہو اور اسکی فتح کے آثار نمایاں ہوں تو کسی طرح مصالحت کر کے خود کو مزید جانی ومالی نقصان سے بچایا جائے یہی حکمت عملی میسور کی پہلی جنگ میں بھی وہ اختیار کر چکے تھے اور حیدر علی کی نرمی و رحمدلی سے فائدہ اٹھا کر معاہدہ مدراس پر دستخط کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے اب بھی انگریزوں نے یہی چال چلی ان کو اس جنگ میں بھی مسلسل شکست و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کامیابی کے دور دور تک آثار نہیں تھے بلکہ خدشہ تھا کہ جنگ اگر مزید جاری رہی تو ٹیپو اپنے توسیع پسندانہ عزائم میں کامیاب ہو سکتا ہے ادھر نواب کرناٹک محمد علی بھی ٹیپو سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کر چکا تھا انگریزوں نے مدراس سے لارڈ میکارٹنی کے پرائیویٹ سکریٹری جارج لیونارڈ اسٹاٹن اور مدراس کونسل کے ممبر انتھونی سڈلیر کو اس

سلسلہ میں ٹیپو کی خدمت میں بھیجا یہ دونوں نہایت چالاک اور سفارتی مہموں میں بڑے ماہر تھے وہ اپنے ساتھ ٹیپو کی خدمت میں قیمتی تحفے اور نذرانے لے کر گئے اور سلطان ٹیپو کو یہ اطمینان دلانے میں کامیاب رہے کہ آئندہ سے وہ اپنے وعدوں اور معاہدوں پر کاربند رہیں گے۔

معاہدہ مینگلور اور اس کے اہم نکات

بالآخر طویل گفت و شنید اور بحث ومباحثہ کے بعد ٹیپو کے مقرر کردہ شرائط پر ۱۱/ مارچ ۸۴ء کو انگریزوں نے ایک معاہدہ پر دستخط کر دئے اس معاہدہ کے اہم نکات و دفعات مندرجہ ذیل تھے۔

۱) دوسری جنگ سے قبل جو علاقے جس کے قبضہ میں تھے ان کو دوبارہ بحال کر دیا جائیگا

۲) فریقین کے قیدیوں کا فوری تبادلہ ہو گا۔

۳) دستخط کنندگان ایک دوسرے کے دشمنوں کی بالواسطہ یا بلاواسطہ کبھی مدد نہیں کریں گے اور نہ ایک دوسرے کے دوستوں اور سیاسی حلیفوں کے خلاف جنگ میں شریک و معاون ہونگے۔

اس طرح ٹیپو کی عین منشاء کے مطابق جنگ کے اختتام کے لئے صلح کی درخواست بھی ان ہی کی طرف سے آئی یہی وجہ تھی کہ پورے ملک میں مینگلور کے اس معاہدہ کو انگریزوں کی شکست اور ٹیپو کی فتح تصور کیا گیا علی الاعلان نہ سہی

دبے الفاظ میں خود انگریز بھی اس معاہدہ کو اپنی شکست اور مقابل کی فتح قرار دیتے تھے۔

ٹیپو نے صلح کو کیوں ترجیح دی

معاہدہ مینگلور کو بعض مؤرخین ٹیپو کی ایک زبردست تاریخی وسیاسی غلطی قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ صلح کے وقت جنگ میں ٹیپو کا پلڑا بھاری تھا اس کے برخلاف مختلف محاذوں پر انگریزوں کو پسپائی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا مالی اعتبار سے انگریزی فوج کی حالت بہت خراب تھی سپاہیوں کو بارہ ماہ سے تنخواہیں نہیں مل رہی تھیں کمپنی قرض کے بوجھ سے دبی جارہی تھی صرف بمبئی گورنمنٹ ہی ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ روپئے کی مقروض تھی مسلسل جنگوں میں مصروف رہنے کی وجہ سے ان کی تجارتی ساکھ بھی بری طرح متاثر ہو چکی تھی اس کے برخلاف جنگ کے اخیر میں فرانسیسیوں کے ہاتھ کھینچ لینے کے باوجود ٹیپو کی فوجی طاقت میں کوئی نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی وہ تنہا بھی انگریزوں کے ساتھ جنگ کو جاری رکھ سکتا تھا سرکاری خزانے بھرپور تھے جنگ میں مسلسل فتح کی وجہ سے ملکی سطح پر اس کی عظمت بھی بڑھ رہی تھی مجموعی طور پر فوجی و مالی اعتبار سے ٹیپو کو اپنے دشمن پر برتری حاصل تھی لیکن اسکے باوجود دشمن کو فائدہ پہنچانے والے شرائط پر وہ صلح کے لئے آمادہ ہو گیا اور وہ بھی ان سے تاوان جنگ وصول کئے بغیر۔ حالانکہ انگریزوں کے عزائم کو اس وقت ہندوستان میں خاک میں ملانے کا قدرت نے اس کو بہترین موقع عطا کیا تھا لیکن وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکا لیکن حقیقت یہ تھی کہ ٹیپو کی اس

فراخدلی میں بھی اس کی سیاسی حکمت عملی ہی پوشیدہ تھی اس لئے کہ ۱۷۸۰ء میں شروع ہونے والی یہ جنگ ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کی وفات کے بعد بھی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی اور ٹیپو کی طرف انتقال اقتدار کے باوجود اس کو اب تک اپنی رعایا کے داخلی مسائل سمجھنے اور اسکی طرف توجہ دینے کا موقع نہیں مل سکا تھا وہ اپنے عوام کا قیمتی مالی سرمایہ مسلسل چلنے والی جنگ کی نذر کر کے ان کو معاشی و اقتصادی ترقی سے محروم بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اس کے پاس اپنی رعایا کی خوشحالی اور ان کے معاشی سدھار کے بعض ایسے منصوبے بھی تھے جس کی طرف جنگ میں مصروف رہ کر توجہ دینا ممکن نہیں تھا اس کے لئے مکمل جنگ بندی یا کم از کم اس میں ٹھہراؤ ضروری تھا اس طرح مینگلور کا یہ معاہدہ بھی اس کے اندرونی عزائم کے مطابق ایک وقفہ جنگ ہی تھا اور بعد کی جنگوں نے اس کی اس کامیاب حکمت عملی کو ثابت بھی کر دیا اس کے علاوہ مسلسل جنگ کے جاری رہنے کی صورت میں خود اس کے دشمنوں کے اکسانے پر اس کے ماتحت باجگذار راجاؤں کی بغاوت کا بھی خدشہ تھا دوسری طرف اس کو مرہٹہ افواج اور نظام دکن کا میسور پر حملہ کر کے اس کی قوت کو منتشر کرنے کا بھی خطرہ تھا جس کی وہ دھمکی بھی دے چکے تھے بہر حال ان سب سے تنہا نپٹنا اس وقت سلطان ٹیپو کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل اور دشوار ضرور تھا اور ان سب باتوں کا تقاضہ تھا کہ جنگ میں کچھ وقفہ کے لئے ٹھہراؤ ہو جائے تاکہ ٹیپو تازہ دم ہو کر اپنے مذہب دشمن و ملک دشمن انگریزوں کے خلاف دوبارہ میدان میں آسکے حسن اتفاق سے ٹیپو کی عین منشا کے مطابق صلح کی درخواست انگریزوں ہی کی طرف سے آئی جس سے لوگوں میں ٹیپو کا فاتحانہ تصور بھی برقرار رہا یہی وجہ تھی کہ

ٹیپو کی اس صلح سے مرہٹوں کو بڑی مایوسی ہوئی خود انگریزوں کی ایک بڑی تعداد بھی اس معاہدہ سے خوش نہیں تھی یہی وہ اسباب و محرکات تھے جس کے پس منظر میں ٹیپو نے مصالحت کے لئے انگریزوں کی درخواست کو قبول کرنے میں مصلحت سمجھی ورنہ اگر وہ چاہتا تو جنگ کو جاری رکھ کر اس کو اپنے فطری انجام تک پہنچا سکتا تھا اس کے سپاہیوں کی وفاداری مال و اسباب کی فراوانی مسلسل فتح دشمنوں کی پے در پے شکست بھی اس کے عزائم کو آگے بڑھانے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی تھی لیکن مندرجہ بالا اسباب و وجوہات کی وجہ سے ہی وہ جنگ کو مزید جاری رکھنا نہیں چاہتا تھا اس طرح بعد کے حالات نے بھی معاہدہ مینگلور کو ٹیپو کی سیاسی غلطی کے بجائے عین اسکی فوجی و سیاسی حکمت عملی ہی ثابت کر دیا۔

جشن فتح

جنگ کے تسلسل اور اس میں خود اسکی ذاتی شرکت کی وجہ سے حیدر علی کے بعد ٹیپو کی تخت نشینی کے مراسم ادا نہیں کئے جاسکے تھے اس دوران ٹیپو کو دار السلطنت میں قیام کا زیادہ موقع بھی نہیں مل سکا تھا چنانچہ معاہدہ مینگلور کے بعد ٹیپو سری رنگا پٹنم واپس آیا اس کی یہ واپسی در حقیقت انگریزوں کے ساتھ صلح کی شکل میں اس کی فتح کے بعد ہو رہی تھی اور باقاعدہ دار السلطنت میں طویل قیام کے ارادہ سے یہ اسکی پہلی آمد تھی اس لئے سلطنت خداداد کے ہندو و مسلم عوام نے اس کا اس شہر میں آمد پر وہ تاریخی اور شاندار استقبال کیا کہ اس طرح کا منظر اس

علاقہ کے لوگوں نے کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا آس پاس کے ہزاروں لوگ سلطان کی زیارت کے لئے شہر میں جمع تھے شہر میں داخل ہونے سے قبل ٹیپو شہر کے باہر ہی خیمہ زن ہوا رات وہیں گذاری صبح کی نماز اور اپنے معمول کی تلاوت سے فارغ ہو کر سادہ لباس میں ایک زبردست شاہانہ و تاریخی جلوس کی معیت میں دار السلطنت میں داخل ہوا کئی میل لمبے اس جلوس میں سینکڑوں ہاتھی و گھوڑوں کی قطاریں تھیں شہزادوں کے علاوہ باج گذار راجہ و نواب اور سپہ سالاران فوج بھی اس جلوس میں شامل تھے۔

مراسم جانشینی کی باقاعدہ ادائیگی

چونکہ دوران جنگ ٹیپو نے اقتدار سنبھالا تھا اور اس وقت تخت نشینی کے مراسم ادا نہیں ہو سکے تھے اس لئے یہاں آمد کے بعد پہلے روز ہی طے شدہ منصوبہ کے مطابق دربار شاہی کو خصوصی طور پر سجایا گیا اور اسکے ذوق و مزاج کے مطابق بنائے گئے خصوصی تخت کو اس میں رکھا گیا مراسم جانشینی باقاعدہ ادا کئے گئے پہلے باضابطہ دربار کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا پھر دن بھر سلطنت کی کارروائی چلتی رہی اس دوران تمام فرض نمازیں دربار ہی میں باجماعت ادا کی گئیں میر صادق کو اس کی خدمات کے صلہ میں حکومت کا دیوان یعنی وزیر اعظم مقرر کیا گیا دیگر ہندو وزراء و افسران کو بھی ان کی حسب قابلیت ترقی دی گئی بیک وقت جنگ میں فتح و جانشینی کا یہ جشن تقریباً ایک ماہ تک چلتا رہا مرہٹوں کو ملک کی حفاظت اور نظام دکن

کو اتحاد اسلامی کا حوالہ دے کر انگریزوں سے تعاون نہ کرنے کی درخواست کرتے ہوئے سلطان ٹیپو کی طرف سے خطوط لکھے گئے مرہٹہ و نظام کی طرف سے بھی ٹیپو کو مبارکباد دینے کے لئے ان کے سفراء دار السلطنت قیمتی تحائف لے کر پہنچے ٹیپو نے بھی شکریہ کے ساتھ اس سے زیادہ قیمتی تحفے ان کی خدمت میں روانہ کئے اور مادر وطن کے تحفظ کے لئے پھر ایک بار ان کو انگریزوں کے خلاف اتحاد کی یاددہانی کرائی۔

فتح المجاہدین کی تالیف

اس وقت تک چونکہ فوجی قواعد اور جنگی ضوابط کی اصطلاحیں انگریزی و فرانسیسی زبانوں ہی میں چل رہی تھیں اس لئے اس جنگ سے فراغت کے بعد سب سے پہلے ان اصطلاحات کو فارسی میں منتقل کر کے ایک رہنما کتاب فتح المجاہدین (تحفۃ المجاہدین) کے نام سے ٹیپو نے زین العابدین شستری سے مرتب کرائی اسمیں فوجی اصول و ضوابط کے علاوہ مسلم سپاہیوں کے لئے عقائد مسائل عبادات و معاملات پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس کو نقل کروا کر عام فوجیوں کے علاوہ سلطنت میسور کے باہر بھی دیگر ریاستوں میں بھیجا گیا یہ کتاب کل آٹھ ابواب کے علاوہ ایک ضمیمہ پر مشتمل تھی جس میں ہنگامی حالات میں فوجیوں کے لئے رہنما ہدایات بھی موجود تھیں۔

دسواں باب

داخلی بغاوتیں و جنگ مرہٹہ

باجگذاروں کی بغاوتیں

جب سلطان ٹیپو دوسری جنگ سے فراغت کے بعد سری رنگا پٹنم میں مقیم تھا تو اس دوران مختلف راجاؤں و پالیگاروں نے جو سلطنت خداداد کے باج گذار تھے بغاوت کر دی سلطان نے فوری ان داخلی بغاوتوں کو ختم کرنے پر توجہ دی اور ان سرکشوں کی تادیب و تنبیہ کے لئے اپنے مختلف معتمدین کو روانہ کیا ٹیپو کی حکمت عملی سے چند ہی دنوں میں ان سب بغاوتوں پر قابو پالیا گیا۔

راجہ پنکنور کی سرکشی

ٹیپو مختلف سرکشوں کی بغاوتوں کو کچل کر اطمینان کی سانس بھی نہیں لے سکا تھا کہ اطلاع آئی کہ پنکنور کے راجہ نے بھی بغاوت کر دی ہے اور وہ ہرگنڈہ و مدن ملی کے راجاؤں سے مل کر قریب کے دوسرے علاقوں پر قبضہ کا منصوبہ بنا رہا ہے تاکہ دریائے کرشنا و تنگ بھدرا کے درمیانی حصہ کو اپنے قبضہ میں لے کر سلطان کے لئے ہمیشہ مسائل پیدا کرے ٹیپو نے اس کی سرکوبی کے لئے اپنے معتمد سید عمر کو دو ہزار کی فوج دے کر روانہ کیا پہلے تو انہوں نے اس کو صلح کا پیغام بھیجا لیکن وہ تو آمادہ جنگ ہی تھا بارہ ہزار کی فوج لے کر میدان میں آیا اور اپنے ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ خود بھی مارا گیا اس کی بقیہ فوج نے بھاگ کر قریب کے شہر بھوی کنڈہ میں پناہ لی سید عمر کی قیادت میں میسوری افواج نے ان کا وہاں بھی تعاقب کیا وہاں کا راجہ چک رایل یہ سب دیکھ کر خود بھی اپنے علاقہ سے فرار ہو گیا اس طرح چند ہی ہفتوں

میں پنکنور کو دوبارہ فتح کرلیا گیا چند ماہ بعد خود ٹیپو بھی یہاں پہنچ گیا اور اس شہر کے پہاڑ پر ایک مضبوط فوجی قلعہ تعمیر کرکے اس کا نام رحمان گڑھ رکھا۔

نرگنڈہ کی فتح

پنکنور کی طرح نرگنڈہ کے راجہ وینکٹ راؤ نے بھی بغاوت کردی تھی حالانکہ یہ بھی سلطنت خداداد کا باج گذار تھا لیکن مسلسل دو سال سے وہ اپنا خراج ادا نہیں کر رہا تھا اس کو بغاوت پر اکسانے میں مریج کے مرہٹہ سردار پرسی رام کا ہاتھ تھا ٹیپو کو جب اس کی اطلاع ملی تو اپنے سپہ سالار برہان الدین کو مع پانچ ہزار سپاہیوں کے اس مہم پر روانہ کیا حسب حکم سلطان برہان الدین نے سب سے پہلے وینکٹ راؤ سے دوبارہ اطاعت کی درخواست کی چونکہ اس کو مرہٹہ سردار نانا فرنویس کی بھی حمایت حاصل تھی اس لئے اس سے شہ پاکر اس نے اطاعت سے انکار کردیا ٹیپو نے نانا فرنویس کے پاس اپنی سفارت بھیج کر اس سے وینکٹ راؤ کی حمایت سے باز آنے کی درخواست کی لیکن وہ نہیں مانا مجبور ہو کر برہان الدین کی قیادت میں میسوری سپاہیوں نے نرگنڈہ پر حملہ کردیا قلعہ پر گولہ باری شروع کردی دونوں میں سخت مقابلہ ہوا میسوری افواج کے دوسو سپاہی مع صلابت جنگ کے شہید ہوگئے اس پر بھی برہان الدین نے ہمت نہیں ہاری اور قلعہ کا محاصرہ پہلے سے زیادہ سخت کردیا وینکٹ راؤ کی مدد کے لئے پرسی رام نے پانچ ہزار مرہٹہ سپاہیوں کی کمک بھیجی ادھر ٹیپو نے بھی میر قمر الدین کی قیادت میں ایک فوجی دستہ میسوریوں کی مدد کے

لئے بھیجا راستہ میں میر قمر الدین نے کڑپہ کے حاکم کے داماد سید محمد پیرزادہ کی بھی خبر لی جو وہاں کے عوام پر ظلم کررہا تھا سید محمد تو بچ گیا لیکن اس کی پوری فوج ماری گئی نانا فرنویس نے بھی مزید تیس ہزار مرہٹہ سپاہی روانہ کئے مرہٹہ فوج نرگنڈہ میں داخل ہونے کے لئے دریائے کرشنا عبور کررہی تھی کہ میر قمر الدین کے ماتحت سلطانی سپاہیوں نے ان پر ایسا سخت حملہ کردیا کہ ہزاروں دشمن کے سپاہی وہیں ڈھیر ہوگئے اور اس سے زیادہ قید کرلئے گئے پسپائی وقلعہ کے مسلسل محاصرہ اور مزید کمک سے ناامید ہو کر وینکٹ راؤ نے سلطانی افواج سے صلح کی درخواست کی لیکن چونکہ اب مصالحت کا موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا اس لئے برہان الدین نے راجہ وینکٹ راؤ کو مع اس کے پورہ خاندان کے قید کرکے مرزا حیدر علی بیگ کی نگرانی میں سری رنگا پٹنم بھیج دیا ایک روایت یہ ہے کہ راجہ کی لڑکی جو بڑی حسین تھی اس دوران مسلمان ہوگئی۔

اہل کورگ کی بے وفائی

کورگ موجودہ ریاست کرناٹک میں مغربی گھاٹ پر واقع نہایت خوبصورت پرفضا اور سرسبز علاقہ ہے اس کے شمال میں ضلع حاسن مشرق میں میسور اور جنوب مغرب میں کیرالا کا ضلع کنانور ہے گرم مصالحے ساگوان صندل اور بانس کے جنگلوں کے علاوہ خوبصورت جھیلوں چشموں اور اسکے گھنے ودشوار گزار جنگلات میں آزادی کے ساتھ گھومنے والے شیروں چیتوں ہاتھیوں اور سانپ بچھوں وغیرہ کیلئے

یہ علاقہ پورے ملک میں شہرت رکھتا ہے یہاں کے باشندے مذہباً ہندو لیکن تہذیب وتمدن سے عاری تھے ان کی عورتیں نیم عریاں اور پورہ سینہ کھول کر بازاروں میں آتی تھیں ان کے حسن وجمال اور بداخلاقی وبے حیائی کا دور دور تک چرچہ تھا ایک عورت بیک وقت چار مردوں کے نکاح میں ہوتی اور اس سے پیدا ہونے والا بچہ ماں کی طرف منسوب ہو کر اسکے تمام شوہروں کا یکساں وارث بنتا[1] نواب حیدر علی نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد اس علاقہ پر حملہ کر کے یہ علاقہ وہاں کے راجہ کے ۲۴ ہزار روپئے سالانہ خراج ادا کرنے کے وعدہ پر دوبارہ اسی کے حوالہ کردیا تھا اس طرح یہ خطہ اسی وقت سے سلطنت خداداد کا باج گزار چلا آرہا تھا حیدر علی کے دور میں بھی یہاں کئی بار بغاوتوں نے سر اٹھایا تھا لیکن ہر بار اس کو بڑی خوش اسلوبی سے دبادیا گیا تھا ۱۷۸۴ء کے اواخر میں پھر ایک بار یہاں کے لوگوں نے ٹیپو کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا اس مرتبہ ان کا سرغنہ منمیت رائے تھا جس کی پشت پناہی رنگا نائر کررہا تھا اس علاقہ کا گورنر زین العابدین خان مہدوی بڑا عیاش نکلا اور جب وہ اس بغاوت کو ختم نہیں کرسکا تو ٹیپو نے اپنے فوجی افسر حیدر علی بیگ کو اس مہم پر روانہ کیا لیکن کورگ کے عجیب وغریب جغرافیائی محل وقوع دشوار گزار پہاڑوں اور جنگلات میں چھپ کر اہل کورگ کے شب خون مارنے کی وجہ سے اس کو بھی یہاں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوسکی اور میسوری افواج پسپا ہوگئیں چونکہ ٹیپو کو اپنے والد کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس طرح کے دشوار گزار علاقوں میں جنگوں کا تجربہ تھا اس لئے وہ خود اپنے ساتھ ۲۲ ہزار کی فوج

[1] نشان حیدری از میر حسین علی کرمانی

لیکر اس مہم پر روانہ ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سخت اور گھمسان کی لڑائی کے بعد اہل کورگ کو شکست ہوئی اور کورگ پر سلطان ٹیپو نے دوبارہ قبضہ کرلیا آٹھ ہزار مرد و عورتیں گرفتار ہوئیں اس بغاوت کو دبانے میں سلطان کے ایک معتمد حسین علی خان بخشی کی حکمت عملی نے اہم رول ادا کیا اہل کورگ جب شب خون مارنے کے ارادہ سے جنگلوں میں چھپ جاتے تو وہ اس جنگل کو ہی باہر سے آگ لگادیتا اس طرح اسی میں وہ گھٹ گھٹ کر مرجاتے دوبارہ فتح کے بعد ٹیپو نے اس کا نام بدل کر ظفر آباد رکھا اور زین العابدین خان مہدوی ہی کو تنبیہ کرکے دوبارہ یہاں کا گورنر بحال رکھا اور خود سری رنگا پٹنم واپس چلا آیا محب الحسن صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ سلطان کی دارالسلطنت واپسی کے بعد اہل کورگ نے پھر سر اٹھایا اور سلطان کو دوبارہ پھر کورگ آنا پڑا لیکن امجد علی اشہری محمود بنگلوری اور صادق سردھنوی وغیرہ نے اس پوری مہم کو ایک ہی شمار کیا ہے اور کورگ میں بغاوت کو کچلنے کیلئے صرف ایک بار ٹیپو کی آمد کا ذکر کیا ہے۔

کنانور کی رانی کی اطاعت

اہل کورگ کی بغاوت کو دیکھ کر ماپلہ قوم سے تعلق رکھنے والی کنانور کی مسلم رانی بلیا بانو بھی سلطان کی اطاعت سے نکل گئی تھی اور اس نے بھی اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا تھا لیکن ٹیپو کی کورگ آمد اور اہل کورگ کی شکست دیکھ کر وہ گھبرا گئی اور قیمتی تحائف لیکر جس میں چند ہاتھی بھی تھے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس سے معافی طلب کی اپنا دو سال کا بقیہ خراج بھی ادا کیا اور دوبارہ

سر کشی و بغاوت نہ کرنے کا وعدہ کیا سلطان نے اس سے کہا کہ چونکہ تم عورت ہو اور عورتوں سے لڑنا مردوں کیلئے کوئی جرات کی بات نہیں ہے اس لئے تمہاری بغاوت کو کچلنے کیلئے کوئی فوجی دستہ نہیں روانہ کیا گیا اب تم نے معافی مانگ لی ہے اور دوبارہ اطاعت کا وعدہ کرلیا ہے لہٰذا تم کو معاف کردیا جاتا ہے اس کے بعد وہ کنانور واپس چلی گئی اور آخر تک سلطان کی وفادار رہی۔

قیدیوں کا قبول اسلام

کورگ سے سری رنگا پٹنم میں جو آٹھ ہزار قیدی لائے گئے تھے ان میں بغاوت کے سردار منمیت رائے اور رنگا نائر بھی تھے منمیت رائے یہاں پہنچ کر بیمار پڑگیا اور ٹیپو کی طرف سے خصوصی علاج کے اہتمام کے باوجود بچ نہیں سکا ٹیپو کے حکم سے ان قیدیوں کے آرام وراحت کا خاص خیال رکھا گیا یہاں قیدی بن کر آنے سے پہلے کورگ کے یہ باشندے ہندو مذہب میں پائی جانے والی سماجی و نسلی تفریق اور عدم مساوات سے تنگ آکر تبدیلی مذہب کے لئے تیار ہوگئے تھے اس سے اس وقت ہندوستان میں موجود عیسائی مشنریوں نے فائدہ اٹھایا اور ایک بڑی تعداد میں ان کو اپنے جال میں پھانس لیا ٹیپو نے اس پر اہل کورگ کو لکھا کہ وہ اپنے آبائی مذہب کو نہ چھوڑیں اگر تبدیلی مذہب پر اصرار ہی ہے تو اپنے بادشاہ کے مذہب کو اختیار کریں لیکن ٹیپو کی اس تنبیہ کے باوجود معصوم عوام کی ایک بڑی تعداد نے عیسائیت کو قبول کیا جب یہی لوگ قید ہوکر سلطان کے پاس آئے تو سلطان کو

انہیں سمجھانے کا بڑا اچھا موقع مل گیا اب وہ سلطنت کا حاکم نہیں بلکہ اسلام کا مبلغ و داعی بن گیا اس نے انہیں اسلام کے بارے میں سمجھایا اگر وہ چاہتا تو اپنے اختیار اور طاقت کو استعمال کرکے ان کو اسلام میں جبراً داخل کرسکتا تھا لیکن چونکہ وہ ایک عالم اور اسلام کا سچا سپاہی تھا اس لئے اس نے لااکراہ فی الدین (دین کے سلسلہ میں زبردستی نہیں) کی پالیسی پر عمل کیا سب سے پہلے اس نے ان قیدیوں کے سردار رنگا نائر سے اسلام کے سلسلہ میں گفتگو کی اس کو سمجھایا کہ یہ معبودان باطل جس کی تم خدا کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو جب خود اپنے لئے کسی نفع نقصان کے مالک نہیں تو تمہیں کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں اللہ ہی نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہی عبادت کے بھی لائق ہے مسلمان اسی خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کا نام اسلام ہے اسلام میں سب برابر ہیں حاکم محکوم اور امیر و غریب کی کوئی تفریق نہیں سلطان کی ان باتوں کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ سب سے پہلے رنگا نائر نے خود کہا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں اس کے بعد اس کی تقلید میں دوسرے سرداروں نے بھی اسلام قبول کیا یہاں تک کہ ان ہزاروں قیدیوں کی اکثریت حلقہ بگوش اسلام ہو گئی جو اس کے ساتھ زیر حراست تھی ٹیپو نے رنگا نائر کا نام شیخ احمد رکھا اور اس کی درخواست پر ان سب نو مسلموں کو بھی اپنی فوج میں بھرتی کرکے ان کی ایک علیحدہ بٹالین بنائی ان کے لئے شیر ببر کی کھال سے بننے والی وردی مقرر کی اور اس فوجی دستہ کا نام جماعت احمدی رکھا ان کے سرداروں کو خصوصی انعامات سے نوازا اس طرح یہ قوم اسلام میں داخل ہوکر ایک مہذب و شائستہ قوم بن گئی اہل کورگ کے اسلام قبول کرنے کی یہی وہ حقیقت ہے جس کو توڑ مروڑ کر بعض مورخین نے ٹیپو پر

ہندوؤں کو جبراً مسلمان بنانے کا الزام لگایا ہے۔

مرہٹوں و نظام کی جارحیت و پسپائی

۸۴ء میں جب انگریزوں سے ٹیپو نے صلح کرلی تو ایک طرح سے اس مصالحت کو ملکی سطح پر ٹیپو کی فتح اور انگریزوں کی شکست تسلیم کیا گیا اس معاہدہ سے پورے ملک میں اسکی عظمت کا چرچہ ہونے لگا سلطان کی اس شہرت سے اس کے سیاسی حریف فطری طور پر چراغ پا ہوگئے اس میں سر فہرست نظام حیدر آباد اور مرہٹہ سردار تھے کیونکہ شروع میں ان دونوں کا خیال تھا کہ انگریزوں سے مسلسل جنگ کی وجہ سے سلطنت خداداد کا خاتمہ ہوجائے گا اور سلطان کی فوجی طاقت و قوت ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گی لیکن معاہدہ منگلور کے بعد ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا اس صلح کے بعد ٹیپو پہلے سے کہیں زیادہ فاتحانہ شان میں ان کے سامنے ابھرا مرہٹہ و نظام ذرگئے کہ ٹیپو کی توجہ اب انگریزوں کے بعد کہیں ان کی طرف نہ ہوجائے چنانچہ مرہٹہ سردار نانا فرنویس نے نظام کو خط لکھا کہ انگریزوں سے صلح کے بعد اب خوف ہے کہ ٹیپو کہیں ہم دونوں پر حملہ نہ کردے اس لئے ہمیں متحد ہوکر اس کا مقابلہ کرنا چاہیئے نظام مسلمان ہونے کے باوجود ہوس اقتدار اور ذاتی مفادات کے لئے ایک ابھرتی اسلامی سلطنت کا پہلے ہی سے دشمن تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے پڑوس میں کوئی مسلم حکومت مستحکم ہوکر آگے چل کر خود اس کے وجود کیلئے خطرہ بنے یہی وجہ تھی کہ انگریز اور مرہٹہ

سلطنت میسور کے خلاف ہمیشہ آسانی کے ساتھ اس کی مدد حاصل کرلیتے تھے چنانچہ نظام نے حسب توقع فوراً مرہٹہ سردار کی حامی بھرلی اور اس کے مقابلہ کیلئے تیار ہوگیا اسی بہانہ وہ ٹیپو سے اپنے مقبوضہ علاقے بھی واپس حاصل کرنا چاہتا تھا۔

جنگ کے لئے بہانہ کی تلاش

مرہٹہ افواج سے حیدر علی نے فروری ۸۰ء میں ایک معاہدہ کیا تھا کہ دریائے کرشنا کے جنوبی علاقوں پر اس کے تسلط کو تسلیم کرنے کی صورت میں وہ مرہٹوں کو سالانہ بارہ لاکھ روپیہ اس خطہ کا خراج ادا کریگا حیدر علی کی وفات کے بعد مرہٹہ اپنے اس وعدہ پر برقرار نہیں رہ سکے اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ٹیپو سے مطالبہ کرنے لگے کہ وہ ان علاقوں کو دوبارہ ان کے لئے بحال کردے ٹیپو دو سال سے مرہٹوں کو اس علاقہ کا خراج بھی ادا نہیں کر رہا تھا اسکی وجہ یہ تھی کہ مسلسل چلنے والی جنگ کی وجہ سے سرکاری خزانہ سے اتنی بڑی رقم کی ادائیگی ممکن نہیں تھی۔

۸۴ء میں پھر ایک بار مرہٹہ سرداروں نے چار سال کا بقایا ٹیپو سے طلب کیا سلطان نے ان کے اس مطالبہ کو تو تسلیم کیا لیکن جنگ میں ہونے والے غیر معمولی مالی نقصانات کی وجہ سے ان سے اسکی ادائیگی کیلئے کچھ مہلت طلب کی یہ اس کے اخلاق کا ثبوت تھا ورنہ وہ اپنی طاقت کے بل بوتہ پر اسکی ادائیگی سے انکار بھی کرسکتا تھا لیکن مرہٹوں کو تو ٹیپو سے جنگ کیلئے صرف بہانہ کی تلاش تھی خراج کا مطالبہ محض ایک دکھاوا تھا چنانچہ خراج کی عدم ادائیگی کو بہانہ بنا کر حملہ کے ارادہ

سے مرھٹوں کی اسی ہزار سواروں و چالیس ہزار پیادہ سپاہیوں پر مشتمل فوج نظام حیدر آباد کی نوے ہزار فوج کے ساتھ ملکر میسور کی طرف بڑھی۔

جنگ کو ٹالنے کی ٹیپو کی کوشش

سلطان ٹیپو کو جب اسکی اطلاع ملی تو اس نے پونا میں مرھٹہ سردار نانا فرنویس کو خط لکھا کہ بہتر تھا کہ میرے خلاف محاذ قائم کرنے کے بجائے آپ ملک سے انگریزوں کو نکالنے کیلئے کوئی منصوبہ بناتے اسی طرح نظام سے بھی اس سلسلہ میں خط و کتابت کی اور اس کو لکھا کہ میں تو اپنی زندگی مسلمانوں کی سرخروئی کیلئے وقف کرچکا ہوں بحیثیت مسلمان آپ کو اس میں میرا ساتھ دینا چاہیئے لیکن اس کے برخلاف آپ ایک اسلامی سلطنت کو ختم کرنے کیلئے کوشاں ہیں فریقین میں تعلقات کو استوار کرنے کیلئے ٹیپو نے یہ تجویز بھی رکھی کہ ان کے اور نظام کے خاندان میں شادی بیاہ کا سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ جانبین میں ہمیشہ کیلئے صلح و محبت کا قیام عمل میں آئے لیکن نظام نے اپنے ناعاقبت اندیش مشیران کے کہنے پر اس تجویز کو بھی مسترد کر دیا اور سلطان ٹیپو کے سفیر دربار حیدر آباد سے بے نیل و مرام واپس لوٹے ادھر نظام و مرہٹوں میں بھی بعض شدید اختلافات تھے نظام نے مرہٹوں سے مطالبہ کیا کہ وہ ٹیپو کے خلاف اس جنگ میں ان کی خواہش پر شریک ہو رہا ہے اس لئے جنگ کے اخراجات کے لئے اس کو پیشگی پچیس لاکھ روپے ادا کئے جائیں اور احمد نگر و بیجاپور کے اس کے فوجی قلعے بھی واپس کر دئے جائیں مرہٹوں نے

پورے طور پر اس کے اس مطالبہ کو تو قبول نہیں کیا البتہ یادگیر کے مقام پر نظام سے ایک وقتی معاہدہ کیا جس کے بعد انہوں نے یہ طے کیا کہ فی الحال دونوں مل کر میسور پر دھاوا بول دیں اور سب سے پہلے دریائے تنگ بھدرا و کرشنا کے درمیان کے علاقہ پر قبضہ کی کوشش کریں اس کے بعد دونوں فریق ٹیپو سے اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں کو واپس لینے کی کوشش کریں اور جنگ کے اختتام کے بعد نئے مقبوضہ علاقوں کو برابر آپس میں بانٹ دیں غرض یہ کہ سلطان ٹیپو نے اپنی طرف سے حتی الامکان اس جنگ کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

بادامی کا سقوط

نظام جنگ میں شرکت کے لئے حیدر آباد سے نکلا تھا لیکن چونکہ بزدل تھا اس لئے بہانہ بنا کر راستہ ہی سے واپس چلا گیا اور اپنی فوج کی کمان تہور جنگ کے حوالہ کر دی نانا فرنویس کی مرہٹہ افواج حیدر آبادی فوج سے ملکر سلطنت میسور کے شمالی علاقوں میں تباہی مچاتے ہوئے سب سے پہلے بادامی کی طرف بڑھیں جو اس وقت سلطنت خداداد کی شمالی سرحد کے ایک میدانی علاقہ میں قلعہ بند شہر تھا اس فوجی قلعہ میں اس وقت تین ہزار میسوری سپاہی موجود تھے جنہوں نے ان کی آمد کی خبر سن کر قلعہ کے آس پاس بارودی سرنگیں بچھا دیں تھیں اس کے پھٹنے سے بے شمار دشمن کے سپاہی مارے گئے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس قلعہ کا محاصرہ جاری رکھا اور نو ماہ کے طویل محاصرہ کے بعد وہ کہیں جا کر اس کو فتح کرنے میں

کامیاب ہوگئے لیکن تب تک اٹھارہ سو مرہٹے و حیدر آبادی سپاہی کام آچکے تھے جبکہ میسوری فوج کے صرف چار سو لوگ مارے گئے تھے بادامی کی فتح کے بعد نانا فرنویس مرہٹہ افواج کی کمان ہری پنت کے حوالہ کر کے خود واپس پونا چلا گیا جہاں اس کے حریف پونا دربار میں اس کے خلاف اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر سازشی منصوبے بنا رہے تھے۔

دھارواڑ کے قلعدار کی نمک حرامی

بادامی کی فتح کے بعد متحدہ افواج دھارواڑ کی طرف بڑھیں بادامی میں انہیں میسوری افواج کی ہمت و جرات کا اندازہ ہو چکا تھا اس لئے اب انہوں نے وہاں کے قلعدار کو مال و جاہ کا لالچ دے کر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کی دھارواڑ کا قلعدار حیدر بخش ان کے جال میں پھنس گیا اور صرف تین ہزار روپے کے لالچ میں قلعہ نانا فرنویس کے حوالہ کر کے خود اس نے مع اہل و عیال کے پونا میں جا کر پناہ لی اس طرح بغیر کسی مزاحمت اور خون خرابہ کے دھارواڑ کا یہ مضبوط قلعہ بھی مرہٹوں کے قبضہ میں چلا گیا اس کے بعد مرہٹوں نے کنچن گڑھ اور برگنڈہ وغیرہ کے قلعہ پر بھی وہاں کے قلعداروں کو رشوت دے کر بغیر کسی لڑائی کے قبضہ کر لیا مرہٹوں اور نظام کی اس کامیابی کو دیکھ کر آس پاس کے کئی باج گذار راجاؤں اور پالیگاروں نے بھی ٹیپو کے خلاف بغاوت کر دی۔

ٹیپو کا ادھونی پر حملہ

ٹیپو کو جب متحدہ افواج کی پیشقدمی کی اطلاع ملی تو اب اس کے لئے خود میدان جنگ میں آنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا چنانچہ اس نے جنگی حکمت عملی کے پیش نظر مخالفین کی توجہ کو ہٹانے کے لئے پہلے ۹ شعبان ۱۱۹۹ھ مطابق مارچ ۱۷۸۶ء کو ادھونی کی طرف پیشقدمی کی جو نظام کے زیر تسلط علاقہ تھا اس کے ساتھ دشمن کی دو لاکھ فوج کے مقابلہ میں صرف تیس ہزار سوار اور دس ہزار پیادہ فوج تھی راستہ میں باج گذار راجاؤں اور پالیگاروں کی فوجیں شامل ہوگئیں ادھونی پر نظام کا داماد مہابت جنگ بن بسالت جنگ گورنر تھا نہایت بلندی پر واقع اس قلعہ میں سات ہزار نظام کی فوج موجود تھی ٹیپو نے جب اس پر یلغار کی تو مہابت جنگ گھبرا گیا اور ٹیپو سے صلح کے لئے اپنے نمائندہ اسد علی خاں کو ایک خطیر رقم کے ساتھ اس کی خدمت میں بھیجا وہ اسی بہانہ جنگ کو ٹالنا چاہتا تھا ٹیپو نے جواب دیا کہ مجھے مہابت جنگ سے کوئی دشمنی نہیں لیکن اس کا خسر نظام خواہ مخواہ ایک اسلامی سلطنت کے خاتمہ کے درپہ ہو کر اسلام دشمنوں کے ساتھ مل گیا ہے اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی میں اس کاروائی کے لئے مجبور ہوں ٹیپو کے اس جواب سے ناامید ہو کر اپنے گھر والوں کو وہیں چھوڑ کر مہابت جنگ ادھونی سے بھاگ گیا سلطانی افواج نے بلندی پر واقع اس قلعہ پر اپنی توپوں سے ایسی یلغار کر دی کہ تقریباً پورا قلعہ فتح ہو گیا لیکن ٹیپو کو معلوم ہوا کہ مہابت جنگ اپنی بیوی یعنی نظام کی لڑکی کو بچوں کے ساتھ اس قلعہ میں چھوڑ کر تنہا فرار ہو گیا ہے اس لئے اس نے اپنی شرافت و رحمدلی کا ثبوت دیتے

ہوئے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ نظام کی لڑکی اور بچوں کے اس قلعہ سے نکلنے تک مزید حملہ نہ کریں چنانچہ مہابت جنگ کے اہل خانہ جب قلعہ سے نکل کر رائچور چلے گئے تو اٹھارہ دن کے طویل انتظار کے بعد اس قلعہ پر جواب تک ناقابل تسخیر سمجھا جا رہا تھا قبضہ کرلیا گیا اگر ٹیپو چاہتا تو اس کی لڑکی کو گرفتار کر کے نظام سے اپنے شرائط منوا سکتا تھا لیکن اسکی دینی حمیت وغیرت نے اس کو گوارہ نہیں کیا ادھونی پر حملہ سے سلطان اپنی حکمت عملی میں کامیاب ہو گیا چنانچہ مغربی محاذوں پر مصروف دشمنوں کی افواج ادھونی کو بچانے کی فکر میں اس طرف دوڑ پڑیں لیکن تب تک ٹیپو اس پر قبضہ کر چکا تھا اور متحدہ افواج منتشر ہو چکی تھیں بڑی مقدار میں اسلحہ کے ذخیرہ کے علاوہ دیگر مال غنیمت بھی سلطانی افواج کے ہاتھ لگا قلعہ ادھونی پر قطب الدین خاں کو اور شہر ادھونی پر دولت رائے کو ذمہ دار مقرر کر کے ٹیپو وہاں سے کنچن گڑھ کی طرف چل پڑا اس طرح بادامی کے جس قلعہ کو نو ماہ میں دشمنوں نے فتح کیا تھا اس سے زیادہ مضبوط ادھونی کے قلعہ کو صرف ۱۸ دن میں ٹیپو نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔

کنچن گڑھ پر قبضہ اور راجکمار کا قبول اسلام

ادھونی پر قبضہ کے بعد ٹیپو نے کنچن گڑھ کا رخ کیا یہاں کا راجہ بھی میسور کا باج گذار تھا اس کے مرنے کے بعد اس کی جانشینی کے لئے کسی بڑے لڑکے کے نہ ہونے کی وجہ سے اسکی بیوی نے خود اقتدار سنبھال لیا تھا بادامی کے سقوط کے بعد مرھٹوں کی شہ پر اس نے بھی ٹیپو کے خلاف بغاوت کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان

کر دیا تھا لیکن سلطان کی اس کو سبق سکھانے کیلئے آمد کی اطلاع سن کر وہ گھبرا گئی اور بھاگ کر اس نے پونا میں جا کر پناہ لی جس کے بعد اس کے وزراء نے مجبوراً اس کے بارہ سالہ نو عمر بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا سلطان جب کنچن گڑھ پہنچا تو یہ کم عمر راجہ بھی گھبرا گیا اور بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ کی کنجی اس نے ٹیپو کے حوالہ کر دی سلطان نے اس مہم کے دوران وہاں کے عوام اور راجکمار کے خاندان والوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا چنانچہ ٹیپو کے اس غیر معمولی اخلاق سے متاثر ہو کر ۱۲ سالہ راجکمار نے اسلام قبول کر لیا ٹیپو نے اس کا نام مردان علی رکھا اس طرح بغیر کسی خون خرابہ کے کنچن گڑھ کو بھی ٹیپو نے دوبارہ اپنے قبضہ میں لے لیا۔

اپنے ہی سپاہیوں کی بد اخلاقی پر سزا

کنچن گڑھ پر قبضہ کے بعد ٹیپو نے بغیر کسی جنگ کے سوندور کے ہندو قلعدار کو بھی جو بغاوت پر آمادہ ہو گیا تھا اپنی اطاعت پر دوبارہ آمادہ کر لیا اس کے معافی مانگنے پر اس کو ٹیپو نے قلعدار بحال رکھا اسی طرح مرہٹوں کے قبضہ والا کمپلی کا علاقہ بھی ایک سخت مقابلہ کے بعد سلطانی افواج کے قبضہ میں آگیا اس مہم میں دو ہزار مرہٹے فوجی مارے گئے اور اس سے زیادہ گرفتار ہوئے جبکہ میسوری افواج کو صرف سوا سو جانوں کا نقصان برداشت کرنا پڑا کمپلی میں ہندو مسلم دونوں کی مشترک آبادی تھی اور وہ پیشہ کے اعتبار سے جولاہے تھے ان سب کی مالی حالت بھی مجموعی طور پر اچھی تھی فتح کی خوشی میں میسوری افواج کے کچھ بدمعاش سپاہیوں نے جس میں ہندو

مسلم دونوں شامل تھے یہاں کے لوگوں کے گھروں میں گھس کر بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا اور خواتین کی عصمتیں لوٹیں بعض کنواری لڑکیوں نے اپنی عزت بچانے کے لئے قریب ہی واقع دریا تنگبھدرا میں کود کر خود کشی بھی کرلی سلطان ٹیپو کو جب اسکی اطلاع ملی تو اس نے فوری تحقیقات کا حکم دیا پچاس سپاہی مجرم پائے گئے ان سب کو بلاتمیز مذہب دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے سب کے سامنے گولیوں سے اڑا دیا گیا۔

ٹیپو کی ولایت کا مظاہرہ

کمسلی کی فتح کے بعد ٹیپو نے دھارواڑ کا رخ کیا جو دریائے تنگ بھدرا کے اس پار تھا وہاں نظام اور مرہٹوں کی افواج ٹیپو پر حملہ کے لئے جمع تھیں رمضان المبارک کا مہینہ ختم ہورہا تھا مختلف محاذوں پر مسلسل مصروف رہنے کے باوجود ٹیپو روزے بھی رکھ رہا تھا اور مسلم سپاہیوں کو بھی اس کی ترغیب دیتا تھا راستہ ہی میں عیدالفطر بھی منائی گئی اب سلطان ٹیپو دریا عبور کرکے متحدہ افواج کے مقابلہ کے لئے بے چین تھا لیکن چونکہ بارش کا زمانہ تھا اس لئے دریا میں طغیانی آگئی تھی پھر بھی سلطان ٹیپو دریا عبور کرکے متحدہ افواج کے مقابلے کے لئے بے چین تھا لیکن اس کے لئے بظاہر کوئی سبیل نظر نہیں آرہی تھی ٹیپو کو اس وقت حضرت عمرو بن العاص کا قصہ یاد آگیا جب دریائے نیل خشک ہوگیا تو اس میں حضرت عمر فاروق کے حکم سے ایک پرچی ڈالی گئی کہ اگر تو خدا کے حکم سے اب تک جاری تھا تو اب

بھی جاری رہ ورنہ خشک ہو جا اس کے بعد دریائے نیل فوراً جاری ہوگیا سلطان ٹیپو کو یقین تھا کہ سچے مسلمان کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے اب بھی تاثیر رکھی ہے اس نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ دشمن کے مقابلہ کے کیلئے یہ دریا میرے راستہ میں رکاوٹ بن گیا ہے تو اس کی طغیانی کو ختم کردے پھر سپاہیوں نے ٹیپو کے حکم سے اسمیں اکیس گولے داغے گولوں کا پھٹنا تھا کہ اچانک دریائے تنگبھدرا کی طغیانی میں کمی آنے لگی اور تھوڑی ہی دیر میں دریا کا پانی گھٹ گیا اس کو سلطانی افواج نے ٹیپو کی کرامت قرار دیا اور فرط مسرت سے سب نے اللہ اکبر کے پرشور نعرے بلند کئے اس واقعہ کا عوام پر بھی غیر معمولی اثر ہوا سلطان کی ہر جگہ شہرت ہوگی اور غیر مسلم بھی اب اسکی ولایت کے قائل ہوگئے۔

دریا پار مرہٹوں پر شب خون

جب دریا میں طغیانی کم ہوئی تو ٹیپو نے بعد نماز عشاء اندھیرے میں دو ہزار پیادہ فوج اور دو ہزار سواروں کو لیکر دریا پار کر دیا ساتھ میں توپ خانہ بھی تھا طغیانی کو کم کرنے کیلئے مارے گئے توپوں کی آواز سے پہلے ہی اس پار موجود مرہٹے سپاہی گھبرا گئے تھے اور ان کا سپہ سالار اپنے بارہ ہزار سپاہیوں کو لے کر شاہ نور فرار ہوگیا تھا پھر بھی ہزاروں سپاہی اب بھی موجود تھے چنانچہ سلطانی افواج نے رات کے وقت ان کے کیمپوں میں موجود مرہٹے و حیدر آبادی سپاہیوں پر ایسا شب خون مارا کہ ایک ہزار سپاہی اسی وقت موت کے گھاٹ اتر گئے اور اس سے زیادہ زخمی ہوئے سات

سو گھوڑے پچاس ہاتھی اور بے شمار نقدی جس کو وہ بد حواسی میں اپنے پیچھے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے مال غنیمت میں سلطانی افواج کے حصہ میں آئے بچ جانے والے سپاہیوں نے شاہ نور میں اپنے سپہ سالار کے پاس جاکر پناہ لیں جو ڈر کر پہلے ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔

مرہٹوں سے دوبارہ مزاحمت اور ٹیپو کی کامیاب جنگی چال

مرہٹوں پر کامیاب شب خون مارنے کے بعد دوسرے دن صبح ٹیپو اپنے سپاہیوں کے ساتھ دریا کے اس پار آگیا اور دریا کے کنارہ ہی خیمہ زن ہو گیا ادھر سلطانی خیمہ سے صرف چار فرسنگ کے فاصلہ پر مرہٹہ فوج کا ایک دستہ سلطانی افواج پر حملہ کی تاک میں تھا ٹیپو نے دشمن کے ارادوں کو بھانپ لیا اور مقابلہ کی تیاری شروع کردی ایک اونچے ٹیلہ کے نیچے دو ہزار سوار بندوقچیوں کو چھپادیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اس کے اشارہ کے بغیر اپنی کمین گاہ سے بالکل نہ نکلیں اسی کمین گاہ میں اس نے کئی عدد توپ بھی نصب کردیئے اور اس کو خودرو جھاڑیوں سے چھپا کر اس کی حفاظت کیلئے ڈھائی سو فوجیوں کو بھی متعین کردیا ان سب انتظامات کے بعد سلطان خود اپنی فوج لیکر ان مرہٹوں کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا فوج کے ہراول دستہ کو جس میں سب سے آگے غازی خاں ولی محمد خاں کابلی، ابراہیم خاں اور حسین علی خاں وغیرہ تھے یہ حکم دیا کہ وہ مرہٹوں کے حملہ کے وقت اس طرح پیچھے ہٹیں کہ گویا ان کو شکست ہو رہی ہو اس کے بعد دشمن کو اس کمین گاہ تک لے

آئیں جہاں توپیں نصب ہیں اور بندوقچی چھپے ہوئے ہیں چنانچہ جب مقابلہ شروع ہوا تو حسب حکم سلطان میسوری افواج پیچھے ہٹنے لگیں اور مرہٹہ افواج آگے بڑھنے لگیں فتح کے نشہ میں اپنے توپ خانہ کو بھی مرہٹوں نے پیچھے چھوڑ دیا جیسے ہی سلطان کے ہراول دستہ نے ان مرہٹوں کو اس ٹیلہ تک پہنچا دیا جہاں توپیں نصب تھیں تو ٹیپو نے فوراً حکم دیا کہ توپوں کے دہانے کھول دئے جائیں پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں مرہٹہ سپاہی زمین پر گر گئے اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ ٹیلہ کے اس پار چھپے ہوئے بندوقچی بھی ان پر یلغار کر رہے تھے ہزاروں مرہٹوں میں سے بمشکل دو تین سو سپاہی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے جب مرہٹوں کے فوجی کیمپ میں ان کے افسران تک یہ اندوہناک خبر پہنچی تو وہ بھی حواس باختہ ہو کر اپنا کیمپ چھوڑ کر بھاگ گئے جس کے بعد سلطانی افواج نے ان کے کیمپوں پر بھی قبضہ کرلیا ہزاروں گھوڑے اونٹ اور ہاتھی میسوریوں کے ہاتھ لگے اور بے شمار اسلحہ پر بھی سلطانی افواج نے قبضہ کرلیا اس طرح ٹیپو کی یہ جنگی چال بڑی کامیاب رہی اس فتح کی خوشی میں ٹیپو نے مال غنیمت کا ایک بڑا حصہ اس مہم میں شریک اپنے سپاہیوں میں اسی وقت تقسیم کر دیا۔

دشمنوں کی پے درپے شکست اور سلطانی افواج کی ذہانت

مرہٹوں سے دوبارہ مزاحمت کے بعد ٹیپو کا قیام مرہٹوں کے مقبوضہ کیمپوں ہی میں رہا اس دوران جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ کنک ندی کے اس پار مرہٹہ افواج

دوبارہ جمع ہورہی ہیں تو سلطان نے بالاپور کی ندی کے کنارہ اپنا کیمپ منتقل کر دیا اور دشمنوں کے کیمپوں پر شب خون مارنے کے لئے فاضل خاں، امام خاں اور میر محمود کو فوجی دستے دے کر بھیجا ان کے لئے دس ہزار سپاہیوں کی ایک کمک بھی غازی خاں اور قادر خاں کی قیادت میں بھیجی ان لوگوں نے دشمنوں کو ایسا چکمہ دیا کہ خود سلطان ٹیپو بھی ان کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکا وہ رات کے وقت مرہٹوں کے بھیس میں ان کے کیمپ میں گئے جب کیمپ میں گشت پر مامور مرہٹہ سپاہیوں نے ان سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو تو انہوں نے مرہٹی زبان ہی میں جواب دیا کہ ہم مغل ہیں اور ٹیپو کی افواج کے خلاف آپکی مدد کیلئے رائچور سے آئے ہیں یاد رہے کہ مرہٹی زبان میں مغل حیدر آبادیوں کو کہا جاتا تھا اور یہ لوگ اس وقت تک میسور کے خلاف مرہٹوں کے فوجی حلیف تھے اسکے بعد وہ مرہٹوں کے کیمپوں میں داخل ہو گئے رات کا وقت تمام پڑے سو رہے تھے میسوری سپاہیوں نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں سپاہی وہیں ڈھیر ہو گئے اور جو بچ گئے انہوں نے جان بچا کر بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی صبح تک ان کیمپوں پر سلطانی افواج کا قبضہ ہو گیا۔

قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک

ٹیپو کے حکم سے ان قیدی عورتوں اور بچوں کو علٰحدہ خیمے نصب کر کے عزت واحترام کے ساتھ رکھا گیا چند دنوں کے بعد ٹیپو نے ان عورتوں کو ان کے شایان شان عمدہ لباس اور بچوں کو سونے کے کڑے بطور انعام دے کر اپنے ذاتی محافظوں

کی نگرانی میں پالکیوں میں ان کے ٹھکانوں پر روانہ کر دیا ان خواتین نے جاکر اپنے مرہٹے سرداروں سے ٹیپو کے حسن سلوک اور اخلاق کا تذکرہ کیا مرہٹہ سرداروں میں سے ہری پنڈت اور راستیا مادھوا پٹ کیلئے سات گھوڑے چار ہاتھی اور نقدی کے علاوہ کچھ ہیرے، جواہرات بھی ٹیپو کی طرف سے روانہ کیے گیے تاکہ اس کی اس شرافت اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر وہ آئندہ ٹیپو کے خلاف جارحیت کے اپنے ارادوں کو ترک کر دیں لیکن ان بدمعاشوں پر ٹیپو کی اس شرافت کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ حسب سابق اس کے بعد بھی ٹیپو کے خلاف انگریزوں کی سازشوں میں شریک ہی رہے۔

ایک اور معرکہ آرائی

اس مہم میں مرہٹوں کو تیسری بار شکست دے کر ٹیپو نے اس جگہ کیمپ کیا جہاں دریائے تنگ بھدرا پالا ندی سے جاملتا ہے ادھر مرہٹوں کی شکست خوردہ فوج حیدر آبادی سپاہیوں کے ساتھ ٹیپو کے کیمپ سے صرف دو فرسنگ کے فاصلہ پر شاہ نور کے نواح میں جمع ہو رہی تھی اسی دوران بدنور کے گورنر بدر الزماں خان نائطہ سامان رسد لیکر ٹیپو کے پاس آگیا ۶/۵ روز کے بعد ٹیپو نے اپنی فوج کو دوبارہ ترتیب دے کر دشمنوں پر حملہ کے لئے روانہ کیا مشرق کی طرف میر معین الدین کی قیادت میں میمنہ اور مغرب کی طرف شیخ برہان الدین کی قیادت میں میسرہ روانہ کر کے خود بھی دشمن کے قلب فوج پر دھاوا بولنے کے لئے ایک دستہ لے کر نکلا تینوں نے مل

کر رات کے اندھیرے میں دشمن کے کیمپ پر ایسا شب خون مارا کہ قیامت برپا ہو گئی توپ کے گولوں سے ہزاروں مرہٹہ و حیدر آبادی سپاہی تڑپ تڑپ کر وہیں ڈھیر ہو گئے جو بچ گئے وہ بھاگ گئے مرہٹہ سردار ہری پنڈت اور راستیا بادہو با پتی بھی بد حواس ہو کر فرار ہو گئے دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کا سارا کیمپ خالی ہو گیا قریب ہی ایک فرسنگ کے فاصلہ پر مرہٹوں کا ایک اور فوجی دستہ مقیم تھا ٹیپو کے حکم سے شیخ حامد، شیخ انصار اور احمد بیگ وغیرہ نے ان کی بھی خبر لی اور ان کے توپ خانہ پر قبضہ کر لیا اس پورے معرکہ میں دشمن کے سات ہزار سپاہی کام آگئے اور بے حساب مال غنیمت بھی ہاتھ لگا جس کا ایک بڑا حصہ ٹیپو کے حکم سے اسی وقت فوجیوں میں تقسیم کیا گیا۔

شاہ نور کی تسخیر

اس عظیم کامیابی کے بعد ٹیپو نے ہبلی اور کورگ کے قریب شاہ نور کا رخ کیا وہاں کا نواب عبدالحکیم خاں سلطنت خداداد کا باج گذار تھا ۱۷۷۶ء میں وہ ایک دفعہ حیدر علی کے خلاف بغاوت کر کے مرہٹوں سے ساز باز کر چکا تھا حیدر علی اس کو سبق سکھانا چاہتا ہی تھا کہ اس نے معافی مانگ لی حیدر علی نے اس کو در گزر کر کے چار لاکھ روپے سالانہ خراج کے عوض بدستور شاہ نور کا نواب رہنے دیا مرہٹوں نے اس سے اس کا جو علاقہ چھین لیا تھا حیدر علی نے دوبارہ اس کو فتح کر کے اس کو لوٹا دیا لیکن اس نے حیدر علی کی وفات کے بعد پھر ایک بار مرہٹوں کی شہ پا کر ٹیپو کے خلاف بغاوت

کر دی اور مرہٹوں و نظام سے مل گیا حالانکہ حیدر علی نے اپنے چھوٹے فرزند کریم شاہ کا نکاح نواب شاہ نور کے خاندان میں کر دیا تھا لیکن ان سب کے باوجود وہ بے وفا ہی نکلا سلطان ٹیپو اب اس سے مقابلہ کیلئے مجبور تھا شکست خوردہ مرہٹہ سرداروں نے بھی اس کے پاس پناہ لے رکھی تھی لیکن سلطان کے شاہ نور کی طرف بڑھنے کی اطلاع پا کر وہ وہاں سے بھاگ گیے نواب عبدالحکیم خان نے بھی جب دیکھا کہ مرہٹہ سردار اس کو چکمہ دے کر وہاں سے کھسک چکے ہیں تو خود بھی اپنے بیٹے عبدالخبیر خان کو شاہ نور حوالہ کر کے بھاگ گیا شہر پر قبضہ کرنے کیلئے ٹیپو نے سید حامد، سید عبدالغفار، میر صادق اور مہدی علی بخش وغیرہ کو آگے بھیجا جنہوں نے ۲/۱ اکتوبر ۱۷۸۶ء کو بغیر کسی خون خرابہ کے اس پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا عبدالخبیر خان کو نظر بند کیا گیا لیکن ٹیپو کے حکم سے اس کے آرام و راحت کا ہر طرح سے خیال رکھا گیا۔

میسوری افواج مختلف محاذوں پر

شاہ نور کی تسخیر کے بعد ٹیپو نے جب اپنی فوج کا از سر نو جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ باج گزار نوابوں اور راجاؤں کی مختلف افواج کو شامل کر کے اب بھی اس کے پاس ایک بڑی فوج موجود ہے اس سے اس کی ہمت اور بڑھی اور اس نے از سر نو پوری فوج کو ترتیب دے کر اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا ایک حصہ کو خود اپنے ساتھ رکھ کر باقی چار حصوں کو بالترتیب میر معین الدین خان برہان الدین خان مہا مرزا خان اور حسین علی خان کے حوالہ کر دیا ہر دستہ میں ۲۵ ہزار سوار اور ۱۵ ہزار

پیادہ سپاہی تھے جبکہ ٹیپو کے پاس صرف دس ہزار سوار اور اس سے کم پیدل فوجی تھے ان چاروں دستوں کو پونا حیدر آباد اور رائچور وغیرہ کی طرف روانہ کیا گیا برہان الدین نے بنکاپور اور مصری کوٹہ پر حملہ کر کے ان دونوں مضبوط قلعوں پر قبضہ کر لیا میر معین الدین خاں کی زیر قیادت سلطانی افواج نے اپنے ماتحت افسران سید عبدالغفار اور سید حامد کے ساتھ مل کر چندرگی واگھ کو فتح کر لیا حسین علی خاں اور مہامرزا خاں کے دستوں نے ٹیپو کے ساتھ مل کر نظام اور مرہٹہ افواج پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ ان کی صفیں الٹ گئیں مرہٹہ سردار ہری پنڈت بھاگ گیا اور سینکڑوں سپاہی مارے گئے میسوری افواج سامان رسد لے کر اپنے کیمپوں کی طرف آ رہی تھیں کہ مرہٹہ سپاہیوں نے راستہ ہی میں چھاپہ مار کر اس پر قبضہ کر لیا سلطان کو جب اس کی خبر پہنچی تو مرہٹہ سردار راجہ تکوجی راؤ ہلکر اور اس کے دستہ پر اس نے ایسا حملہ کیا کہ وہ بد حواس ہو کر بھاگ گیا کچھ لوگ مارے بھی گئے اس کے بعد حسین علی خاں، مہدی خاں اور مہا مرزاں نے مشترکہ طور پر دشمن کی متحدہ افواج پر دھاوا بول دیا جس سے دشمنوں میں ابتری پھیل گئی نظام حیدر آباد کی فوج کا سپہ سالار سیف جنگ بھی سراسیمگی کے عالم میں فرار ہو گیا مرہٹہ سرداروں کی بیگمات اور دیگر خواتین کو جو قیدی بن گئی تھیں ٹیپو نے انعامات دے کر باعزت طریقہ پر پونا ان کے شوہروں کے پاس روانہ کر دیا مال غنیمت میں سے ایک چوتھائی حصہ اسی وقت اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا اور سپاہیوں کو دو ماہ کی زائد تنخواہ بھی بطور انعام دے دی گئی۔

مصالحت

ٹیپو کے اس اخلاق و نرمی سے فائدہ اٹھا کر پونا کے باہر مقیم مرہٹہ سپہ سالار ہری پنڈت اور راجہ ہلکر نے نانا فرنویس پر صلح کے لئے زور ڈالنا شروع کیا ان کا کہنا تھا کہ اب جنگ بندی اور صلح نہ ہو تو خطرہ ہے کہ جلد ہی سلطانی افواج پونا تک بھی پہنچ سکتی ہیں ٹیپو کو جب مرہٹوں کے صلح کے رجحان کا علم ہوا تو اس نے بدرالزماں خاں نائطہ کو قیمتی تحائف و ہیرے جواہرات کے ساتھ پونا مرہٹہ سرداروں کے پاس روانہ کیا بدرالزماں خاں نے سلطان کی طرف سے عوام کی مشکلات کی وجہ سے مصالحت پر آمادگی کا اظہار کیا مرہٹہ تو پہلے ہی سے اس کے انتظار میں تھے انہوں نے فوراً اس کو قبول کیا اور خود بھی جواباً قیمتی تحائف ٹیپو کی خدمت میں روانہ کئے۔

صلح کی اہم دفعات

اپریل ۱۷۸۷ء کو فریقین کے نمائندوں نے امن کے جس معاہدہ پر دستخط کئے اس کے اہم نکات و دفعات مندرجہ ذیل تھے۔

۱) صلح کے بعد بطور انعام ٹیپو نرگنڈہ اور بادامی وغیرہ کے علاقے مرہٹوں کو واپس کر دے
۲) ٹیپو کے تمام مقبوضہ علاقے مرہٹہ اس کو واپس کر دیں
۳) آئندہ سے مرہٹہ بھی ٹیپو کو بادشاہ کے لقب سے مخاطب کریں
۴) سلطان ٹیپو مرہٹوں کو ۴۰ لاکھ روپئے بطور تاوان کے جو باقی تھے ادا کرے

اس صلح کے بعد مرہٹوں نے ٹیپو سے درخواست کی کہ وہ شاہ نور کے نواب کو دوبارہ اس کے عہدہ پر بحال کر دے سلطان نے ان کی اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے عبدالحکیم خاں کو شاہ نور کے نواب کے عہدہ پر بحال کر دیا اور اس کے نظر بند بیٹے عبدالخبیر خاں کو بھی رہا کر دیا اس پوری صلح میں مرہٹہ سردار ہری پنڈت کا ہاتھ تھا اس لئے ٹیپو نے کنجن گڑھ اس کو بطور جاگیر دے دیا راے درگ کے راجہ نے بھی اس دوران بغاوت کر دی تھی اس صلح کے بعد وہ بھی گھبرا کر اطاعت پر آمادہ ہو گیا لیکن سلطان ٹیپو نے اس کو گرفتار کر کے بینگلور بھیج دیا چونکہ اس جنگ میں نظام حیدر آباد بھی مرہٹوں کے ساتھ شریک تھا اسلئے صلح کا اس پر بھی اطلاق ہوا اور وہ شرائط اس پر بھی لاگو ہو گئیں۔

گیارہواں باب

داخلی امور سلطنت پر توجہ اور خلافت عثمانیہ میں سفارت کی روانگی

دارالسلطنت واپسی اور جشن فتح

مرہٹوں سے صلح کے بعد ٹیپو دارالسلطنت سری رنگا پٹنم کی طرف روانہ ہوا اس صلح کو خود مرہٹہ و نظام بھی ٹیپو ہی کی فتح تصور کر رہے تھے اس لئے اس کی دارالسلطنت واپسی بھی فاتحانہ انداز سے ہو رہی تھی راستہ میں بینگلور میں اس نے پندرہ روز قیام کیا اس کے بعد جمعہ کے روز جب وہ سری رنگا پٹنم پہنچا تو جشن فتح دھوم دھام سے منایا گیا مسلمانوں کے علاوہ خود ہندو عوام نے بھی اس کا شاندار استقبال کیا لاکھوں روپے فقراء و مساکین میں تقسیم کئے گئے مسلسل ایک ماہ تک ان کو کھانا کھلایا گیا فوجیوں اور دیگر سرکاری ملازمین کو بھی سلطان کی طرف سے خصوصی انعامات دیئے گئے افسران فوج کو ترقی دی گئی شہر کی تمام خواتین کو سرکار کی طرف سے ایک ایک جوڑا کپڑا دیا گیا پورے شہر والوں کی دعوت کی گئی مرہٹوں سے معاہدہ کے مطابق اب ٹیپو نے اپنے لئے بادشاہ کا لقب استعمال کرنا شروع کیا اور جمعہ کے خطبوں میں بھی مغل بادشاہ کی جگہ اس کا نام لیا جانے لگا۔

مملکت کے نظم و نسق کی طرف توجہ

جشن فتح سے فارغ ہو کر سلطان نے نظم سلطنت کی طرف توجہ دی سرکاری خزانہ کا جائزہ لیا اسکی غیر موجودگی میں میر صادق حکومت کا دیوان تھا سلطان کو اطلاع ملی کہ اس نے خزانہ میں خورد برد کی ہے تحقیق کی گئی تو اس کے گھر سے ایک لاکھ اشرفیاں اور دس لاکھ روپے نقدی کے علاوہ بے شمار جواہرات بھی برآمد ہوئے رعایا

بھی اس کے ناروا سلوک ظلم و ستم اور رشوت ستانی کی وجہ سے نالاں تھی اس لئے سلطان نے اس کو اس کے عہدہ سے معزول کر کے قید کر دیا اور اس کی جگہ مہدی علی خان نائطہ کو دیوان مقرر کیا ایک نیا سکہ بھی جاری کیا اور اس کا نام احمدی رکھا اس سکہ کی ایک پشت پر لکھا تھا کہ دین احمد در جہاں روشن از فتح حیدر راست کہ اسلام کو حیدری فتوحات سے عزت ملی دوسری پشت پر یہ عبارت تھی ہوالسلطان الوحید العادل سنہ ہجری کی جگہ سنہ احمدی کا آغاز کیا جس کی ابتداء ہجرت نبوی کے بجائے آغاز نبوت سے ہوتی تھی ہر قلعہ اور قصبہ و شہر میں ایک ایک میل کے فاصلہ پر کانٹوں کی الگ الگ باڑھ لگادی گئی اور اسمیں چار چار دروازے بنا کر پہرے بھی بٹھا دیئے گئے تا کہ کوئی غیر متعلق شخص بغیر اجازت کے قلعہ یا شہر میں داخل نہ ہو سکے اسی طرح سلطنت کی پوری سرحدوں کو بھی خاردار تاروں سے گھیر دیا گیا اور اسکی حفاظت کیلئے بارہ ہزار پیدل اور دس ہزار سوار سپاہیوں کو متعین کیا گیا۔

تخت شاہی کی تجدید

نواب حیدر علی نے اپنے لئے کوئی شایان شان شاہی تخت نہیں بنوایا تھا اور خود ٹیپو کو بھی اب تک اس کے لئے فرصت نہیں مل سکی تھی اس لئے اس نے امن کا فائدہ اٹھا کر اور خلیفہ روم سے اپنی بادشاہت کی توثیق کے بعد شیر کی شکل کا ایک عمدہ اور سونے کا قیمتی تخت بنوایا اس کو خوبصورت ہیرے جواہرات سے مزین

کیا گیا تھا اس کو بنوانے کیلئے فرانس کے ماہر کاریگروں کی بھی مدد لی گئی تھی سلطان جب اسس تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوتا تو معلوم ہوتا تھا کہ شیر کی پشت پر بیٹھا ہے ۱۷۹۹ء میں ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریزوں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسکو انگلستان منتقل کر دیا جس کی تفصیلات اگلے صفحات میں ٹیپو کی شہادت کے بعد آرہی ہیں۔

یونیورسٹی کا قیام

ٹیپو کے والد حیدر علی اگرچہ ناخواندہ تھے لیکن انہوں نے اپنے بیٹے کو ہر علم وفن سے آراستہ کیا تھا اس طرح خود ٹیپو کو تعلیم کی اہمیت کا غیر معمولی اندازہ تھا چونکہ اس وقت پوری سلطنت خداداد میں مجموعی طور پر ناخواندگی کی شرح بہت زیادہ تھی اس لئے اس نے سری رنگا پٹنم ہی میں جامع الامور کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی جہاں بیک وقت دینی و دنیاوی دونوں طرح کی تعلیم کا نظم تھا اور سرکار کی طرف سے ہر علم وفن کے ماہرین کو اعلیٰ تنخواہ پر یہاں مقرر کیا گیا تھا۔

مسجد اعلیٰ کی تعمیر

دار السلطنت کے اس قیام کے دوران ٹیپو کو اس فقیر درویش سے کیا گیا وہ وعدہ یاد آگیا جو اس نے ۹/۱۰ سال کی عمر میں اس سے کیا تھا جس کے مطابق بادشاہ بننے کے بعد اس کو سری رنگا پٹنم کے میدان میں جہاں وہ اس وقت کھیل رہا تھا ایک

شاندار مسجد تعمیر کرنی تھی وہ جگہ شاہی محل سے متصل تھی چنانچہ اس نے اس جگہ بیجاپور کی عادل شاہی مسجد کے طرز پر ۱۲۰۲ھ مطابق ۱۷۸۷ء میں مسجد کی تعمیر شروع کی دو سال میں مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی اور چھ لاکھ روپئے اس پر خرچ ہوئے اس کے مینار اس قدر بلند تھے کہ قلعہ کی فصیل کے باہر سے ہی نظر آتے تھے مسجد اقصیٰ کے وزن پر اس کا نام مسجد اعلیٰ رکھا گیا ماہر خطاطوں سے اس مسجد میں چار کتبے تحریر کئے گئے ایک میں تعمیر مسجد کی تاریخ تھی دوسرے میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ تھے تیسرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ننانوے اسماء گرامی تھے اور چوتھے میں جہاد کے احکام درج تھے سلطان کا خیال تھا کہ وہ اپنے محل سے جب مسجد میں آئے گا تو بحیثیت بادشاہ اس کی تعظیم کے لئے لوگ کھڑے ہونگے اور اس سے نمازیوں کو بھی تکلیف ہوگی اس لئے اس نے قصر شاہی سے مسجد میں آنے کے لئے شمالی جانب ایک الگ دروازہ بنوایا جہاں سے وہ خاموشی سے مسجد میں داخل ہوتا اور لوگوں کو اس کی آمد کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

ٹیپو کی بزرگی اور لوگوں کی حیرت

۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۹۰ء کو عید الفطر کے دن اس مسجد کا باقاعدہ افتتاح کیا گیا[1] سلطان کی دعوت پر پوری سلطنت کے علماء و مشائخ بھی جمع تھے ٹیپو کی خواہش تھی کہ کوئی ایسا بزرگ اس مسجد کا افتتاح کرے جو صاحب ترتیب ہو یعنی بلوغ کے بعد

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد نمبر ۶

جس کی کوئی فرض نماز قضاء نہ ہوئی ہو حاضرین میں جن میں علماء و مشائخ وقت کی بھی ایک بڑا تعداد موجود تھی کسی کو بھی اس بات کا یقین نہیں تھا کہ وہ صاحب ترتیب ہے جب کوئی صاحب ترتیب نہیں نکلا تو خود سلطان نے آگے بڑھ کر امامت کی اور کہا کہ میں الحمد للہ صاحب ترتیب ہوں لوگوں کو جب ٹیپو کی اس بزرگی کا علم ہوا تو حیرت کی انتہا نہ رہی اس لئے کہ جنگوں میں مسلسل مصروف رہنے کی وجہ سے بڑے عالم سے بھی نماز کے قضاء ہونے کا امکان تھا۔

کارخانوں کا قیام

ٹیپو کو اپنی جانشینی کے بعد سے اب تک اپنی رعایا کی معاشی فلاح و بہبودی کی طرف توجہ دینے کا موقع نہیں مل سکا تھا اس لئے اس نے اب اپنی فرصت و فراغت سے فائدہ اٹھا کر بینگلور بدنور چتل درگ اور سری رنگا پٹنم میں چار بڑے کارخانے قائم کئے جہاں ہتھیار سازی اور برتنوں کے علاوہ گھڑی سازی اور قینچیوں کا کام بھی ہوتا تھا ان کارخانوں کے قیام سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ضرورت کی ہر چیز اب سلطنت خداداد میں تیار ہونے لگی درآمدات پر انحصار کم ہونے لگا سلطنت میں تیار کردہ چیزیں برآمد بھی ہونے لگیں دوسری طرف ہزاروں بے روزگاروں کے مسائل بھی اس سے حل ہوئے ان کارخانوں میں ماہر کاریگر فرانس اور برطانیہ سے منگوا کر مقامی لوگوں کی رہنمائی و تربیت کے لئے بڑی بڑی تنخواہوں پر رکھے گئے۔

خلافت عثمانیہ کے پاس سفارت کی روانگی

سلطان ٹیپو جس طرح محب وطن تھا اس سے بڑھ کر محب اسلام تھا اسی لئے وسیع تر اسلامی مفادات کے لئے اتحاد بین المسلمین اس کی زندگی کا نصب العین بن گیا تھا یہی وجہ تھی کہ نظام حیدر آباد و نواب کرناٹک سے ٹکراؤ سے اس نے حتی الامکان گریز کیا نظام کے پاس بار بار دائمی اتحاد کے خاطر اپنے سفیر روانہ کئے نظام کے نام اس سلسلہ میں اس کے مختلف خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر اسلامی اتحاد کے جذبات کس قدر موجزن تھے ۸۴ء میں نظام کے نام لکھے گئے اپنے ایک خط میں ٹیپو نے تحریر کیا کہ میں اسلامی سلطنتوں کو ہمیشہ تقویت پہنچانا چاہتا ہوں اور اپنی جان و مال بھی اسلام کے خاطر قربان کرنا چاہتا ہوں اس لئے ان حالات میں تمام مسلمانوں کو میرے خلاف ہونے کے بجائے میرا ساتھ دینا چاہئے طرفین میں اتحاد و اتفاق کے لئے میں دو خاندانوں میں شادی بیاہ کے لئے بھی تیار ہوں تاکہ دونوں اسلامی سلطنتوں میں اتحاد کا سب کو یقین ہو جائے لیکن افسوس کہ ان حکمرانوں کی خود غرضی نے ہمیشہ انکو ٹیپو کا سیاسی حریف ہی بنائے رکھا اپنے ہم وطنوں و ہم مذہب سلاطین سے مایوس ہو کر اس نے انگریزوں کے خلاف اپنی جنگ میں فرانسیسیوں سے مدد لی لیکن ان کے اپنے داخلی مسائل کی وجہ سے ان کی دوستی بھی دیرپا نہیں رہ سکی چنانچہ ان سب سے مایوس ہو کر اس نے ہندوستان سے باہر افغانستان ایران اور خلافت عثمانیہ (ترکی حکومت) سے مغربی سامراج کے خلاف فوجی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی ۸۴ء میں سب سے پہلے

عثمان علی خاں کو اس نے اس مہم پر قسطنطنیہ روانہ کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ خلیفہ روم کا عندیہ معلوم کرے کہ دینی مفادات کے لئے اس کے ساتھ حکومت میسور کا کسی طرح کا سیاسی و فوجی معاہدہ ممکن ہے یا نہیں۔

سلطنت عثمانیہ کی دینی و سیاسی اہمیت

ہندوستان سے باہر عالم اسلام کی تین بڑی سلطنتوں ایران افغانستان اور ترکی میں سب سے اہم موٴخر الذکر حکومت ہی تھی مصنف تاریخ دعوت و عزیمت کے الفاظ میں اس کی وجہ یہ تھی کہ سلطنت عثمانیہ کا مستقر اگرچہ جغرافیائی اعتبار سے ہندوستان سے بہت دور یورپ اور ایشیاء کوچک میں واقع تھا لیکن عرب ممالک میں مصر شام عراق یمن نجد و حجاز اور شمالی افریقہ کا ایک بڑا حصہ اس کے ماتحت تھا حرم و مقامات مقدسہ کے پاسبان ہونے خلاف اسلامی کے حامل و امین ایک بڑی طاقت اور شہنشاہی کی حیثیت سے بھی اور مغرب و مخالف اسلام طاقتوں کی نگاہ میں اسلامی طاقت کا نشان اور بہت سے اسلامی مفادات کا محافظ و پاسبان ہونے کی بناء پر تمام دنیا کے مسلمان اس کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور وہاں پیش آنے والے واقعات سے نہ صرف دلچسپی رکھتے تھے بلکہ اثر بھی لیتے تھے۔[1]

قسطنطنیہ سے ٹیپو کے سفیر عثمان علی خان نے جب واپس آکر ترکی خلیفہ کا امید افزاء جواب پہنچایا تو ٹیپو نے باقاعدہ ۱۰/ مارچ ۱۷۸۶ء کو مینگلور کی بندر گاہ سے

[1] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ پنجم

میر غلام علی لنگڑا کی قیادت میں ایک وفد روانہ کیا جس میں لطف علی بیگ خان جعفر خان اور نور اللہ خان کے علاوہ بطور مشن کے سکریٹری سید جعفر اور خواجہ عبد القادر بھی شامل تھے ان کو ٹیپو نے، نومبر ۱۷۸۵ء ہی کو دار السلطنت سری رنگا پٹنم سے بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا تھا اس مشن میں جو چار ۱) فخر المراکب ۲) نبی بخش ۳) غرب سورتی ۴) فتح شاہی معاذی نامی بحری جہازوں پر روانہ ہوا تھا ۹۰۰ افراد کا ایک بڑا عملہ بھی شامل تھا جس میں ان کی حفاظت کے لئے سپاہیوں کے علاوہ باورچی اور دیگر ملازمین بھی شامل تھے ٹیپو نے اس سفارتی وفد کو قسطنطنیہ میں اپنے سفارتی امور کی ادائیگی کے بعد انگلستان اور فرانس بھی جانے کی ہدایت کی تھی تاکہ وہاں جاکر ان کے بادشاہوں سے مرہٹہ و نظام کی فوجی مدد سے باز رہنے کی درخواست کر سکیں لیکن یہ وفد بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے حسب ہدایت آگے نہیں جاسکا اور قسطنطنیہ ہی سے واپس ہندوستان آگیا۔

سفارت کا اصل مقصد

عام طور پر قسطنطنیہ میں ٹیپو کی عظیم سفارت کے جو مقاصد موٴرخین بیان کرتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں انہوں نے ٹیپو کی دور رس نگاہوں و سیاسی بصرت و دور بینی اور اسلامی جذبہ و دینی حمیت کو سمجھنے کی بہت کم کوشش کی ہے موٴرخین لکھتے ہیں کہ انگریزوں کے خلاف ایک بڑے سیاسی و فوجی محاذ کے قیام کے لئے اور اس میں روم کے خلیفہ عثمانی کو شمولیت پر آمادہ کرنے کے لئے یہ سفارت بھیجی گئی تھی یقیناً سفارت کے دیگر مقاصد میں یہ سیاسی مقصد بھی شامل

تھا لیکن اس سفارت کا اصل مقصد خلیفہ عثمانی کی ہمدردی اور اس کو ایک عظیم خطرہ سے آگاہ کرنا تھا جس کو سلطان سلیم یا تو سمجھ نہیں سکا یا پھر اپنے گرد قائم سیاسی گھیراؤ کی وجہ سے چاہتے ہوئے بھی سلطان ٹیپو کے ساتھ سیاسی تعاون پر آمادہ نہ ہوسکا ٹیپو کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ عالم اسلام میں سلطنت عباسیہ کے زوال کے بعد خلافت اسلامی سلاطین عثمانی کی طرف منتقل ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ترکی خلیفہ کو دنیائے اسلام کے خلیفہ کی حیثیت حاصل ہے مغربی اقوام بھی عالم اسلام کے مختلف مسائل میں ان ہی کو مسلمانوں کا نمائندہ سمجھتی ہیں لیکن اس پورے پس منظر و امتیازات کے باوجود ترکی کے سیاسی حالات داخلی طور پر ناقابل بیان حد تک خراب ہو گئے ہیں سلطان سلیم برائے نام خلافت کے تخت پر فائز ہے اور تمام اہم فیصلے شاہ برطانیہ کی منشاء کے مطابق ہوتے ہیں معاشی سیاسی اور تعلیمی ہر میدان میں وہاں یورپی اقوام چھائی ہوئی ہیں اسلامی خلافت میں مغربی ممالک کی ریشہ دوانیاں آئے روز بڑھ رہی ہیں اندرونی بغاوتوں نے پوری سلطنت عثمانیہ کو مالی اعتبار سے بدحال کر دیا ہے دینی و اخلاقی انحطاط بھی روز بروز بڑھ رہا ہے۔

غرض یہ کہ دولت عثمانیہ اپنی پوری تاریخ کے نازک ترین دور پر کھڑی ہے عالمی سطح پر دو حریف یورپی اقوام فرانسیوں اور انگریزوں میں سے ہر ایک کی یہ کوشش چل رہی ہے کہ وہ سیاسی میدان میں ترکی کو اپنا حلیف بنائیں فرانس کے داخلی مسائل کی وجہ سے ترکی برطانیہ کی حمایت پر آمادہ ہو گیا ہے انگریزوں کے ساتھ اس کا یہ سیاسی و فوجی اتحاد روس کی ملکہ کیتھرین ثانی آسٹریا کے بادشاہ جوزف ثانی کی جانب سے ترکی کو لاحق شدید خطرہ کے پیش نظر ناگزیر تو ہے لیکن اس فوجی اتحاد کی آڑ میں

برطانیہ نے ترکی کے خلاف اپنے دل میں کیا خطرناک عزائم پوشیدہ رکھے ہیں اس کو ترکی خلیفہ سلطان سلیم سمجھ نہیں پا رہا ہے لیکن ہزاروں میل دور اس کے ایک ہم مذہب حکمران بھائی سلطان ٹیپو کی سیاسی بصیرت والی آنکھیں ترکی کے خلاف برطانیہ کے ناپاک عزائم کو دیکھ رہی تھیں وہ سمجھ رہا تھا کہ روس اور آسٹریا سے ترکی کو لاحق خطرہ ٹلنے کے بعد خود برطانیہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے نہیں ہچکچائے گا ہندوستان پر تو ان کا قبضہ آہستہ آہستہ ہو ہی رہا ہے ترکی پر تسلط کے بعد ان کے قدم دیگر عرب و مسلم ممالک کی طرف بڑھیں گے اسلئے برطانیہ پر فوراً روک لگانا اور مسلم سلطنتوں کا متحد ہو کر ان کا مقابلہ کرنا ٹیپو کے نزدیک بے حد ضروری تھا ورنہ بعد میں ان کے بڑھتے قدم کو روکنا مسلمانوں کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا خلیفہ عثمانی کو عالم اسلام کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے دشمنوں کے عزائم اور ان کی چالبازیوں سے آگاہ کرنا بحیثیت مسلم حکمران ٹیپو اپنا اولین فرض بھی سمجھتا تھا اسی عظیم مقصد کے تحت ۱۷۸۶ء میں اپنی ایک باقاعدہ سفارت خلیفہ روم کی خدمت میں اس نے روانہ کی سلطان سلیم کے اس خط کے جواب میں جس میں اس نے ٹیپو کو فرانسیسیوں پر بھروسہ نہ کرنے اور انگریزوں کے خلاف نہ لڑنے کی ہدایت دی تھی ٹیپو نے بڑی صراحت کے ساتھ مقصد سفارت بیان کرتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ میں (ٹیپو) انگریزوں کے خلاف جنگ کو صرف اہل ہند کی ذمہ داری نہیں بلکہ اس جہاد کو جمیع مسلمانان عالم پر واجب سمجھتا ہوں اور ہمارا مقصد اس جہاد سے اپنے ملک کی حفاظت سے زیادہ اسلام کی بقاء ہے لیکن افسوس کہ ٹیپو کی اس خالص دینی ہمدردی کو خلیفہ ترکی سلطان سلیم سمجھ نہیں سکا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سفارت کے ضمنی مقاصد

اس عظیم مقصد کے علاوہ ٹیپو کے پیش نظر جو ضمنی مقاصد تھے اس میں یہ تھا کہ ہندوستان سے انگریزوں کو نکال باہر کرنے کیلئے ترکوں کی فوجی مدد حاصل کی جائے اسکے لئے اس نے بنگال وغیرہ میں مسلمانوں پر انگریزوں کے مظالم کا حوالہ دیا اور وعدہ کیا کہ فوجی مدد کی صورت میں تمام اخراجات خود ٹیپو برداشت کریگا انگریز اپنی بحری طاقت اور متعدد بندر گاہوں پر قبضہ کی وجہ سے اپنے توسیع پسندانہ عزائم میں دن بدن کامیاب ہو رہے تھے ان کے مقابلہ کے لئے ٹیپو کو بندر گاہوں کی سخت ضرورت تھی اس کے لئے اس نے خلیفہ روم سے بصرہ کی بندر گاہ پٹہ پر دینے کی درخواست کی اور اسکے عوض ان کو منگلور کی بندر گاہ دینے کا وعدہ کیا تاکہ ایک دوسرے کے جنگی و تجارتی جہازوں کی آمدورفت سے تجارت میں بھی اضافہ ہو اور ساحل بھی دشمنوں سے محفوظ رہے ٹیپو کا خیال تھا کہ بحری راستہ دونوں ممالک کے درمیان کھلنے سے صنعت و حرفت کے ماہرین کا بھی آپس میں تبادلہ ہوگا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ عراق کے مقدس مقام نجف اشرف میں دور سے آنے والے زائرین کے لئے میٹھے پانی کی بڑی قلت پیش آتی ہے سلطان ٹیپو کی خواہش تھی کہ وہ خلیفہ روم کی اجازت سے باعث سعادت سمجھ کر اپنے ذاتی اخراجات پر دریائے فرات سے نجف اشرف تک میٹھے پانی کی ایک نہر نکالے ان سب مقاصد و اغراض کو خلیفہ روم کے نام خط میں تحریر کر کے اور وفد کو زبانی سمجھا کر ٹیپو نے مختلف میسوری مصنوعات ہیرے جواہرات اور نقدی کے علاوہ چار ہاتھیوں کے ساتھ اس

وفد کو روانہ کیا ایک ہاتھی سلطان سلیم کو تحفتاً دینے کے لئے دوسرا اور تیسرا شاہ انگلستان اور شاہ فرانس کی خدمت میں اور چوتھا بوقت ضرورت سفر کے دوران فروخت کر کے اخراجات سفر پورا کرنے کے لئے تھا۔

ٹیپو کیلئے بادشاہت کی توثیق

ٹیپو نے ارکان وفد سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ خلیفہ عثمانی سے اس کے لئے بادشاہت کی سند حاصل کریں اس لئے کہ خود ہندوستان میں مرہٹوں کے علاوہ نظام حیدر آباد و نواب کرناٹک بھی اس کو غاصب سلطنت سمجھتے تھے چونکہ اس وقت سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین کی حیثیت حاصل تھی اس لئے اس سے بادشاہت کی توثیق اس کے دشمنوں کا منہ بند کرنے کیلئے کافی تھی اگر وہ چاہتا تو اس وقت دہلی کے مغل بادشاہ شاہ عالم سے بھی اپنی نوابی کیلئے سند حاصل کر سکتا تھا ابتداء میں اس نے اس کیلئے مغل دربار میں موجود اپنے نمائندوں تجن راؤ اور مول چند وغیرہ کے ذریعہ ایک بڑی رقم کے عوض کوشش بھی کی لیکن شاہ عالم کے چاپلوس وزیر مجد الدولہ اور دہلی میں برطانوی حکومت کے نمائندہ میجر براؤن کی سازش سے اس کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی دہلی دربار کا کہنا تھا کہ مغلیہ سلطنت کی طرف سے جنوبی ہند میں ان کا نمائندہ پہلے ہی سے نظام کی شکل میں موجود ہے ان سب اسباب و وجوہات کی وجہ سے ٹیپو نے براہ راست خلیفہ روم سے اپنی بادشاہت کیلئے سند کا حصول مناسب سمجھا ہندوستان کے مسلم سلاطین کے لئے یہ کوئی نئی بات بھی نہیں

تھی اس سے پہلے محمود غزنوی نے بغداد کے عباسی خلیفہ سے محمد بن تغلق نے مصر کے اس وقت کے خلیفہ سے اپنی تخت نشینی کی توثیق کرائی تھی اتفاق سے خلیفہ روم کی خدمت میں بھیجا گیا سلطانی وفد صرف اسی ضمنی مقصد یعنی ٹیپو کی بادشاہت کی توثیق ہی میں کامیاب ہو کر لوٹا جس کے بعد ٹیپو نے اپنے لئے شیر کی شکل کا ایک تخت بھی بنوایا جمعہ کے خطباب میں اپنا نام جاری کیا اور اپنے نام کے سکے بھی بنوائے ۱۰/مارچ ۱۷۸۶ء کو منگلور سے روانہ ہونے والا یہ وفد ۱۸/اپریل ۱۷۸۶ء کو عمان کے شہر مسقط کے ساحل پر اترا وہاں کچھ دن قیام اور امام عمان سے ملاقات کے بعد ۲/جون کو وہاں سے نکل کر ۲۲/اگست کو بصرہ پہنچا اسی دوران نبی بخش نامی جہاز کو آگ لگ گئی اور اس میں سوار پچاس ارکان جل کر غرق ہو گئے سفر کی ابتداء ہی میں فخرالمراکب کی خرابی کی وجہ سے اس کو بدل کر دوسرا جہاز کرایہ پر لیا جاچکا تھا ۳/دسمبر کو فتح شاہی معاذی اور غرب سورتی بھی دریا کی نذر ہو گئے بالآخر کرایہ کے جہازوں پر یہ وفد ۲۵/ستمبر ۱۷۸۷ء کو بغداد ہوتے ہوئے اور نجف اشرف و کربلا کی زیارت کرتے ہوئے قسطنطنیہ پہنچا اور ۵/نومبر کو خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

خلیفہ کے نام ٹیپو کا خط

وفد کے سربراہ میر غلام علی لنگڑا نے سلطان سلیم کی خدمت میں ٹیپو کی طرف سے دس لاکھ نقدی اور قیمتی ہیرے جواہرات کے علاوہ اس کا وہ خط بھی پیش کیا جس میں تحریر تھا کہ ۳۵ سال سے نصاریٰ نے خاندان تیمور (مغلیہ) کی کمزوری

و کوتاہ نظری سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان کے ساحلی شہروں پر تجارت کے بہانہ قبضہ کر لیا ہے یہاں کے حالات سے جب یہ لوگ اچھی طرح واقف ہو گئے تو ان کی ایک بڑی تعداد ہندوستان میں آ کر بس گئی اور دھوکہ دیکر مزید کئی شہروں پر بھی قبضہ کر لیا حکومت بنگال کی سالانہ ۳۵ کروڑ کی آمدنی پر بھی وہ قابض ہو گئے اپنی فطری بد اخلاقی و مذہبی تعصب کی وجہ سے وہ ابھی تک آمادہ شرارت ہیں ان سب حالات سے آپ کو واقف کرانے کے لئے یہ سفارتی وفد ہماری طرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہے تاکہ آپ سے اسلام کی تقویت اور اس کے دشمنوں کی شکست کے لئے مدد کی درخواست کرے۔

معاہدہ کا مسودہ

زبانی طور پر بھی اس پورے خط کا مفہوم بیان کر کے وفد نے سلطان ترکی سے انگریزوں کے خلاف ٹیپو کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ کی درخواست کی اور اس کے لئے خود ٹیپو کا تیار کردہ معاہدہ بھی دستخط کے لئے خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا معاہدہ کی دفعات کچھ اس طرح تھیں۔

دفعہ نمبر ۱ دونوں اسلامی سلطنتوں کے مابین ہمیشہ اچھے تعلقات قائم رہیں گے

دفعہ نمبر ۲ بصرہ کی بندرگاہ کرایہ پر ٹیپو کو دی جائے گی۔

دفعہ نمبر ۳ اس کے عوض خلیفہ روم کو ٹیپو کی طرف سے سلطنت خداداد میں اس کی پسند کی بندرگاہ دی جائے گی بندرگاہوں کے تبادلہ کے نتیجہ میں دونوں اسلامی

حکومتوں کے درمیان رسل و رسائل اور بحری جہازوں کی آمد و رفت ہوگی دونوں کے اس جذبہ خیر خواہی سے اسلام ہی کو فائدہ پہنچے گا۔

دفعہ نمبر۴ (الف) انگریزوں کے خلاف خلافت عثمانیہ کے فوجی تعاون کے تمام اخراجات خود ٹیپو برداشت کرے گا۔

دفعہ نمبر۴ (ب) اس کے عوض بوقت ضرورت میسوری افواج خود اپنے خرچ پر خلافت عثمانیہ کی فوجی مدد کرے گی۔

دفعہ نمبر۵ میسور میں اگرچہ ہتھیار سازوں کی کثرت ہے پھر بھی اس کی بڑھتی ضرورت کے پیش نظر اسلحہ سازی کے کچھ ماہرین ترکی سے سلطنت خداداد میں بھیج دئے جائیں۔

دفعہ نمبر۶ اس کے عوض ترکی حکومت کو مطلوبہ ماہرین سلطنت خداداد کی طرف سے بھیجے جائیں گے۔

تحریر بروز پیر ۱۴/ محرم ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷/ نومبر ۱۷۸۵ء سری رنگا پٹنم

خلیفہ کا جواب

اپنے داخلی مسائل کی وجہ سے خلیفہ ترکی سلطان سلیم نے سلطنت خداداد کے ساتھ کسی تحریری معاہدہ سے اپنی معذوری ظاہر کی نجف اشرف سے فرات تک جب میٹھے پانی کی نہر کھودنے کی درخواست وفد نے پیش کی تو اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ یہ کیسے ممکن ہے غالباً اس نے یہ سمجھ لیا کہ نہر کھودنے کا بہانہ بنا کر وہ ترکی حکومت کے کچھ حصہ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اس طرح یہ وفد اپنے اصل مقصد

میں ناکام رہا البتہ ایک ضمنی مقصد یعنی ٹیپو کے لئے بادشاہت کی خلیفہ کی طرف سے توثیق میں اس کو کامیابی ملی اور سلطان سلیم نے اس کو ناصر الاسلام والمسلمین کے لقب سے نوازا اور اور اپنے جوابی خط میں ٹیپو کو لکھا کہ میں خود بھی اپنے آباء و اجداد کی طرح ان کی روایتوں کو قائم رکھتے ہوئے مصروف جہاد ہوں روسی حکومت مسلمانوں کے خلاف دن رات سازشوں میں مصروف ہے اس لئے ہماری افواج ان سے نپٹنے کے لئے ہماری ہی سرحدوں پر متعین ہے وفد نے تحریری و زبانی طور پر جو درخواستیں آپ کی طرف سے ہمیں پیش کی تھیں اس کی جوابی تفصیلات خود ان کی زبانی آپ کو معلوم ہوگی۔

وفد کی ناکام واپسی یا خلیفہ کی بدقسمتی

وفد کے قسطنطنیہ میں قیام کے دوران ہی وہاں طاعون کی وبا پھیل گئی[1] جنوری ۱۷۸۸ء کے اوائل تک وفد کے ساتھ شامل عملہ کے چار سو ملازمین میں صرف ستر لوگ بچ گئے خود وفد کے سربراہ غلام علی لنگڑا بھی سخت بیمار پڑ گئے ادھر بین الاقوامی سطح پر دو بڑے سیاسی حریفوں برطانیہ اور فرانس میں وقتی صلح بھی ہو گئی اور ان دونوں کے درمیان اس بات کا معاہدہ ہو گیا کہ ان میں سے کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا جس سے طرفین میں سے کسی کو اشتعال ہو یہی وجہ تھی کہ وفد کے مسلسل اصرار و درخواست کے باوجود اس کو وہاں سے فرانس جانے کی

[1] تاریخ ٹیپو سلطان از محب الحسن

اجازت نہیں دی گئی بالآخر یہ عظیم سفارت جو اعلیٰ مقاصد کے پیش نظر کثیر مصارف اور سفر کی ناقابل برداشت مشقتوں اور جانی و مالی نقصان کو برداشت کر کے قسطنطنیہ پہنچی تھی اپنے تمام دینی فوجی اور تجارتی مقاصد میں ناکام ہو کر لوٹی اور نوسو افراد کا یہ پورا عملہ وطن واپسی تک مٹھی بھر افراد ہی تک محدود ہو کر رہ گیا یہ لوگ حسب ہدایت دسمبر ۱۷۸۹ء کو اسکندریہ قاہرہ اور جدہ ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی حاضری کے بعد کالی کٹ پہنچے۔

سلطان ٹیپو اپنی اس سفارتی ناکامی سے مایوس نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد بھی دو دفعہ خلیفہ روم کی خدمت میں اپنا سفارتی وفد روانہ کیا آخری وفد فروری ۱۷۹۸ء کو روانہ کیا گیا تھا جو ٹیپو کے نام سلطان سلیم کا ایک جوابی خط بھی لے کر واپس ہوا اس خط میں خلیفہ نے ٹیپو کو مشورہ دیا تھا کہ وہ فرانسیسیوں پر بھروسہ نہ کرے اور انگریزوں سے صلح کرے ظاہر بات ہے کہ ٹیپو خلیفہ روم کے اس مشورہ کو کیسے قبول کرتا خلیفہ روم کے علاوہ اتحاد بین المسلمین کے ارادہ سے ٹیپو نے ایران کے حاکم کریم خان زند اور افغانستان کے حکمران زمان شاہ درانی کے پاس بھی اپنے وفود روانہ کئے ایران اس کے جواب میں تجارتی و فوجی اہمیت کی حامل ایک فوجی بندرگاہ بھی ٹیپو کے حوالہ کرنے پر راضی ہو گیا تھا اسی طرح زمان شاہ بھی ٹیپو کی فوجی مدد کے لئے ہندوستان کی سرحد پر پہنچ گیا تھا لیکن ایران کے افغانستان پر اچانک حملہ کی وجہ سے اس کو راستہ ہی سے واپس جانا پڑا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کورگ میں دوبارہ بغاوت

۱۷۸۹ء میں سلطنت خداداد کے خلاف اہل کورگ نے دوبارہ بغاوت کی ان سرکشوں کو قابو میں کرنے کے لئے ٹیپو نے شروع میں غلام علی خاں کی قیادت میں ایک بڑی فوج بھیجی لیکن ان سے حالات جب قابو میں نہیں آسکے تو شیخ برہان الدین کو اس محاذ پر روانہ کیا وہ بھی کورگی باغیوں کو زیر کرنے میں اس بار کامیاب نہیں ہو سکے اسی دوران ملیبار میں بھی نائروں نے پھر ایک بار اپنی سرکشی شروع کر دی اس لئے وہ اپنی خواہش کے باوجود کورگ نہیں جاسکا اور اس کو اس سے زیادہ اہم ملیبار میں اٹھنے والی بغاوتوں کی طرف توجہ دینی پڑی۔

ملیبار میں باجگذاروں کی سرکشی

ملیبار کی اس بغاوت میں سب سے زیادہ کالی کٹ کے نائر پیش پیش تھے ٹیپو نے ارشد بیگ خاں کو وہاں اپنا گورنر مقرر کر دیا تھا لیکن وہ اس بغاوت پر قابو نہیں پاسکا کالی کٹ کے نائروں کو دوبارہ بغاوت پر اکسانے میں کوچین اور ٹراونکور کے راجاؤں کا بڑا ہاتھ تھا سلطان ٹیپو اس بغاوت پر قابو پانے کے لئے خود تین ہزار کی ایک فوج لے کر نکلا ادھر سلطان کی آمد کی خبر سن کر ہی وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپ گئے شیخ مہتاب خان بخش کو حاکم مقرر کر کے جب سلطان وہاں سے واپس لوٹا تو دوبارہ جمع ہو کر ان نائروں نے پھر ہنگامہ شروع کر دیا بالآخر سلطان ٹیپو کو پھر واپس کالی کٹ آنا پڑا اور بڑی آسانی کے ساتھ اس نے ان کو زیر کر دیا۔

کوچین وٹراونکور کے راجاؤں کی سرکوبی

نائروں کی دوبارہ بغاوت کے پس پردہ کوچین کا راجہ تھا اس لئے کالی کٹ میں نائروں پر قابو پانے کے بعد ٹیپو اس کو سبق سکھانے کے ارادہ سے کوچین کی طرف بڑھا یہ خبر سن کر راجہ ٹراونکور راما ورما بھی ٹیپو کے خلاف اپنی فوج لیکر کوچین آگیا راجہ ٹراونکور نے کوچین کے راجہ کے علاقہ میں جو ٹیپو کا باج گزار تھا اپنی دفاعی پٹی قائم کردی تھی ٹیپو نے اس سے اس کو ہٹانے کی بار بار درخواست کی لیکن ہر بار وہ بہانہ بنا کر اس سے انکار ہی کرتا رہا اس کے علاوہ اس نے ہالینڈیوں سے آئی کوٹہ اور کنگانور کے قلعے بھی خرید لیے تھے جس کی خریداری کا خود ٹیپو پہلے ہی سے خواہاں تھا اس طرح اس نے ٹیپو کو برانگیختہ کردیا تھا کوچین میں ان دونوں کی فوجوں کے ساتھ سلطانی افواج کا ایک سخت مقابلہ ہوا ٹیپو نے اپنے مشیروں کی رائے کے خلاف دریا پار کرکے دشمنوں پر ایسا حملہ کیا کہ ان کے ہزاروں فوجی مارے گیے چونکہ بارش کا زمانہ تھا اور دریا میں طغیانی تھی دشمنوں نے رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر دریا کا منہ بند کرکے پانی روک دیا اور صبح سے پہلے ہی اپنی شکست کا بدلہ لینے کیلئے دریا کا منہ کھول دیا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطانی افواج چاروں طرف سے پانی گھر گئیں اور کمک کا راستہ بھی بند ہو گیا اس طرح دشمنوں نے بڑی آسانی کے ساتھ میسوری افواج کا محاصرہ کرلیا اور اس کے سپاہی دشمنوں کے نرغہ میں آگئے چونکہ کمک کا راستہ بھی مسدود ہو گیا تھا اس لئے سلطانی افواج پسپا ہونے لگیں چار ہزار میسوری سپاہی کام آئے ٹیپو کی نو لاکھ روپیوں سے بنائی گئی قیمتی پالکی بھی دشمن کے ہاتھ لگ

گئی[1] کسی طرح سلطان دشمنوں سے بچ کر دریا عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا اور آس پاس موجود اپنی افواج کو جمع کرکے دوبارہ ان پر ایسا سخت حملہ کیا کہ ان کی جیتی ہوئی جنگ ہار میں بدل گئی ہزاروں سپاہی آن کی آن میں ڈھیر ہوگئے راجہ کوچین بھی فرار ہو گیا سلطان ٹیپو نے دشمنوں کے قلعہ پر قبضہ کرلیا مال غنیمت کا ایک بڑا حصہ بھی اس کے ہاتھ لگا اسطرح سلطان ٹیپو کی ہاری ہوئی جنگ فتح میں تبدیل ہو گئی ٹیپو کی اس قوت ارادی وہمت وبہادری کی دشمن بھی تعریف کرنے پر مجبور ہو گیے۔

[1] سوانح ٹیپو سلطان از امجد علی اشہری

بارھواں باب

تیسری جنگ سے
معاہدہ سری رنگا پٹنم تک

انگریزوں کی خفیہ جنگی تیاریاں

ایک طرف ٹیپو اپنے داخلی مسائل کو حل کرنے اور سلطنت میں دوبارہ سر اٹھانے والی بغاوتوں کو ختم کرنے میں مصروف تھا تو دوسری طرف انگریز ۱۷۸۴ء میں ختم ہونے والی میسور کی دوسری جنگ میں اپنی شکست کا انتقام لینے کیلئے بے چین تھے نظام اور مرہٹوں کو ٹیپو سے لڑانے کا ان کا مقصد بھی دراصل بعد میں اپنے ساتھ ہونے والی جنگ میں ٹیپو کو کمزور کرنا ہی تھا جب ٹیپو نظام اور مرہٹوں کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا تو انگریز خفیہ طور پر ٹیپو کے خلاف ایک بڑی جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انگلستان کے وزیراعظم پٹ نیگر نے سلطان ٹیپو سے اپنی افواج کی شکست کا بدلہ لینے کیلئے ۱۷۸۶ء میں اس وقت کے ہندوستان میں اپنے گورنر جنرل وارن ہیس ٹنگس کو ہٹا کر لارڈ کارنواس کو مقرر کر دیا تھا تاکہ وہ اس کے ذریعہ ہندوستان پر قبضہ کر کے انگلستان کے ہاتھوں اس وقت امریکی نوآبادیات کے نکل جانے کی تلافی کر سکے اسی زمانہ میں مدراس کے گورنر مسٹر ہالینڈ کو بھی مستعفی ہونے پر مجبور کیا گیا اور اس کی جگہ ایک آزمودہ کار جنرل میڈوز کی تقرری عمل میں آئی ان دونوں نے ٹیپو کے خطرہ کا ہوا کھڑا کر کے مرہٹوں اور نظام حیدر آباد کو اپنے ساتھ ملا کر ایک بڑا محاذ بنانا شروع کر دیا ان کی حکمت عملی یہ تھی کہ ۱۷۸۶ء تک نظام و مرہٹہ کے ساتھ مسلسل مصروف جنگ رہ کر ٹیپو چونکہ غیر معمولی جانی و مالی نقصان کا سامنا کر چکا ہے اس لئے اس کو اس کی تلافی کا موقع دیے بغیر دوبارہ میدان جنگ میں لے آنا چاہیے اسی میں ان کا فائدہ ہے۔

جنگ کے لئے بہانہ کی تلاش

ٹیپو کو معلوم تھا کہ ملیبار میں اس کے خلاف بغاوت کے پس پردہ راجہ ٹراونکور ہی تھا اس لئے اس نے خود جا کر اس کی خبر لی تھی اور کوچین میں اس کی افواج کو زیر کر دیا تھا جس کے بعد اس نے انگریزوں سے ٹیپو کے خلاف فوجی مدد طلب کی تھی انگریز تو پہلے ہی سے جنگ کے لئے بہانہ کی تلاش میں تھے چنانچہ انہوں نے اس کی درخواست پر ٹیپو کے خلاف کاروائی کا یقین دلایا سلطان کو جب اسکی اطلاع ملی تو اس نے معاہدہ بینگلور کا حوالہ دے کر انکو جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی اور مدراس کے گورنر کو خط لکھا کہ اگر کوئی غلط فہمی طرفین میں ہو تو جنگ کے بجائے مفاہمت ہو سکتی ہے جنرل میڈوز نے جواب دیا کہ ٹراونکور کا راجہ چونکہ انگریزوں کا حلیف ہے اس لئے وہاں پیش آنے والے سیاسی و فوجی واقعات سے چشم پوشی ہمارے لئے ممکن نہیں یعنی دوسرے الفاظ میں جنگ ناگزیر ہے۔

پہلی مزاحمت

ٹیپو کو گورنر مدراس کے اس خط سے ان کے ناپاک عزائم کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی چنانچہ اس نے فوراً اپنی مسلح افواج کو پائیں گھاٹ روانہ کیا تا کہ وہ ان کو آگے بڑھنے سے روک سکیں کوئمبتور اور ستی منگل میں دونوں افواج کا سامنا ہوا ادھر بنگال سے ان کی مدد کیلئے ایک فوجی دستہ آرہا تھا جس نے راستہ میں وانمباڑی اور ترپاتور پر قبضہ کر لیا تھا وہاں ان کے مقابلہ کیلئے ٹیپو نے شیخ برہان الدین کو ایک

دستہ دے کر روانہ کیا سید عبدالغفار کے ساتھ ملکر شیخ برہان الدین نے ان کا جم کر مقابلہ کیا اور ان کے سینکڑوں سپاہیوں کو قید کر لیا بعد میں مدراس سے خود جنرل میڈوز نے آکر انگریزی فوج کی کمان سنبھالی جس سے سلطانی افواج کو شروع میں پسپا ہونا پڑا ٹیپو کو جب اسکی اطلاع ملی تو وہ بھی وہاں پہنچا اور اپنی افواج کی کمان خود اپنے ذمہ لی نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی افواج شکست کھا کر اور اپنا اسلحہ و گولہ بارود چھوڑ کر ترچناپلی کی طرف بھاگ گئیں۔

شیخ برہان الدین کی شہادت

سلطانی افواج نے انگریزی افواج کا تعاقب برابر جاری رکھا اسی تعاقب کے دوران دشمن کے ایک ناگہانی حملہ میں ٹیپو کے برادر نسبتی و آزمودہ کار فوجی ماہر اور قابل ترین سپہ سالار شیخ برہان الدین کو ایک گولی لگی جس سے ان کی وہیں شہادت ہو گئی جب میسوری سپاہی پالکی میں ڈال کر ان کی لاش ٹیپو کی خدمت میں لے آئے تو ٹیپو کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے اس کے صدمہ و غم کا یہ عالم تھا کہ اپنے فوجی افسران کے مشورہ و اصرار کے باوجود اس نے اپنے سپاہیوں کو دشمن کے مزید تعاقب سے روک دیا حالانکہ میسوری افواج فتح کے قریب پہنچ گئیں تھیں اور مزید دشمنوں کے سپاہیوں کو تعاقب کے بعد پکڑا جا سکتا تھا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

جنرل میڈوز کا فرار

تعاقب کے اس وقفہ سے فائدہ اٹھاکر جنرل میڈوز جو انگریزی سپاہیوں کی قیادت کر رہا تھا مدراس بھاگنے میں کامیاب ہوگیا شیخ قمرالدین کی قیادت میں سلطانی افواج نے ستی منگل وغیرہ پر دوبارہ قبضہ کرلیا سینکڑوں انگریز سپاہیوں اور خواتین کو قیدی بناکر سری رنگا پٹنم بھیج دیا گیا جن لوگوں نے معافی طلب کی ان کو درگزر کرکے میسور کی فوج میں بھرتی کیا گیا اس طرح میسور کی انگریزوں کے خلاف تیسری جنگ کا پہلا مختصر دور ٹیپو کی فتح پر ختم ہوا جس کا سلسلہ مئی ۹۰ء سے دسمبر ۹۰ء تک چلتا رہا خود انگریز گورنر جنرل کارنواس نے بھی اعتراف کیا کہ اس وقفہ میں ہم نے اپنا وقت ضایع کیا اور ہمارے دشمنوں نے فائدہ اٹھایا۔

باقاعدہ جنگ کے خاطر متحدہ محاذ کی تشکیل

تیسری جنگ کے پہلے دور میں انگریزوں کی شکست نے ان کو برانگیختہ کردیا تھا گورنر جنرل کارنواس کے لئے اب باقاعدہ جنگ چھیڑ کر اپنی رسوائی کے داغ کو دھونے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا حالانکہ ۸۴ء کے معاہدہ منگلور کی رو سے انگریز اس بات کے پابند تھے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جس سے ٹیپو کو مشتعل کیا جاسکے لیکن وہ اپنی فطری بدعہدی سے مجبور تھے اس لئے انہوں نے ٹراونکور پر جس کا راجہ انگریزوں کا حلیف تھا ٹیپو کے حملہ کا ہوّا کھڑا کرکے اس کے خلاف باقاعدہ ایک متحدہ محاذ کی تشکیل اور اس کے لئے اپنے اتحادیوں سے گفتگو

بھی شروع کردی اس لئے کہ انگریزوں کو یقین تھا کہ وہ بذات خود تنہا اس جنگ کے متحمل نہیں ہیں چنانچہ کلکتہ سے کارنواس نے گورنر مدراس میڈوز کو خط لکھا کہ اپنی عزت و عظمت کی بحالی کے لئے اب ٹیپو کے خلاف ہماری جنگ ناگزیر ہے اس موقع سے فائدہ اٹھاکر اس کی طاقت کو ختم کردینا چاہئے اس سے بڑھ کر اچھا موقع پھر نہیں مل سکتا ورنہ خدشہ ہے کہ فرانسیسیوں کی مدد سے وہ ہم کو ہندوستان سے نکال دے گا ادھر نظام حیدرآباد کا وزیراعظم مشیرالملک ٹیپو کے خلاف جنگ کے لئے پہلے ہی سے اس کی ذہن سازی کررہا تھا اس لئے انگریزوں کو نظام کو متحدہ محاذ میں شرکت پر آمادہ کرنے میں دیر نہیں لگی لیکن مرہٹے چونکہ سلطان کی طاقت کا اس سے پہلے کئی بار سامنا کرچکے تھے اس لئے وہ اس مرتبہ اس کے خلاف جنگ میں شرکت سے ہچکچا رہے تھے لیکن انگریز ان کی شرکت کو ضروری سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے اس کے لئے ان کے مذہبی جذبات کو ابھارنے سے بھی گریز نہیں کیا کارنواس نے پیشوا کو خط لکھا کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر ان ناانصافیوں کا بدلہ لے لے جو ٹیپو اور اس کے باپ نے مرہٹوں کے ساتھ کی ہیں ناگپور میں راجہ رگھوجی بھونسلے کے پاس بھی ایک وفد روانہ کیا اور اس سے کہا کہ ان کے لئے ٹیپو سے اپنا بقیہ تاوان اور مقبوضہ علاقوں کو حاصل کرنے کا اچھا موقع ہے اور اس شخص کو سزا دینے میں ہم آپ کے ساتھ شریک ہوں گے جو پوری نوع انسانی کا دشمن ہے اور تمام فرقوں اور مذاہب کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے کچھ اسی طرح کے خطوط مادھوجی سندھیا اور نکوجی ہولکر کو بھی لکھے گئے۔

نظام سے مفاہمت کے لئے ٹیپو کی کوشش

ٹیپو کو جب اپنے خلاف انگریزوں کی سازش سے بننے والے متحدہ محاذ کا علم ہوا تو اس نے پھر ایک بار نظام حیدر آباد سے مصالحت و مفاہمت کی کوشش کی اس نے نظام کو خط لکھا کہ اس کی طرف سے اس کو جن زیادتیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ اس کو بھول جانے کے لئے تیار ہے ۔ بحیثیت مسلم حکمرانوں کے اپنے مذہبی دشمنوں کے خلاف ہمارا اتحاد ناگزیر ہے آپ کے جن علاقوں پر میں نے جنگ کے دوران قبضہ کرلیا تھا اس اتحاد کے خاطر میں اس سے دستبردار ہونے کیلئے بھی تیار ہوں اس سلسلہ میں میری نیت و خلوص پر آپ کو یقین دلانے کے لئے میں اپنے لڑکے کی شادی بھی آپ کی لڑکی سے کرنا چاہتا ہوں لیکن اس کے وزیر میر عالم کی جنرل کارنواس سے ساز باز کی وجہ سے یہ سلسلہ آگے نہیں بڑھ سکا اور میر عالم نظام کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہوا کہ ٹیپو کے ۔ بجائے انگریزوں کا ساتھ دینے ہی میں اس کا فائدہ ہے غرض یہ کہ ٹیپو نے بحیثیت ایک سچے مسلمان کے ایک دوسرے مسلمان کے خلاف جنگ سے باز رہنے کی حتی الامکان کوشش کی اور دوسری طرف ۔ بحیثیت ایک محب وطن کے مرہٹوں سے بھی مصالحت کی کوشش کی لیکن افسوس کہ انگریز اپنی عیاری سے ان دونوں کو ٹیپو سے دور رکھنے اور اس کے خلاف اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہوگیے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اتحاد ثلاثہ

طویل ، بحث مباحثہ اور بڑی محنت کے بعد انگریز مرہٹہ و نظام کو ٹیپو کے خلاف اس جنگ میں اپنے ساتھ کرنے میں اور اس سلسلہ میں ان دونوں کو ایک تحریری معاہدہ پر دستخط کرانے میں بھی کامیاب ہوگئے جس کی کچھ اہم دفعات مندرجہ ذیل تھیں ۔

۱) جنگ میں فتح کے بعد مرہٹہ پیشوا کے مقبوضہ علاقے ۔ جو ٹیپو کے قبضہ میں ہیں اس کو واپس کردئے جائینگے

۲) کڑپہ پر نظام حیدر آباد کی فرمانروائی ۔ بحال کردی جائیگی

۳) اس جنگ میں متحدہ محاذ کا ساتھ دینے والے مختلف راجاؤں و نوابوں اور پالیگاروں کو ان کے عہدوں پر دوبارہ ۔ بحال کردیا جائیگا

۴) نئے مقبوضات تینوں فریقوں میں برابر تقسیم کردئے جائینگے

۵) اگر فتح کے ۔ بجائے صلح کرنی پڑے تو اس پر تینوں کی رضامندی ہی سے دستخط کیے جائینگے

۶) اگر جنگ کے بعد ٹیپو تینوں میں سے کسی پر بھی حملہ کرے تو دوسرے فریق مظلوم کی حمایت کے پابند ہونگے بشرطیکہ مظلوم خود اس کی خواہش ظاہر کرے

۷) ٹیپو کے ذمہ پیشوا کا جو خراج باقی ہے اس کو وصول کرکے اسی کو دیا جائیگا

۸) ہر فریق کو اپنی استطاعت کے بقدر طاقت کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہونا چاہیے لیکن کم از کم ہر ایک کے لئے ۲۵ پچیس ہزار فوج فراہم کرنا لازمی ہے

نظام حیدر آباد کو چونکہ اس عمومی معاہدہ کے باوجود خدشہ تھا کہ جنگ کے اختتام پر توسیع مملکت کی حرص میں مرہٹہ اس پر حملہ کرسکتے ہیں اس لئے اس نے الگ سے گورنر جنرل کارنواس سے اس بات کی یقین دہانی حاصل کرائی کہ مرہٹہ جارحیت کی صورت میں انگریز اس کی مدد کے پابند ہونگے۔

انگریزوں کو غداروں کی تلاش

انگریز ٹیپو کے ساتھ اپنے سابقہ جنگی تجربہ کی بناء پر یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ صرف اپنی طاقت کے بل بوتہ پر اس کے خلاف فتح حاصل نہیں کرسکتے اس لئے کہ اسکی وفادار افواج آخری دم تک اپنے ملک ومذہب دشمن سپاہیوں کے خلاف لڑتی رہتی ہیں اگر ان کی وفاداری کو خرید لیا جائے تو ممکن ہے کہ میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل جائے اور وہ جنگ جیت جائیں غداروں کی تلاش کے اس اہم اور نازک مشن پر انہوں نے کرنل ریڈ کو متعین کردیا اور اس سلسلہ میں اس کو سلطنت خداداد کے مشرقی سرحدی شہر آمبور بھیج دیا گیا اس نے سب سے پہلے ٹیپو کے ماتحت ان باج گزار راجاؤں اور پالیگاروں کو اس محاذ میں شرکت پر اکسایا جن کو غداری وبے وفائی کی وجہ سے ان کے علاقوں سے ٹیپو نے بے دخل کردیا تھا جسکے بعد یہ لوگ ادھر ادھر پھر رہے تھے کرنل ریڈ نے ان کو فتح کی صورت میں ان کے علاقوں پر دوبارہ بحال رکھنے کی یقین دہانی کرائی ان میں سر فہرست بنگلور کا راجہ کشن راؤ اور پنکنڈہ کا راجہ نائیک تھا اس کے علاوہ مدن پلی، چکبالاپور اور پنگنور وغیرہ کے

پالیگار بھی انگریزوں کے اس فریب میں آگیے ان کو اس کے عوض بڑی بڑی نقد رقمیں دی گئیں جس کے بعد انہوں نے تاجروں کے بھیس میں جاکر سلطانی افواج کی جاسوسی کیں خود میسوری افواج کے بعض مسلم افسران اور سپاہیوں کو بھی لالچ دے کر خرید لیا گیا ان میں سید امام، لال خان، بخش، میر نذر علی، میر اسماعیل خان اور میر امام الدین وغیرہ شامل تھے سید امام اتفاق سے جاسوسی کرتے ہوئے پکڑا گیا اور اس سے مزید تحقیق پر کئی دوسرے غداروں کا بھی پتہ چلا ان سب کو ٹیپو کے حکم سے گرفتار کرکے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا البتہ میر امام الدین بچ کر کولار فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا لیکن انگریزوں نے اس کے بعد بھی اپنی ہوشیاری سے دوسرے میسوری سپاہیوں کو خرید لیا اور ان ہی سے جاسوسی کا کام چلایا۔

فرانسیسیوں سے تعاون کی درخواست

فرانسیسی ٹیپو کے حقیقی دوست اور خیر خواہ تو نہیں تھے لیکن عالمی سطح پر انگریزوں کے سیاسی حریف ہونے کی وجہ سے اور ہندوستان میں اپنی توسیع پسندانہ پالیسی کے مفاد کے خاطر اب تک ٹیپو کا تعاون کرتے آرہے تھے اسی لئے جب خلیفہ روم کی خدمت میں سلطانی وفد حاضر ہوا تو ٹیپو نے اس کو ہدایت کی تھی کہ وہ فرانس جاکر وہاں کے بادشاہ لوئی شانزدہم سے درخواست کرے کہ وہ ہندوستان میں اس کے خلاف مرہٹوں کے فوجی تعاون سے باز رہے لیکن فرانسیسیوں کے اندرونی ناگفتہ بہ حالات اور برطانیہ سے اس کی وقتی صلح کی وجہ سے یہ سفارتی مشن پیرس گئے

بغیر واپس آگیا چونکہ اس سے قبل میسور کی انگریزوں کے خلاف دونوں جنگوں میں فرانسیسیوں نے سلطنت خداداد کا فوجی تعاون کیا تھا اس لئے اس جنگ میں بھی اس نے اسی امید پر ان سے رجوع کیا اور ان کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ انگریزوں کی یہ جنگ صرف اس کے خلاف نہیں بلکہ ہندوستان میں موجود فرانسیسیوں کے بھی خلاف ہے وہ برائے نام ہی سہی انگریزوں کو دھوکہ دینے اور مرعوب کرنے کیلئے اس کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوں اس سلسلہ میں اس نے دوبارہ کئی خطوط فرانسیسی بادشاہ لوئی شانز دہم کی خدمت میں بھیجے اور خود پانڈیچری میں موجود فرانسیسی گورنر کانوے سے بھی درخواست کی کہ کم از کم دو ہزار فرانسیسی سپاہیوں کو اس کے ساتھ کردے اس کے عوض جنگ کے اختتام پر وہ نئے مقبوضات کا ایک حصہ فرانسیسیوں کو دیگا لیکن چونکہ اس وقت فرانس کی مالی حالت انتہائی خراب تھی اور خود پانڈیچری کے اخراجات انگریزوں کی مالی مدد سے پورے ہورہے تھے اس لئے انگریزوں کو ناراض کرکے کانوے نے ٹیپو کی فوجی مدد کرنے سے معذرت کردی اس طرح پہلی دو جنگوں کے برخلاف یہ جنگ میسوریوں کو انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کے خلاف تنہا لڑنی پڑی۔

متحدہ افواج میدانِ جنگ کی طرف

انگریز گورنر جنرل کارنواس اس وقت کلکتہ میں تھا اس جنگ کے ابتدائی دور میں ٹیپو کی فتح سے وہ بوکھلا گیا تھا اس لئے اس نے اس مرتبہ متحدہ افواج کی کمان

جنرل میڈوز کے بجائے خود اپنے ہاتھ میں رکھنے کا ارادہ کیا تاکہ میدان جنگ میں اس کی موجودگی سے انگریزوں اور متحدہ افواج کے حوصلوں کو تقویت ملے کلکتہ سے سات ہزار کی فوج لیکر بحری راستہ سے وہ مدراس پہونچا اور وہاں ایک ماہ رک کر اور پوری جنگ کا باقاعدہ نقشہ تیار کرکے ۲۲ / ہزار کی فوج خود اپنی کمان میں لیکر ۱۱ / فروری ۱۷۹۱ء کو ویلور پہونچا اور بینگلور سے تین کوس دور کرشنا راجپور کو اپنا فوجی مستقر بنایا ادھر بمبئی سے نو ہزار کے سپاہیوں کی کمک بھی اس کے ساتھ آکر مل گئی دوسری طرف حیدر آباد سے نظام اپنے ہمراہ ساٹھ ہزار کی فوج اور دو شہزادوں عالی جاہ و سکندر جاہ کو لیکر آنیکل میں ٹھہرا ہوا تھا مرہٹہ سردار ہری پنتھ کی کمان میں بارہ ہزار سپاہی اور پرسو رام بھاؤ کی قیادت میں بیس ہزار مرہٹہ سپاہی متحدہ افواج میں شریک ہونے کیلئے اپنی منزل سے روانہ ہوچکے تھے اس طرح ایک لاکھ سے زائد فوجیوں کا یہ محاذ سلطنت خداداد میسور کا خاتمہ کرکے اس کے پس پردہ ملک کے حقیقی دشمن کے عزائم سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ناواقف ہوکر انگریزوں کی غلامی کا طوق ہندوستانیوں کے گلہ میں ڈالنے کے ارادہ سے میدان جنگ کی طرف رواں دواں تھا اسلحہ بردار جانوروں اور دیگر ملازمین و خواتین کی تعداد جو اپنی اپنی فوج کی مدد کیلئے ان کے ساتھ تھی اس سے کہیں زیادہ تھی اس طرح ٹیپو کی چند ہزار فوج کے سامنے دشمنوں کی مجموعی تعداد دو لاکھ سے زائد ہوگئی تھی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

ٹیپو کا بنگلور کی طرف کوچ اور ہوسکوٹہ و کولار پر انگریزوں کا قبضہ

ٹیپو کو جب دشمنوں کی افواج کے بارے میں یہ اطلاع ملی کہ وہ میسور کی سرحدوں میں داخل ہو چکی ہیں تو بہت دیر ہو چکی تھی انگریزوں کے زرخرید میسوری سپاہیوں کی وجہ سے سلطان کے جاسوسی نظام میں رخنہ پڑ چکا تھا اس لئے سلطان ٹیپو بروقت دشمنوں کی فوج کو اپنی سرحدوں پر روک نہیں سکا لیکن وہ اب مزید وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے وہ فوراً اپنی فوج کے ساتھ بنگلور کی طرف چل پڑا تا کہ اس پر انگریزوں کے امکانی حملہ کا سد باب کر سکے اس کے ساتھ دشمنوں کی ایک لاکھ سے زائد فوج کے مقابلہ میں جملہ ۴۵ ہزار سپاہی تھے جب وہ بنگلور پہنچا تو معلوم ہوا کہ جنرل کارنواس کی فوجیں کولار اور ہوسکوٹہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو چکی ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ ٹیپو کو ان علاقوں پر توجہ دینے اور وہاں کے دفاعی امور کا جائزہ لینے کا خاطر خواہ موقع نہیں مل سکا تھا اور کولار و ہوسکوٹہ کے قلعوں پر کوئی مضبوط حفاظتی دستہ بھی نہیں تھا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کے پہلے حملہ ہی میں وہاں کے قلعہ داروں نے ان کی اطاعت قبول کر لی ٹیپو بنگلور کا قلعہ اپنے سپہ سالار سید حامد کے حوالہ کر کے دشمنوں کی مزید پیش قدمی کو روکنے کیلئے آگے بڑھا۔

پہلی مڈبھیڑ اور انگریزوں کی پسپائی

۶/مارچ ۱۷۹۱ء کو جنرل فلائڈ کی زیر کمان ایک انگریزی دستہ نے ایک ہزار میسوری سپاہیوں کی ایک ٹولی پر بلا اشتعال حملہ کر دیا چونکہ دشمن تعداد میں زیادہ تھے

اس لئے ابتداء میں میسوری فوج پسپا ہو گئی لیکن جلد ہی اپنی قوت کو دوبارہ مجتمع کر کے انہوں نے ایسا جوابی حملہ کر دیا کہ چار سو انگریز سپاہی مارے گئے اور ایک سو کو قید کر لیا گیا خود جنرل فلائیڈ بھی گولیوں سے زخمی ہو کر اپنے گھوڑے پر سے گر گیا اسکی زبان بند ہو گئی لیکن اس کے محافظ اس کو لے کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے[1] چونکہ رات کا وقت تھا اور سخت تاریکی تھی اس لئے میسوری افواج نے دشمنوں کا تعاقب نہیں کیا ٹیپو کے حکم سے انگریز زخمی قیدیوں کی مرہم پٹی کر کے ان کو ایک ایک روپیہ دے کر الگ الگ خیموں میں رکھا گیا دو ہزار سپاہیوں کو قلعہ کی حفاظت پر مامور کر کے ٹیپو کنگیری جو بنگلور سے جنوب مغرب میں نو میل کے فاصلہ پر تھا چلا گیا وہ اپنی ابتدائی فتوحات کے باوجود دشمنوں کے امکانی حملوں سے بے خبر نہیں تھا اپنی پوری فوجی طاقت کو صرف بنگلور کی حفاظت پر لگا دینا اسکی فوجی حکمت عملی کے بھی خلاف تھا۔

سقوط بنگلور

گورنر جنرل کارنواس جس کی کمان میں پوری متحدہ افواج تھیں کولار و ہوسکوٹہ پر اپنے قبضہ کے باوجود تازہ جانی و مالی نقصان کی وجہ سے سخت پریشان تھا بنگلور کے قریب صرف تین کوس کے فاصلہ پر کرشنا راجپور میں دشمنوں کی موجودگی کے باوجود سلطانی افوج نے ان کے لئے رسد اور کمک کے تمام امکانی راستوں کو بند کر دیا تھا

[1] تاریخ ٹیپو سلطان از محب الحسن۔

آس پاس کے کھیتوں کو میسوری سپاہیوں نے تباہ کر دیا تھا تاکہ دشمن کے جانوروں کی غذائی ضروریات بھی اس سے پوری نہ ہوسکے دوسری طرف مرہٹہ و نظام کی افواج جنرل کارنواس کی مدد کے بجائے خود اس کو اپنی مدد کے لئے شمال کی طرف بلا رہی تھیں اس لئے اب کارنواس کے لئے بغیر کسی تاخیر کے اپنا وقت ضائع کئے بغیر بینگلور پر حملہ کرکے قبضہ کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں تھا فوجی و تجارتی لحاظ سے بھی سری رنگا پٹنم کے بعد پوری سلطنت میں بینگلور ہی سب سے اہم و بڑا شہر تھا اس وقت ایک مربع میل پر پھیلے ہوئے اس شہر کی اہمیت انگریزوں کے لئے یوں بھی زیادہ تھی کہ یہیں سلطانی افواج کے لئے اسلحہ سازی کے کارخانے قائم تھے اس طرح اس کو فتح کرنے کی صورت میں اسلحہ کا ایک بڑا ذخیرہ بھی ان کے ہاتھ لگ سکتا تھا یہاں کے باشندے بھی دیگر علاقوں کی بہ نسبت زیادہ خوشحال تھے پورے شہر کو پچیس فٹ گہری خندق نے گھیر رکھا تھا اس میں داخل ہونے کے لئے دو مضبوط اور کشادہ پھاٹک تھے ایک کا نام میسوری دروازہ اور دوسرے کا دہلی دروازہ تھا سولہویں صدی عیسوی میں آباد ہونے والے اس شہر کے مٹی سے بنے بیضوی شکل کے قلعہ کو نواب حیدر علی و سلطان ٹیپو نے از سر نو پتھروں سے تعمیر کرکے مزید مضبوط بنا دیا تھا، مارچ ۱۷۹۱ء کی صبح کو جنرل کارنواس کی افواج نے شہر سے ٹیپو کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر جنرل میڈوز کی قیادت میں اس پر ایک سخت حملہ کر دیا اس وقت یہاں صرف دو ہزار سلطانی افواج تھیں جس نے حتی المقدور ان کی مزاحمت کی لیکن تعداد میں کم ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ دیر تک ان کا مقابلہ نہیں کرسکے اور شہر پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ مقامی آبادی کی ایک بڑی تعداد شہر سے

بھاگ گئی جو لوگ بچ گئے انگریزوں نے ان پر غیر معمولی ظلم کیا خواتین کی عصمتیں لوٹی گئیں بے حساب مال غنیمت دشمنوں کے ہاتھ لگا سپاہیوں نے حتی الامکان نقدی اور زیورات سمیٹے بڑی مقدار میں اسلحہ و گولہ بارود پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا شہر پر قبضہ کی اس جنگ میں طرفین کے سینکڑوں سپاہی کام آئے انگریز کرنل مورس بھی مارا گیا شہر پر قبضہ کے بعد انگریزی افواج نے قلعہ پر توجہ دی جب ٹیپو کو سقوط بنگلور کی غیر متوقع خبر ملی تو اس کو بڑا ملال ہوا وہ فوراً کنگیری سے بینگلور کی طرف بڑھا اور اپنے فوجی افسر قمرالدین کی قیادت میں چھ ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ شہر کے اندر بھیج دیا لیکن یہ لوگ بھی زیادہ دیر تک دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکے پانچ سو میسوری سپاہی مارے گئے اب ٹیپو نے اپنی فوجی حکمت عملی تبدیل کر دی اور ان کا براہ راست مقابلہ کرنے کے بجائے قلعہ کے آس پاس ٹیلوں پر قبضہ کرکے وہاں سے انگریزی فوج پر گولہ باری شروع کر دی اب انگریزی فوج جو قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھی پیچھے سے ٹیپو کے حملہ کی زد میں تھی دوسری طرف رسد اور کمک کے راستوں کے مسدود ہونے کی وجہ سے ان کے گھوڑے اور دیگر جانور چارے کی قلت سے پریشان تھے دو ہفتہ کے مسلسل محاصرہ کے باوجود دشمن قلعہ پر قبضہ نہیں کرسکے۔

کرشنا راؤ کی بے وفائی

بینگلور کے قلعہ کی حفاظت پر ٹیپو کی طرف سے ایک فوجی دستہ کے ساتھ کرشنا راؤ مامور تھا اسکو انگریزوں نے اقتدار کا لالچ دے کر خرید لیا انگریزوں نے اس

کوہدایت دی تھی کہ وہ قلعہ کے اندر کی تمام خبریں ان کو پہنچائے تا کہ اس کے مطابق وہ حملہ کر سکیں جب انگریزوں نے گولہ باری کر کے قلعہ میں شگاف ڈال دیا تو اس جانب حفاظت پر مامور سپاہیوں کی تعداد کو کم کر کے کرشنا راؤ نے دشمن کو وہاں سے حملہ کرنے کا خفیہ پیغام بھیجا منصوبہ کے مطابق انگریزوں نے رات کے وقت قلعہ پر حملہ کر دیا اور میسوری افواج کی مزاحمت کے باوجود قلعہ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا ایک ہزار سلطانی سپاہی شہید ہوئے اور تین سو کے قریب زخمی ،سلطان کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے ان کی کمک کے لئے دو ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ روانہ کیا لیکن تب تک قلعہ پر ان کا قبضہ ہو چکا تھا اس معرکہ آرائی میں سلطان کے معتمد سید حامد اور بہادر خاں قندھاری شہید ہوئے اور شیخ انصار کو انگریزوں نے گرفتار کر لیا دشمنوں کے صرف ۱۳۱ سپاہی کام آئے میر معین الدین و میر قمرالدین نے انگریزوں سے شکست کا بدلہ لینے کے لئے دوبارہ بینگلور پر حملہ کی پیش کش کی لیکن سلطان نے کسی حکمت عملی کے پیش نظر ان کو منع کر دیا کرشنا راؤ کی نمک حرامی کا ٹیپو کو بعد میں علم ہوا اس نے اس کو سری رنگا پٹنم کے انتظامات کے لئے بھیجا تھا اسی دوران ٹیپو کو اس کی والدہ کا خط ملا جس میں اس نے اس کو سقوط بینگلور کے بعد کرشنا راؤ کی بے وفائی و غداری سے آگاہ کیا تھا اور لکھا تھا کہ انگریزوں نے اس کو سری رنگا پٹنم کے تخت پر دوبارہ میسور کے قدیم ہندو حکمراں خاندان کی بحالی کی ذمہ داری سونپی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

غداری کا انجام

کرشنا راؤ کی غداری کا راز ٹیپو کی والدہ پر اس وقت فاش ہوا جب انگریز جنرل ریڈ کے ایک جاسوس کو کنڑی زبان میں ایک خط عباس نامی شخص کے نام لے جاتے ہوئے ایک سلطانی سپاہی نے گرفتار کیا اس جاسوس نے اس خط کو بانس کے ایک عصا میں چھپا کر رکھا تھا جس کے اندر اس پوری سازش کی تفصیلات تحریر تھیں ٹیپو کے دور ہونے کی وجہ سے سلطانی سپاہیوں نے قریب ہی موجود اس کی والدہ کو اس سے آگاہ کیا تا کہ وہ ٹیپو کو فوراً خط لکھ کر اس سے واقف کرا سکے سلطان ٹیپو کے حکم سے میر معین الدین نے کرشنا راؤ اور اس سازش میں شریک اس کے تینوں بھائیوں کو گرفتار کر کے پھانسی دے دی کرشنا راؤ کی لاش کو عبرت کے لئے بازار میں پھینک دیا گیا اس نے اپنی موت سے پہلے اپنی غداری کا علی الاعلان اعتراف کرتے ہوئے یہ جملہ کہا کہ میری لگائی ہوئی فتنہ کی اس آگ کو ٹیپو کبھی بجھا نہیں سکے گا بعد کے حالات نے اسکی بات کی تصدیق بھی کر دی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ٹیپو کی والدہ کو کرشنا راؤ کی بے وفائی کی اطلاع خود اسکی بیوی نے دی تھی اور سلطان کی والدہ کے پاس آ کر کہا تھا کہ اس کا شوہر اس کے بارہا سمجھانے کے باوجود اس سازش سے باز نہیں آ رہا ہے اس پر کرشنا راؤ کے خاندان والے اس کے دشمن ہو گئے بعد میں اس کی درخواست پر ٹیپو نے اس کو اپنے محل میں بطور ملازمہ رکھا اور اس کی حفاظت کی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

چک بالاپور پر ٹیپو کا دوبارہ قبضہ

بینگلور پر قبضہ کے بعد انگریزوں نے دیون ہلی کے باج گذار راجہ کو لالچ دے کر بغیر کسی مزاحمت کے اس پر قبضہ کر لیا تھا جس کے بعد چک بالاپور کو بھی انہوں نے فتح کر لیا لیکن یہ علاقہ انگریزوں نے سالانہ ایک لاکھ روپیہ خراج کے عوض وہاں کے پرانے پالیگار خاندان کے راجہ رام سوامی گوڈا کے پاس ہی رہنے دیا تھا ٹیپو کو جب اس کی اطلاع ملی کہ چک بالاپور کے راجہ نے بغاوت کر دی ہے تو اس کی خبر لینے کے لئے وہ خود ایک فوجی دستہ لے کر نکلا اور پہلے ہی حملہ میں اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا باغیوں کو سخت سزائیں دی گئیں اور بعض لوگوں کو پھانسی پر بھی چڑھایا گیا۔

ٹیپو کی دارالسلطنت واپسی

چک بالاپور پر دوبارہ قبضہ کے بعد ٹیپو میسوری افواج کی کمان اپنے معتمد میر قمرالدین کو سونپ کر خود دارالسلطنت کا جائزہ لینے کے لئے واپس آ گیا اس کو خدشہ تھا کہ سرنگاپٹنم میں اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر دشمن کہیں بینگلور کی طرح اس کا بھی محاصرہ نہ کر لیں اور اس کا قوی امکان بھی تھا اس لیے کہ سقوط بینگلور کے بعد پوری سلطنت میں اب فوجی اعتبار سے سب سے اہم یہی شہر تھا۔

میر قمرالدین کے کارنامے

میر قمرالدین اب تک ٹیپو کا قابل اعتماد اور وفادار فوجی افسر تھا اس کی کمان

میں ٹیپو نے دس ہزار سپاہیوں کو دے کر انگریزوں کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا تھا وہ حسب ہدایت بینگلور کی طرف بڑھا اور راستہ ہی میں احتیاطاً بڑی مقدار میں رسد کو جمع کر لیا سب سے پہلے اس کا سامنا انگریزوں کے اس دستہ سے ہوا جس میں خود حیدر آبادی سپاہی بھی شامل تھے بہت دیر تک ان دونوں میں گولیوں کا تبادلہ ہوا اور اخیر میں انگریزی دستہ کو پسپا ہونا پڑا میر قمرالدین نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ مل کر دشمن کے ان پانچ ہزار بیلوں پر قبضہ کر لیا جو انگریزوں کے لئے غلہ لے جا رہے تھے دو سو انگریز و حیدر آبادی سپاہیوں کو قید کر لیا گیا اس طرح دشمن کو ایک طرف پسپا ہونا پڑا اور دوسری طرف ان کے کیمپوں میں رسد بھی نہیں پہنچ سکی جس سے ان کو کئی دنوں تک غذا کی قلت کا سامنا کرنا پڑا اور حسب توقع میر قمرالدین نے دشمنوں کا ناک میں دم کر دیا۔

افواج مرہٹہ و نظام کے حملے

اب تک میسوری افواج کے ساتھ صرف انگریزی دستوں کی جھڑپیں ہو رہی تھیں افواج مرہٹہ و نظام اب تک اس جنگ میں عملاً شریک نہیں تھے بینگلور پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد ان کی ہمت بندھی چنانچہ نظام اپنی فوج لے کر خود حیدر آباد کے نواح میں پنگل کے مقام پر پہنچا اور اس کو اپنا فوجی مرکز بنا کر مہابت جنگ کی کمان میں حیدر آبادی افواج کو دریائے کرشنا عبور کرا کے رائچور بھیج دیا وہاں سے یہ لوگ میسور میں داخل ہوئے اور راستہ میں کوپل، سدہوٹ، گنجی کوٹہ، کڑپہ اور گتی وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ادھر مرہٹہ افواج بھی اپنے

سردار ہری پنڈت کی قیادت میں ہرپن ہلی وغیرہ کی تسخیر کے بعد صوبہ سرا میں داخل ہوئیں۔

مرہٹوں کی درندگی اور خود اپنے مندر کی توہین

سرا میں داخل ہونے کے بعد مرہٹوں نے وحشت و درندگی کی تمام حدود کر پار کر دیا دولت کی حرص میں انہوں نے خود اپنے مندر تک کو لوٹنے سے گریز نہیں کیا اس پورے علاقہ میں ہندوؤں کے مقدس شہر سرینگری کے مشہور مندر میں رکھی خالص سونے سے بنی اور جواہرات سے جڑی پالکی اور دیگر قیمتی اشیاء کو لوٹ لیا اور سارد انام کی دیوی کو بھی اٹھا کر باہر پھینک دیا مجموعی طور پر ۶۰ لاکھ روپے کی اشیاء کو یا تو لوٹ لیا گیا یا پھر تباہ کر دیا گیا مندر کے پجاری و متولی شنکر جگت گرو بھی ان کے ظلم و ستم سے بھاگ کر کارکل میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور وہاں سے انہوں نے ٹیپو کو ایک شکایتی خط لکھا کہ آپ کی مملکت کے حدود میں داخل ہو کر ان مرہٹوں نے اس طرح کی وحشیانہ حرکتیں کی ہیں اس کے جواب میں ٹیپو نے گروجی کو تسلی کا خط لکھا کہ ہم ان دشمنوں کو ضرور سزا دیں گے جو ہماری مملکت پر چڑھائی کر کے ہماری رعایا کو ستا رہے ہیں اسی طرح دوسرے ایک خط میں گروجی شنکراچاریہ کو لکھا کہ ان لوگوں کو جو کسی بھی مذہب کے مقدس مقامات کی بے حرمتی کرتے ہیں مرنے کے بعد اپنے کرتوتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا برائی کو لوگ ہنستے ہوئے کرتے ہیں لیکن اس کا انجام روتے ہوئے بھگتیں گے مذہبی رہنماؤں سے مقابلہ کرنا اپنی نسل کے

لئے تباہی کی دعوت دینے کے مترادف ہے ٹیپو نے گروجی کی درخواست پر سرینگیری کے مندر میں سارد ادیوی کو اس کی جگہ دوبارہ نصب کرنے کے لئے مالی امداد بھی فراہم کی ان سب کی مزید تفصیلات ہم ٹیپو کی مذہبی رواداری کے باب میں بیان کرینگے۔

دھارواڑ میں سلطانی افواج کی پسپائی

دریائے کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان دھارواڑ ہندوؤں کا ایک مضبوط قلعہ تھا جس پر نواب حیدر علی نے قبضہ کر کے اس کو سلطنت خداداد میں شامل کر لیا تھا مرہٹہ افواج اس جنگ میں اپنی شرکت کا فائدے اٹھا کر اس کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھیں ٹیپو کی طرف سے دھارواڑ کے قلعہ کی حفاظت پر اس کا لائق اور تجربہ کار کمانڈر بدرالزماں خاں نائط دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ مامور تھا مریچ کے مرہٹہ سردار پرسی رام بھاؤ کی دھارواڑ کی طرف پیش قدمی کی اطلاع سن کر ٹیپو نے بدرالزماں کو چار ہزار سپاہیوں کی کمک بھیج دی تھی دوسری طرف مرہٹوں کی مدد کے لئے کچھ انگریزی فوجی دستے لیفٹننٹ فوسٹر اور کیپٹن لٹل کی کمان میں وہاں پہنچ چکے تھے شروع میں تو مرہٹوں کو سلطانی افواج کے ساتھ مقابلہ میں کوئی خاص کامیابی نہیں ملی لیکن انگریزی دستوں کے آجانے کے بعد وہ شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے البتہ وہ فوجی قلعہ کو فتح نہیں کر سکے سات ماہ تک ان کو سلطانی افواج کی شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا لیکن جب قلعہ کے اندر رسد و اسلحہ ختم ہونے لگا اور

پانی کی قلت ہو گئی تو سلطانی افواج کے سینکڑوں سپاہی مر گئے اور کئی ہزار بددل ہو کر بھاگ گئے صرف تین ہزار میسوری سپاہیوں کے بچ جانے کی وجہ سے قلعہ کی مزید مدافعت اس کے بس سے باہر ہو گئی چنانچہ ۴/ اپریل ۱۷۹۱ء کو بدرالزماں خاں نائطہ باعزت طریقہ پر اسلحہ و خزانہ اور اپنے باقی ماندہ سپاہیوں کے ساتھ شیموگہ چلا گیا اور قلعہ پر مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا اس کے بعد پرسی رام کی مرہٹی افواج رام گری، چینگری، چتل درگ، شاہ نور، انکولہ اور مرزان وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے سری رنگا پٹنم کی طرف چل پڑیں تاکہ انگریزی افواج کے ساتھ ملکر دارالسلطنت کا محاصرہ کر سکے ادھر کارنواس کی قیادت میں انگریزی افواج بھی دارالسلطنت کی طرف روانہ ہو چکی تھیں جن کو راستہ میں سلطانی فوج موقع موقع سے شب خون مار کر پریشان کر رہی تھی اور ان کے سامان رسد پر بھی جو بیلوں پر ان کے لئے جارہا تھا قبضہ کر رہی تھی۔

دارالسلطنت کا ناکام محاصرہ

دارالسلطنت کی ناکہ بندی اور اس پر چڑھائی دشمنوں کے لئے اس پوری جنگ کی سب سے اہم کاروائی تھی اسی پر ان کی فتح و شکست کا انحصار تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے محاصرہ کے لئے کارنواس نے مرہٹہ افواج کے دھارواڑ سے آنے کا انتظار کیا اس کے بعد ان کے ساتھ ملکر اس نے دارالسلطنت کے محاصرہ کا ایک منصوبہ تیار کیا جس کے مطابق ہری پنڈت پونا سے دس ہزار سپاہیوں کو لے کر اس کاروائی میں شریک ہونے کے لئے نکلا جنوب مشرق سے مرہٹہ سردار پرسی رام

بھی چل پڑا لیکن انگریزی افواج کے عقب میں سلطانی افواج کے بعض دستے ان تک پہنچنے والے سامان رسد کو لوٹ رہے تھے اس لئے ان کو بڑی دقتوں و پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے انگریز سپاہیوں کو دیا جانے والا یومیہ راشن بھی نصف کر دیا گیا اخیر میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ روزانہ کی غذا بقدر ضرورت بھی ملنی دشوار ہو گئی اور مال برداری کے جانوروں کو بھی ذبح کیا گیا موسم بھی سخت تھا گرمی اپنے عروج پر تھی دوسری طرف کیمپوں میں بیماریاں پھیل گئیں چیچک کی وبا پھوٹ پڑی جانور مرنے لگے اور سپاہیوں کی حالت قابل رحم بن گئی لاکھ کوششوں کے باوجود رسد کا سامان انگریزی کیمپوں تک نہیں پہنچ رہا تھا راستہ ہی میں میسوری سپاہی اس کو لوٹ رہے تھے بالآخر ان سب حالات سے مجبور ہو کر کارنواس نے اس محاصرہ کو ختم کرنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی حالانکہ ٹیپو اس سے مصالحت کی درخواست محاصرہ سے پہلے ہی کر چکا تھا جس کو اس نے اپنی توہین سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا لیکن اب اس کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا اس لئے اس نے ناکام واپسی کا فیصلہ کیا مال برداری کے جانور چونکہ اکثر بیماری سے مر گئے تھے اس لئے توپ خانوں اور گولہ بارود کو کھینچ کر واپس لے جانا ان سپاہیوں کے لئے مشکل تھا کارنواس کے حکم سے تمام بڑے ہتھیاروں کو زمین میں دفن کر دیا گیا یا پھر دریا میں پھینک دیا گیا تاکہ سلطانی افواج اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

گرم کنڈہ میں ٹیپو کے شہزادہ کی بہادری

ٹیپو اگر چاہتا تو ذلت و رسوائی کے ساتھ واپس جانے والے کارنواس کی انگریزی افواج کا تعاقب کر کے اس پر باآسانی حملہ کر سکتا تھا لیکن یہ اس کی جنگی حکمت عملی کے خلاف تھا چنانچہ ان کے واپس جانے کے بعد ایک فوجی دستہ اپنے ایک شہزادہ کی کمان میں دے کر گرم کنڈہ روانہ کیا جس کے فوجی قلعہ کا نظام کی افواج نے اس کے فوجی افسر حافظ فرید الدین کی قیادت میں محاصرہ کر رکھا تھا شہزادہ فتح حیدر اگرچہ نوعمر اور ناتجربہ کار تھا اس کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی لیکن ٹیپو اس کو آزمانا چاہتا تھا فتح حیدر نے بڑی آسانی کے ساتھ اس مہم میں کامیابی حاصل کی اور حافظ فرید الدین کو اس کے کئی سپاہیوں کے ساتھ پکڑ کر پھانسی دے دی نظام کی افواج بھاگ گئیں اور ان کے اسلحہ و گولہ بارود و نقد روپیوں کا ایک بڑا ذخیرہ سلطانی افواج کے ہاتھ لگا اس کے بعد اسی شہزادہ کی قیادت میں ان ہی سپاہیوں نے ایک مختصر لڑائی کے بعد مدگیری کے قلعہ کو بھی دوبارہ فتح کر لیا جس کا مرہٹوں نے محاصرہ کر رکھا تھا یہاں بھی سینکڑوں سپاہی مرہٹہ افواج کے مارے گئے کچھ ہی دنوں کے بعد میر قمر الدین کی قیادت میں ایک دوسرے سلطانی دستہ نے کوئمبتور پر بھی قبضہ کر لیا۔

سری رنگا پٹنم کا دوبارہ محاصرہ

دار السلطنت کے پہلے محاصرہ میں برسات کی وجہ سے مرہٹہ فوج شامل نہیں

ہو سکی تھی اور وہ راستہ ہی میں پھنس گئی تھی ادھر نظام کی افواج بھی وانمباڑی ہی میں مقیم تھیں ناکام محاصرہ کے بعد جب انگریزی افواج واپس ہو رہی تھیں تو ان کی ملاقات مرہٹہ فوج سے ہوئی جو ان کے لئے سامان رسد لا رہی تھی مرہٹوں کا اصرار تھا کہ دار السلطنت کا فوری دوبارہ محاصرہ کیا جائے لیکن کارنواس اس کے لئے تیار نہیں تھا بالآخر جب موسم برسات ختم ہوا تو ۱/ فروری ۱۷۹۲ء کو اتحادی افواج نے دوبارہ سری رنگا پٹنم کی طرف کوچ کیا ادھر ٹیپو بھی ان کے مقابلے کے لئے اپنی چالیس ہزار فوج اور ایک سو توپوں کے ساتھ دریائے کاویری کے شمال میں واقع ایک میدان میں آگیا عقب سے ان کی حفاظت کے لئے پانچ ہزار سواروں کا ایک دستہ بھی موجود تھا اتحادی افواج میں سب سے آگے کارنواس کی قیادت میں ۲۲ ہزار انگریز سپاہی تھے حیدر آبادی افواج نظام کے شہزادہ سکندر جاہ کی قیادت میں ان کے پیچھے تھیں جو اٹھارہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھیں ان کے ساتھ کچھ فاصلہ پر ہی ہری پنت کی کمان میں بارہ ہزار مرہٹہ فوجی موجود تھے غرض یہ کہ مجموعی طور پر طرفین کی افواج میں تعداد کے اعتبار سے کوئی بڑا فرق نہیں تھا۔

ٹیپو کے خلاف اس کی رعایا کو بھڑکانے کے لئے انگریزوں کی چال

ٹیپو چونکہ ایک حکمران کے ساتھ ساتھ ایک عالم دین بھی تھا اس لئے اس کو بدعات و خرافات سے شروع ہی سے نفرت تھی اس نے اپنی سلطنت کے مسلمانوں میں پائی جانے والی جاہلی رسومات غلط عقائد اور بے جا خرافات پر شروع

ہی سے روگ لگادی تھی پیری مریدی کی آڑ میں چلنے والی غلط تجارت کو اس نے ممنوع قرار دیا تھا شیعوں اور خود بعض سنیوں میں محرم کے سلسلہ میں جو ہندوانہ اعمال رائج تھے اسں کو اس نے سختی سے منع کر دیا تھا اتفاق سے دارالسلطنت کے پہلے محاصرہ کے دوران محرم کا مہینہ آگیا جنرل کارنواس ایک کامیاب فوجی سپہ سالار کے ساتھ ساتھ ایک زیرک اور ذہین سیاستدان بھی تھا اپنے دشمنوں کے خلاف وہ صرف اپنی طاقت پر انحصار نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی پہلی کوشش یہی ہوتی تھی کہ مقابل میں پھوٹ ڈال کر ان کی قوت کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے اسی لئے اس نے ٹیپو کے بعض افسران کرشنا راؤ وغیرہ کو خرید لیا تھا اور ان کی غداری کی وجہ ہی سے بینگلور کو فتح کرنے میں وہ کامیاب ہو سکا تھا میسور کی اس تیسری جنگ میں بھی اس نے اپنے اس کامیاب حربہ کو آزمایا سلطنت خداداد میں شیعہ بڑی تعداد میں آباد تھے اور وہ خود انگریزی فوج میں بھی ملازم تھے چونکہ محرم کی رسومات زیادہ تر شیعوں میں رائج تھیں اور بعض سنیوں میں بھی احمد نگر و بیجاپور کی سلطنتوں میں رہنے کی وجہ سے یہ خرافات داخل ہو گئے تھے اس لئے سب سے پہلے کارنواس نے اعلان کیا کہ اس کی فوج میں شامل مسلمان سپاہیوں کو محرم کی مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لئے دس محرم تک ایک عشرہ کی سرکاری رخصت دی جائے گی اور اخیر میں ایک ماہ کی زائد تنخواہ بھی ملے گی اپنے انگریز سپاہیوں کو بھی اس نے حکم دیا کہ ان مسلمانوں کے احترام میں وہ اس دوران جنگ سے حتی الامکان گریز کریں اور ان کے زیر قبضہ مسلم علاقوں سے انگریز افسران کی سرپرستی میں تعزیئے اٹھائے جائیں اور بہترین تعزیہ پر کارنواس کی طرف سے خصوصی انعام بھی دیا

جائے پھر کیا تھا مسلمانوں میں تعلیم کی کمی تھی ناخواندگی عام تھی وہ ٹیپو کی مذہبی سختی کو سمجھنے سے قاصر تھے لازمی طور پر کارنواس کے لئے ان کے دلوں میں ہمدردی پیدا ہو گئی وہ طبقہ جو ان رسومات کا اصل داعی و محرک تھا عوام کو ٹیپو کے خلاف بھڑکانے میں اب کھل کر سامنے آگیا اور شاطر کارنواس اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور اس نے ٹیپو کے خلاف مسلمانوں کی اس ناراضگی سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی غرض یہ کہ ناخواندہ مسلمانوں کی اس ناراضگی سے انگریزوں کو انہیں ٹیپو کے خلاف ورغلانے اور خریدنے میں کوئی دشواری نہیں رہی اور اس چیز نے سلطنت خداداد کے زوال میں بھی اہم رول ادا کیا کوئی بھی مورخ زوال سلطنت خداداد کے پس منظر کو سمجھنے میں اس اہم نکتہ سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔

باقاعدہ جنگ کا آغاز

انگریزی افواج میں جنرل میڈوز کے ماتحت نوسو یورپین اور دو ہزار ہندوستانی سپاہیوں کا ایک مضبوط دستہ تھا اسی دستہ نے باقاعدہ جنگ کا آغاز کیا اور سب سے پہلے سری رنگا پٹنم کے عید گاہ کے عقب میں شہر گنجام کے قلعہ اور لال باغ پر حملہ کر دیا یہاں ٹیپو کی طرف سے سید حامد کی قیادت میں میسوری افواج کا ایک دستہ متعین تھا شروع میں تو انہوں نے جم کر دشمنوں کا مقابلہ کیا لیکن سید حامد کی شہادت کے بعد ان کو پسپا ہونا پڑا چار سو سلطانی سپاہی شہید ہوئے اور انگریزوں نے اس قلعہ پر قبضہ کر لیا لیکن ان کو یہ ابتدائی فتح اپنے اسی سپاہیوں اور گیارہ نامور

فوجی افسران کی موت پر بلی گنجام شہر کے قلعہ اور لال باغ کے ہاتھ سے جانے میں ٹیپو کے ایک وزیر مہدی علی خاں جو مسلکاً شیعہ تھا کی غداری نے اہم رول ادا کیا اس کو انگریزوں نے اقتدار کا لالچ دے کر خرید لیا تھا سید حامد کی وفات کے بعد سلطانی دستہ کی کمان اسی کے ہاتھ میں تھی اور اسی نے سلطانی سپاہیوں کو فریب دے کر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کیا تھا۔

گھمسان کی لڑائی

دشمنوں پر شب خون مارنے کے لئے ٹیپو نے دو الگ الگ دستے بالترتیب امام خاں قندھاری اور میر محمود کی کمان میں بھیجے تھے لیکن رات کی سخت تاریکی کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکے اور غلطی سے دشمن سمجھ کر ایک دوسرے پر حملہ کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطانی افواج کے ان دستوں کے اکثر سپاہی مارے گئے اور خود امام خاں قندھاری اور میر محمود بھی شہید ہو گئے رات میں جنرل کارنواس کی کمان میں ایک انگریزی دستہ نے دارالسلطنت کے دریا دولت باغ پر حملہ کر دیا لیکن سلطانی افواج کی سخت مزاحمت اور جوابی گولہ باری سے ان کو پسپا ہونا پڑا ادھر جنرل میکسول کی قیادت میں دشمن کے سپاہی مشرقی مورچوں پر قبضہ کے لئے متواتر حملے کر رہے تھے میسوری افواج کی شدید مزاحمت کے باوجود وہ کادیری عبور کر کے دریا دولت باغ اور سری رنگا پٹنم کے مختلف مشرقی حصوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے ٹیپو اس سے مایوس نہیں ہوا بلکہ اپنی پوری طاقت کو یکجا کر کے

اس نے علی الصبح دشمنوں کے مورچوں پر ایسا سخت حملہ کر دیا کہ دریا دولت باغ اور گنجام پر اس کا دوبارہ قبضہ ہو گیا اور انگریز سپاہی کادیری عبور کر کے اس پار کری گٹہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

ٹیپو کی غلطی اور اس کا خمیازہ

انگریزی افواج جب ٹیپو کے حملہ سے کادیری پار کر کے اس طرف بھاگ گئیں تو میسوری افواج کے بعض افسران نے ٹیپو کو مشورہ دیا کہ ان کا تعاقب کیا جائے لیکن اس نے منع کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ رات بھر قریب ہی میں رہ کر انہوں نے اپنی فوج کی از سر نو تنظیم کی اور پوری تیاری کے ساتھ پلٹ کر صبح کو پھر دارالسلطنت کا محاصرہ کر لیا ٹیپو اپنے افسران کے مشورہ پر اگر اپنی فوج کو دور تک ان کے تعاقب کی اجازت دیتا تو شاید ان کو تیاری کر کے پلٹ کر آنے اور دوبارہ محاصرہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور اس کے بعد پھر ٹیپو کو ان کے ساتھ ناقابل قبول شرائط پر صلح کی نوبت بھی نہیں آتی اس کی یہی وہ غلطی تھی جس سے اس کی جیتی ہوئی جنگ ہار میں تبدیل ہو گئی اور اس کا خمیازہ بعد میں خود اس کو بھی بھگتنا پڑا۔

محاصرہ کا طول اور صلح کا رجحان

صبح کو جب متحدہ افواج نے دارالسلطنت کا دوبارہ محاصرہ کیا تو سلطانی فوج چاروں طرف سے گھر کر رہ گئی اب اس کے لئے باہر سے کسی رسد یا کمک کی امید نہ

ہونے کے برابر تھی آس پاس میں غلوں کے کھیتوں کو دشمنوں نے جلا کر ناقابل استعمال بنا دیا تھا ٹیپو کے زیر قبضہ بعض ایسے شہروں پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا تھا جہاں سے اس کو اسلحہ کی ترسیل ہوتی تھی دوسری طرف متحدہ افواج کی تعداد تو زیادہ تھی لیکن ان کے پاس وسائل کی کمی تھی غذائی اجناس میں روز بروز کمی ہونے لگی محاصرہ بغیر کسی نتیجہ کے طول پکڑ رہا تھا وقفہ وقفہ سے دونوں کے درمیان ہونے والی چھوٹی چھوٹی جھڑپوں سے کوئی فیصلہ کن بات سامنے نہیں آرہی تھی انگریزوں کو اپنے اتحادیوں کے زیادہ دیر تک ساتھ رہنے کا یقین بھی نہیں تھا انگریز کمپنی تنہا اس جنگ کو جاری رکھنے کی متحمل بھی نہیں تھی ادھر ٹیپو کو اپنے بعض وزراء وافسران کی بے وفائی کی اطلاع بھی مل رہی تھی اور وہ انگریزوں سے رشوت لے کر مختلف قلعوں پر انگریزوں کو قبضہ کرنے میں تعاون دے رہے تھے اس لئے اب وہ جنگ کو طول دے کر اپنی فوج کے غداروں کو اپنے خلاف دشمن کی مدد کا کوئی اور موقع مزید نہیں دینا چاہتا تھا اسی لئے اس نے کچھ دن قبل ہی کارنواس کو مصالحت کی پیش کش کی تھی لیکن اس نے اس کی اس تجویز کو اس طرح ٹھکرا دیا کہ اس سلسلہ میں ٹیپو کے خط کا جواب تک نہیں دیا لیکن اب یہ بھی محاصرہ کے طول سے تنگ آکر آمادہ صلح تھا اس کا ایک کمانڈر جنرل میڈوز اس کے لئے ابھی تیار نہیں تھا اس کا کہنا تھا کہ ٹیپو اب تو جھک کر صلح کر لیگا لیکن اپنی طاقت کو اس کے بعد یکجا کر کے پھر ہمارے خلاف صف آرا ہو گا اس کو اس کا بھی احساس تھا کہ اس جنگ میں کسی نتیجہ پر پہنچے بغیر ہی اس کی کمان میں موجود انگریزی دستہ کے دو ہزار سپاہی ٹیپو کے ساتھ مقابلہ میں مارے گئے ہیں اور دوسرے انگریز کمانڈر اس کو اس بات پر عار بھی

دلا رہے ہیں چنانچہ جنرل میڈوز نے اپنی شرمندگی کو چھپانے کے لئے اپنے اوپر گولی چلا کر خودکشی کی کوشش کی لیکن اس کے ایک ساتھی کرنل مالکم نے اس کو بچایا اور ٹیپو کے ساتھ مصالحت کے فوائد سمجھائے. بڑی مشکل سے اس نے اس صلح پر اپنی آمادگی ظاہر کی جس کے بعد جنگ بندی کا اعلان کیا گیا۔

معاہدہ کا مسودہ

سری رنگا پٹنم کا قلعہ چونکہ ابھی تک ٹیپو ہی کے قبضہ میں تھا اس لئے شہر کے باہر عید گاہ کے پاس جمع ہو کر صلح کے مسودہ پر ٹیپو اور متحدہ افواج کے نمائندوں نے تبادلہ خیال کیا انگریزی افواج کی طرف سے جنرل کناوے نظام کی طرف سے میر عالم اور مرہٹوں کی طرف سے گوند راؤ کالے اور بچہ جی مہندال اور ٹیپو کی طرف سے غلام علی خاں اور علی رضا خاں نمائندگی کر رہے تھے شروع میں تو اتحادی نمائندوں نے سخت شرائط پیش کئے اور ٹیپو سے آٹھ کروڑ روپے تاوان جنگ کا مطالبہ کیا لیکن بعد میں اس میں تخفیف کر کے تین کروڑ روپے پر راضی ہو گئے ۲۳/فروری ۱۷۹۲ء کو فریقین مندرجہ ذیل مسودہ پر راضی ہوئے۔

۱) جنگ سے پہلے جن علاقوں پر ٹیپو کا قبضہ تھا اس میں سے نصف علاقہ اتحادیوں کو دیا جائے ان علاقوں کی تعیین اتحادی اپنی سلطنتوں سے متصل اپنی پسند سے کریں گے۔

۲) ٹیپو بطور تاوان جنگ تین کروڑ روپے اتحادیوں کو ادا کرے ایک کروڑ ۶۵ لاکھ روپے نقد اور بقیہ رقم چار مہینوں میں تین قسطوں میں ادا کی جائے۔

۳) نواب حیدر علی کے زمانہ سے لیکر اب تک اتحادیوں کے جتنے قیدی سلطنت خداداد میں قید ہیں ان کو فوراً رہا کیا جائے۔

۴) معاہدہ کی پابندی و تکمیل تک بطور ضمانت ٹیپو کے دو شہزادے بطور یرغمال انگریزوں کے پاس رکھے جائیں۔

ٹیپو کی غیرت نے اس رسوائی کو کیسے قبول کیا؟

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ٹیپو جیسے غیرت مند خوددار اور حمیت پسند بادشاہ نے جس کی نظیر نہ صرف ہندوستان بلکہ انسانی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے اس رسوا کن، ذلت آمیز اور یک طرفہ شرائط والے معاہدہ کو کیسے قبول کیا لیکن جب ہم اس پورے پس منظر اور حالات کا جائزہ لیتے ہیں جس میں ٹیپو نے اس مسودہ صلح کو منظوری دی تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ٹیپو کے لئے اس وقت اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا وہ ایک طرف کامیاب سپہ سالار فوج تھا تو دوسری طرف تجربہ کار سیاستدان اور غیر معمولی بصیرت رکھنے والا عوامی رہنما اور قائد بھی بغاوتوں کو کچلنے کا ایک عام اصول یہ ہے کہ اس کو سر اٹھانے سے پہلے ہی کچل دیا جائے لیکن جب کسی بھی سلطنت کی فوج و انتظامیہ میں اعلی سطح پر یہ وبا عام ہو جائے اور میدان جنگ میں کسی رہنما کو اس کا علم ہو تو وہ کرہی کیا سکتا ہے اس وقت اپنے مقابل دشمنوں سے لڑنے کے بجائے آستین کے سانپوں کو ختم کرنے پر توجہ دینا خود اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے میسور کی اس تیسری جنگ

میں بھی ٹیپو کے ساتھ کچھ اسی طرح کا معاملہ پیش آیا محرم کی رسومات اور جاہلی خرافات پر پابندی لگا کر اس نے اپنے ناخواندہ عوام کی پہلے ہی مخالفت مول لی تھی اس پر انگریز گورنر جنرل کی طرف سے محرم کی رسومات کی اجازت و ہمت افزائی نے جاہل عوام کے غم و غصہ میں اور اضافہ کر دیا اور اسکے بعد اس کی مملکت کے علماء سوء بھی کھل کر سامنے آگئے دوم یہ کہ اعلی سطح پر جنگ کے شروع میں بغاوتوں کا علم ہونے کے باوجود اس نے یہ سوچ کر کہ جنگ سے فراغت کے بعد یکسوئی سے ان سب سے نپٹ لے گا ابتداء ہی میں اس کو دبانے کی کوشش نہیں کی دارالسلطنت کے آس پاس کے اکثر قلعوں کی حفاظت پر ٹیپو کی طرف سے مامور قلعداروں کو انگریزوں نے خرید لیا تھا خود بینگلور کا سقوط بھی اس کے قلعدار کرشنا راؤ کی بے وفائی ہی کا نتیجہ تھا مهدی علی خاں کی غداری سے گنجام شہر اور دریا دولت باغ بھی اس کے ہاتھوں سے نکل گیا خود سری رنگا پٹنم کے قلعہ میں موجود بعض افسران کو انگریزوں نے دولت و اقتدار کا لالچ دے کر اپنا ہمنوا بنا لیا تھا جن کے ذریعہ قلعہ کے اندر کی پل پل کی خبریں ان کو معلوم ہو رہی تھیں ان ہی غداروں کی وجہ سے سلطانی جاسوسی نظام میں رخنہ پڑا تھا اور متحدہ افواج کے بینگلور پہنچنے کے بعد ہی ٹیپو کو اس کا علم ہو سکا تھا ان سب حالات میں دوران جنگ باغیوں کو چھیڑنا فوجی حکمت عملی کے خلاف تھا اس مسودہ صلح کو بھی شروع میں ٹیپو نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا لیکن ان ہی غداروں نے اس کو قبول کرنے پر اسے مجبور کیا اگر وہ اس کو قبول نہیں کرتا تو خدشہ تھا کہ اس کو مستقبل میں اس سے بڑا نقصان اٹھانا پڑے اور باغی گروہ کھل کر سامنے آجائے جس کو روکنا اس وقت بہت مشکل

ہوتا یہی وجہ تھی کہ ٹیپو نے مستقبل میں اپنی سلطنت کے ایک بڑے فائدہ کے پیش نظر وقتی نقصان وذلت کو بادل ناخواستہ ہی سہی برداشت کیا متحدہ افواج کے بجائے اگر اس کا مقابلہ تنہا انگریزوں سے ہوتا تو اس جنگ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اس کا احساس خود انگریزوں کو بھی تھا اسی لئے انہوں نے تنہا ٹیپو سے جنگ سے گریز کیا۔

معاہدہ کی تعمیل

دو شہزادوں کو معاہدہ کی تعمیل تک انگریزوں کے پاس بطور ضمانت رکھنے سے اگرچہ شروع میں ٹیپو نے انکار کیا لیکن جب ان کا اس پر اصرار رہا اور انہوں نے دوبارہ جنگ کی دھمکی دی تو ۲۶ / فروری ۹۲ء۱ کو پر نم آنکھوں کے ساتھ اپنے دو معصوم شہزادوں عبدالخالق اور معزالدین کو جن کی عمریں اس وقت بالترتیب ، اور ۵ سال تھیں ان کے حوالہ کیا اتحادیوں کو کورگ کا علاقہ دینے کی بات معاہدہ میں شامل نہیں تھی اور یہ ان کی سلطنتوں سے متصل بھی نہیں تھا لیکن جنرل کارنواس کی اس کی فوجی اہمیت کے پیش نظر شروع ہی سے اس پر نظر تھی سلطان نے اس کے اس مطالبہ کو قبول کرنے سے انکار کردیا تو انگریزوں نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے دوبارہ دارالسلطنت کا محاصرہ کردیا ٹیپو کی طرف سے شہزادوں کی خدمت وحفاظت کے لئے بھیجے گئے سپاہیوں کو شہزادوں کے ساتھ نظر بند کرکے مدراس بھیج دیا گیا بعض انگریزوں نے کاویری پار کرکے لوٹ مار بھی شروع کردی جن کو سلطانی

سپاہیوں نے مار بھگایا ادھر سلطان ٹیپو کا ایک فوجی دستہ میر قمرالدین کی قیادت میں بدنور سے رسد کا ایک بڑا ذخیرہ لے کر سری رنگا پٹنم پہنچ گیا اس لئے اب اگر ٹیپو چاہتا تو بہت دنوں تک ان کا مقابلہ کرسکتا تھا لیکن انگریزوں کے پاس یرغمال اپنے دونوں بیٹوں کے بارے میں اس کو تشویش تھی جنگ چھیڑ کر وہ ان شہزادوں کے بارہ میں خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے بادل ناخواستہ کورگ کو انگریزوں کے حوالہ کردیا اور مارچ کے اواخر تک حسب وعدہ جنگی قیدیوں کا تبادلہ بھی ہوا۔

اتحادیوں کو کیا ملا

پوری سلطنت خداداد کی آمدنی کا حساب لگا کر اس کو سالانہ دو کروڑ ، ۳ لاکھ روپے آمدنی کا علاقہ مانا گیا اور حسب معاہدہ ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ روپے آمدنی کے علاقے اتحادیوں کے حصہ میں آئے ہر ایک کو ۳۹ لاکھ روپے کے علاقے ملے کیرلا کے ساحلی علاقوں کالی کٹ اور کنانور کے علاوہ کورگ، بارہ محل، ڈنڈیگل اور سیلم وغیرہ انگریزوں کے حصہ میں آئے جب کہ نظام حیدرآباد کو اس کے پرانے علاقے ہی ملے جس میں بلاری اور پارمری وغیرہ شامل تھے مرہٹوں کو بھی ان ہی کے پرانے علاقے یعنی دریائے تنگ بھدرا کے شمالی حصے ملے۔ مجموعی طور پر فائدہ میں انگریز ہی رہے رقبہ کے اعتبار سے زیادہ علاقے ان ہی کو ملے جو نہ زرخیز اور قیمتی بھی تھے لیکن جس راجہ ٹراونکور کی حمایت کے نام پر اس جنگ کا آغاز ہوا تھا اس کو کچھ بھی

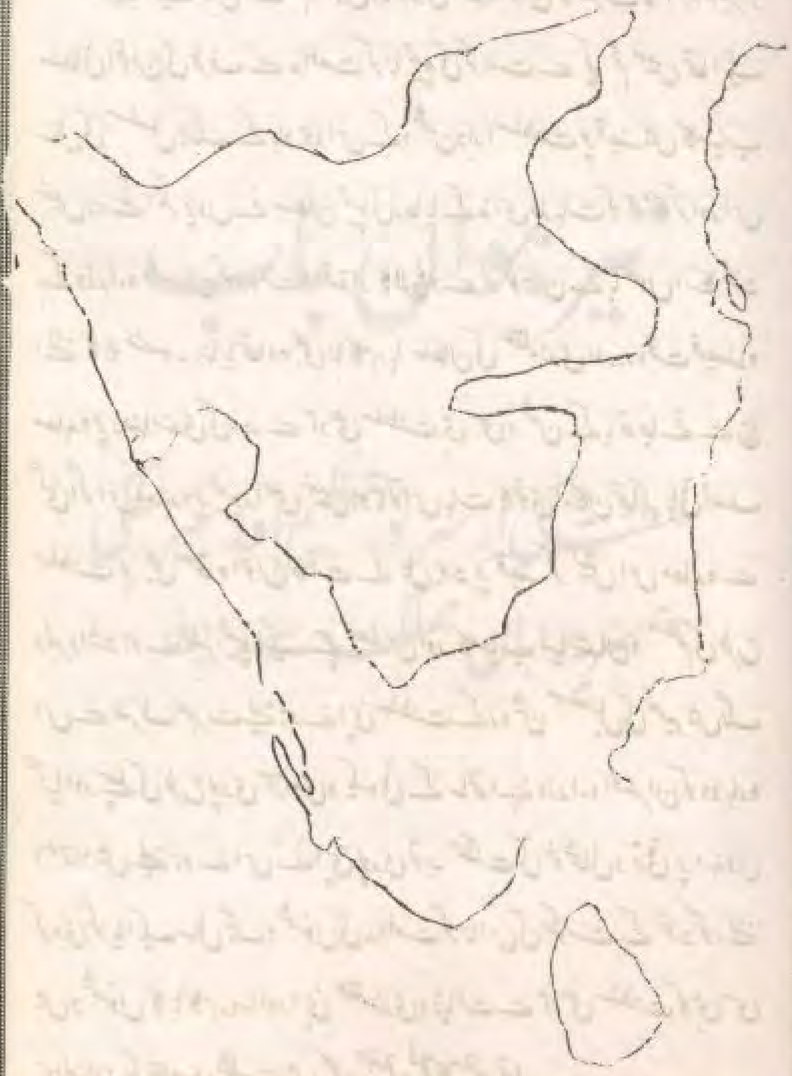
نہیں دیا گیا غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ نظام اور مرہٹوں کی طرح انگریزوں کو اس سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

جنگ میں مسلسل مصروف رہنے کی وجہ سے میسور کے سرکاری خزانہ میں ایک کروڑ ۶۵ لاکھ روپئے بطور تاوان جنگ نقد ادائیگی کے لئے نہیں تھے پھر بھی اس نے اپنی وفادار رعایا کے تعاون سے اس کو جمع کیا اور حسب وعدہ ان کو ادا کیا۔

سلطنت پر معاہدہ کے منفی اثرات

اتحادیوں نے نصف سلطنت میسور کو آپس میں اس طرح تقسیم کر دیا تھا کہ اب سلطنت خداداد چاروں طرف سے غیر محفوظ ہو گئی تھی مشرقی و مغربی علاقے ٹیپو کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے اور وہاں سے دارالسلطنت پر بآسانی حملہ کیا جا سکتا تھا ڈنڈیگل سے ٹیپو کی حکومت کو سب سے زیادہ غلہ فراہم ہوتا تھا لیکن اب یہ بھی دشمنوں کے حصہ میں جا چکا تھا ساحلی شہروں کے ان کے قبضہ میں چلے جانے کی وجہ سے گرم مسالے کی برآمدی تجارت انگریزوں کے حصہ میں جا چکی تھی تاوان جنگ کی نقد ادائیگی سے سرکاری خزانہ پر غیر معمولی بوجھ پڑا نصف سلطنت کے اتحادیوں کے پاس جانے کی وجہ سے سرکاری سالانہ آمدنی ۲ کروڑ روپئے سے گھٹ کر ایک کروڑ کے قریب پہنچ گئی تھی غرض یہ کہ آمدنی کے بہت سے ذرائع دشمنوں کے ہاتھ لگ گئے تھے لیکن پوری سلطنت کو نمک حرام وزراء و افسران کی سازش سے دشمنوں کے ہاتھ جانے سے روکنے کے لئے اس معاہدہ پر ٹیپو کی رضا مندی بھی اس کی سیاسی مجبوری تھی۔

۱۷۹۲ء کے معاہدہ سری رنگا پٹنم کے بعد سلطنت خداداد کا حدود اربعہ



شکست میں بھی فتح

تقریباً ایک سال تک کم و بیش دو لاکھ کی متحدہ افواج کا صرف ۴۵ / ۴۰ ہزار سلطانی افواج کی طرف سے مدافعت کرنا ٹیپو کی کرامت سے کچھ کم نہیں تھا ایک سال کی مسلسل جنگ کے باوجود اس کے دشمن دار السلطنت پر قبضہ میں کامیاب نہیں ہوسکے انگریزوں نے سلطان ٹیپو کی رعایا کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر اور اس کے وزراء و افسران کو دولت و اقتدار کا لالچ دے کر خود ان کے ہاتھوں اسکا تختہ الٹنے کا جو منصوبہ بنایا تھا وہ بھی ناکام رہا سلطان کی عقلمندی اور بروقت فیصلہ و معاہدہ پر رضامندی کی وجہ سے آدھی سلطنت ہی سہی دشمن کے ہاتھ جانے سے بچ گئی اگر اس معاہدہ پر ٹیپو راضی نہیں ہوتا تو اس بات کا قوی امکان تھا کہ باقی نصف سلطنت پر بھی متحدہ افواج طاقت کے بل بوتہ پر قبضہ کر لیتیں اس معاہدہ سے دلبرداشتہ ہوئے بغیر ٹیپو ایک سچے مسلمان اور کامیاب سیاستدان و منتظم کی طرح اس سے صرف عبرت لیتے ہوئے اپنی سلطنت کے روشن مستقبل کی تعمیر میں لگ گیا اور پہلے کی طرح پوری آزادی و یکسوئی کے ساتھ اپنے وزراء و افسران کو دوبارہ اعتماد میں لیتے ہوئے اس نے اپنی پوری توجہ مملکت کی خوشحالی و ترقی پر مبذول کردی گویا ایک سال تک دشمنوں کی مدافعت کرنا اس کی حکومت کے تختہ کو الٹنے میں دشمنوں کا ناکام رہنا اور اپنی عقلمندی و ذہانت سے آدھی سلطنت کو ہی سہی بچالینا اس کی ظاہری شکست میں بھی حقیقی فتح کا مظہر تھا۔

تیرھواں باب

سلطنت کی از سر نو تنظیم اور غیر ملکی سربراہان مملکت سے رابطہ

نقصانات کی تلافی اور تعمیر نو

ٹیپو نے اتحادیوں کے ساتھ کئے گئے وعدہ کے مطابق تاوان جنگ کی پہلی قسط ان کو ادا کی اور پھر یکسوئی سے جنگی نقصان کی تلافی کی طرف متوجہ ہوا اب رعایا کی خوشحالی اور ملک کی ترقی اس کی اولین ترجیحات میں شامل تھی دشمنوں کی توقعات کے برخلاف اپنے معاشی و اقتصادی مسائل سے پریشان ہونے کے بجائے وہ بڑی ہمت و عزم کے ساتھ روشن مستقبل کی تعمیر میں جٹ گیا دوران جنگ تباہ شدہ شہروں کو دوبارہ آباد کیا گیا فاضل زمینات کو کاشتکاروں میں زراعت کی شرط پر مفت تقسیم کیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ غلہ کی پیداوار میں خود بخود اضافہ ہو گیا جنگی اسلحہ وغیرہ کے ذخیرے تقریباً ختم ہو چکے تھے اور سلطنت کے جن اہم شہروں میں سامان حرب تیار ہوتا تھا وہ علاقے حسب معاہدہ ان کو دے دئے گئے تھے اب اسلحہ اور گولہ بارود کی تیاری کیلئے موجودہ علاقوں مثلاً سری رنگا پٹنم بدنور اور میسور وغیرہ میں نئے کارخانے قائم کئے گئے اقتصادی مسائل کو حل کرنے اور بے روزگاری کو دور کرنے کے لئے کپڑوں اور برتنوں وغیرہ کے بھی نئے کارخانے کھولے گئے جس میں سوتی اونی اور ریشمی کپڑوں اور قالین کے علاوہ ضروریات زندگی کی دوسری اشیاء بھی تیار ہوتی تھیں ان کارخانوں میں تیار ہونے والی مصنوعات کی شہرت بھی جلد ہی بیرونی منڈیوں تک پہنچ گئی جس سے برآمدات میں بھی چند ہی سالوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱ ۱/۲ سال کے اندر سلطنت کے خالی سرکاری خزانے پھر بھر گئے اور پہلے کی طرح تاوان جنگ کی بقیہ قسطوں کی ادائیگی

کیلئے رعایا سے ٹیپو کو قرض لینے کی نوبت نہیں آئی اقتصادی مسائل پر قابو پانے کے بعد اس نے ایک نئی تجارتی پالیسی وضع کی جس کے تحت بیرونی ممالک ایران ترکی اور حجاز وغیرہ سے مسلم تاجروں کو سلطنت خداداد میں آکر تجارت کرنے کیلئے سرکار کی طرف سے خصوصی رعایتوں سے نوازا گیا خود حکومت کی زیر سرپرستی ایک بڑی تجارتی کمپنی بھی قائم کی گئی جس میں اس کی رعایا میں سے ہر کوئی بلاتفریق مذہب اپنا سرمایہ لگا کر نفع و نقصان کے اسلامی اصولوں کی بنیاد پر شریک ہو سکتا تھا اس طرح اس کمپنی کے قیام سے تجارت میں امراء کے علاوہ پس ماندہ طبقہ کے غریب عوام بھی قسمت آزمانے لگے اور تجارتی منڈیوں پر امراء کی اجارہ داری ختم ہو گئی۔

شہزادوں کی واپسی

حسب وعدہ ٹیپو نے چار ماہ کے وقفہ سے ایک کروڑ ۳۵ لاکھ روپے اپنے اوپر واجب تاوان جنگ کے ادا کئے نتیجہ یہ ہوا کہ ۹۴ء تک یرغمال بنائے گئے دو معصوم و کمسن شہزادوں عبدالخالق و معزالدین کو انگریزوں نے بڑے احترام و اعزاز کے ساتھ ٹیپو کے پاس واپس بھیج دیا ان کو لانے والے کیپٹن ڈوٹن اور دیگر انگریز افسران کی ٹیپو نے فرط مسرت سے خوب خاطر مدارات کی اور ان سب کو قیمتی تحائف سے نوازا، شہر سے باہر دیون ہلی جاکر خود اپنے شہزادوں کا استقبال کیا ان کی آمد کی خوشی میں پورے دار السلطنت میں جشن منایا گیا غرباء و مساکین پر صدقات و خیرات کی بارش کی گئی اور وزراء و افسران سلطنت کو ترقی دی گئی۔

جمہوریت کا قیام اور پارلیمان کی بناء

اقتصادی و معاشی مسائل پر ایک حد تک قابو پالینے کے بعد ٹیپو نے امور سلطنت کی ازسر نو تنظیم کی طرف سب سے پہلے توجہ دی اس کو پچھلی جنگ میں اس بات کا اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ عوام کو براہ راست امور سلطنت میں شامل نہ کرنے اور اس سلسلہ میں انکو اعتماد میں نہ لینے اور صرف اعلی سطح کے افسران سے رابطہ رکھنے کا کیا حشر ہوتا ہے اس لئے اس نے اپنے سابقہ تجربہ کی بنیاد پر جمہوریت کے عمل کو اپنی سلطنت میں رائج کرنے کا پختہ ارادہ کیا اور اس کے لئے زمزمہ غم نباشد کے نام سے ایک پارلیمان قائم کی میر حسین علی کرمانی جو ٹیپو کا معاصر ہے اپنی کتاب نشان حیدری میں لکھتا ہے کہ غم نباشد سے حروف تہجی کے اعتبار سے ٹیپو نے مندرجہ ذیل قومیں مراد لی تھی۔

غ :- غیر وطنی، م :- مغل و مرہٹہ، ن :- نوائط، ب :- برہمن، ا :- افغانی، ش :- شیعہ، د :- اہل دائرہ یعنی مہدوی۔

مہدی علی خاں اب تک ٹیپو کا نائب یعنی دیوان (وزیر اعظم) تھا لیکن گذشتہ جنگ میں اس کی غداری کا اس کو سابقہ پڑ چکا تھا اس لئے اس کو اس کے عہدہ سے ٹیپو نے معزول کر کے میر صادق کو اس منصب پر فائز کیا اور اس کو نئی پارلیمان کا صدر بھی مقرر کر دیا ہندو برہمن پورنیا کو مالیات کی وزارت سونپی گئی اور سید حامد کو بدنور (حیدر نگر) کا گورنر مقرر کیا گیا پارلیمان کے ممبران کو جن کی تعداد سلطنت کے مختلف حصوں کی نمائندگی کی وجہ سے دس ہزار تک پہنچ گئی تھی نامزد کرنے کا

ہر علاقہ کے شہریوں کو اختیار دیا گیا البتہ چند ممبران کو ٹیپو خود مقرر کرتا تھا اس کے علاوہ تمام علاقوں کے گورنروں کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ وہ ہر سال کے اخیر میں بقر عید کے بعد اپنی سالانہ کارکردگی کی رپورٹ پارلیمان اور خود بادشاہ کو بھی پیش کریں پارلیمان کے قیام کے بعد ٹیپو روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں دخل دینے سے آزاد ہو گیا اور اقتدار کا ایک بڑا حصہ اس نے اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں عوام کی طرف منتقل کر دیا البتہ مملکت کے اہم سیاسی امور میں اس کی دلچسپی اب بھی برقرار تھی۔

فوج کی ازسر نو تنظیم اور بحری طاقت کی طرف توجہ

تیسری جنگ میں بڑے پیمانہ پر زیادہ تر معرکہ آرائیوں کے نہ ہونے کے باوجود اسلحہ و گولہ بارود کی کوئی بڑی مقدار ٹیپو کے پاس نہیں تھی معاہدہ امن کے باوجود کسی وقت بھی نقض عہد کر کے انگریز یا مرہٹہ اس پر حملہ آور ہو سکتے تھے اس کا تجربہ ٹیپو کو اس سے قبل بارہا ہو چکا تھا اسلحہ کی کمی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جن شہروں میں اسلحہ سازی کے کارخانے قائم تھے ان میں سے اکثر علاقے معاہدہ کی رو سے اتحادیوں کی سلطنت سے متصل ہونے کی وجہ سے ان کو دیئے گئے تھے جس کی بناء پر اسلحہ کی پیداوار میں کمی فطری بات تھی دار السلطنت کے مشرقی و مغربی حصوں کے غیر محفوظ ہو جانے کی وجہ سے اپنی دفاعی قوت پر توجہ دینے کی اس کو اب پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت تھی اگرچہ اس کے داخلی مسائل اور قلت وسائل اس کے

متحمل نہیں تھے لیکن اس کے بغیر اس کو کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا چنانچہ اس نے بدنور، میسور اور دار السلطنت میں اسلحہ سازی کے نئے کارخانے قائم کئے نئی نئی قسم کی توپیں ایجاد کی گئیں فوجیوں کی باقاعدہ تربیت کے لئے جنگل وغیرہ میں خصوصی مراکز قائم کئے گئے پوری فوج کو از سر نو منظم کیا گیا انگریزوں کو جنگ میں انکی بحری طاقت کی وجہ سے جو سہولتیں حاصل تھیں ٹیپو اس کو خوب سمجھتا تھا نواب حیدر علی کے زمانہ ہی میں سلطنت خداداد کا بحری بیڑہ قائم کیا گیا تھا لیکن اس شعبہ میں ان کی اچانک وفات کی وجہ سے کوئی خاص پیش رفت نہیں ہو سکی تھی اب ٹیپو نے تیسری جنگ کے خاتمہ کے بعد اس پر خصوصی توجہ دی نئے نئے بحری جہاز تیار کئے گئے اور اس کی تیاری کے لئے لکڑی کے خاطر ایک پورا جنگل مخصوص کر دیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی ذاتی توجہ سے چند ہی سالوں میں میسوری بحریہ میں ۲۲ جنگی اور ۲۰ تجارتی جہازوں کا اضافہ ہو گیا اسطرح قلیل مدت میں سلطان ٹیپو کی بحری طاقت میں یہ ترقی اس کے دشمنوں کے لئے کسی حیرت سے کم نہیں تھی۔

تجدید عہد وفا

تیسری جنگ کے نقصانات کی جب ایک حد تک تلافی ہو گئی تاوان جنگ کی ادائیگی کے بعد یرغمال بنائے گئے شہزادے بھی واپس آ گئے فوج کی از سر نو تنظیم کے بعد تجارت و زراعت بھی ایک بار پھر اپنے عروج کو پہنچ گئی تو ٹیپو نے اپنے سابقہ تلخ تجربہ کی بناء پر جس میں اس کو اپنے وزراء و افسران کی جانب سے غداری و بے وفائی

کا سامنا کرنا پڑا تھا بڑے پیمانہ پر ان سب کے خلاف کارروائی کر کے خود اپنے خلاف بغاوت کو دوبارہ دعوت دینے کے بجائے انسانی و اسلامی بنیادوں پر ان سب کو معاف کر کے ان سے وفاداری کا دوبارہ عہد لیا اس کے لئے اس نے اپنے تمام اعلیٰ سطح کے مسلم افسران کو جمع کر کے انہیں دعوت کی اور اس میں ایک مؤثر خطاب کیا جس میں ان کو اسلام دشمن طاقتوں کی کارستانیوں، منصوبوں اور ناپاک عزائم سے آگاہ کیا اور جس اہم مہم کو لیکر وہ اٹھا ہے اس کی تفصیلات بیان کی اور ان سب کو یہ بات سمجھائی کہ اس کی یہ جنگ صرف میسور کے دفاع یا ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنے تک محدود نہیں بلکہ عظیم مقاصد کے تحت کیا جانے والا یہ جہاد نہ صرف ہندوستان کی آئندہ آنے والی تاریخ پر اپنے اثرات چھوڑے گا بلکہ ملت اسلامیہ کی آئندہ آنے والی نسلوں تک اس کے نتائج پہنچیں گے اس طرح اس کا یہ جہاد در حقیقت ملک کی حفاظت کی آڑ میں خود اسلام کی حفاظت کے لئے ہے اس کے بعد اس نے ان کو آپسی اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہنے اور انتشار و افتراق سے بچنے کی نصیحت کی اپنی اس پوری تقریر میں اس نے جہاد کی قرآنی آیات و احادیث کا بار بار حوالہ بھی دیا جب سب حاضرین پر اس کی بات کا اثر ہوا اور انہوں نے اپنی باغیانہ حرکتوں پر اس سے معافی مانگیں تو خوشی سے ان سب کو خصوصی خلعتوں سے نوازا گیا اور ہر ایک سے تحریری وفاداری کا عہد لکھوا کر سب کے سامنے اس کو پڑھوایا گیا ٹیپو جانتا تھا کہ بغاوت کو روکنے کے لئے یہ سب ظاہری وسائل ہیں ورنہ ان کے دلوں اور نیتوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا تھا۔

میر صادق کا عہد وفا کی آڑ میں عہد جفا

شروع میں تو سلطنت کے دیوان میر صادق کو اپنے لئے صرف زبانی عہد پر اصرار رہا لیکن جب ٹیپو کے دوسرے وفاداروں نے اس کے ماضی کی روشنی میں اس کے تحریری حلف نامہ پر اصرار کیا تو وہ اس کے لئے تیار ہو گیا اس نے بحیثیت صدر پالیمان و دیوان سلطنت (وزیر اعظم) وفاداری کا حلف لیا جو بعد میں اس کے سیاسی کرتوتوں کی وجہ سے حقیقت میں بے وفائی کا عہد ثابت ہوا ماڈرن میسور کے مصنف کے حوالہ سے سلطان المجاہدین کے مؤلف نے اس کے حلف نامہ کی جو عبارت اپنی کتاب میں نقل کی ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

"میں میر محمد صادق نمک حرام اور ملازم سلطنت خداداد اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو حاضر ناظر و شاہد سمجھ کر اور خدا کی قسم کھا کر سچے دل سے یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں پوری وفاداری کے ساتھ اپنے آقا سلطان ٹیپو کی اطاعت کروں گا اس کے حکم پر ہر چیز کو مقدم سمجھونگا میرا دل ان کی اطاعت سے کبھی منحرف نہیں ہو گا میری آنکھیں ان کے خلاف کبھی کوئی برائی نہیں دیکھ سکے گی میرے کان کبھی ان کے خلاف کوئی بات سن نہیں سکیں گے میرے ہاتھ ہمیشہ ان کی بھلائی کے لئے کوشاں رہنگے میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ ان کے خلاف کبھی کچھ سنوں یا دیکھوں تو اسی وقت سلطان کو اس سے آگاہ کرونگا مذکورہ بالا شرائط کی خلاف ورزی ہو جائے یا آقا کی اطاعت میں

فرق آجائے تو اپنے پروردگار کو جو انتقام بھی لینے والا ہے حاضر و ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ مجھے وہ اپنے غضب سے تباہ کر دے۔

تقریباً کچھ اسی طرح کے عہد نامے سلطان کے دیگر وزراء و افسران مثلاً میر غلام علی لنگڑا، میر قمر الدین، بدر الزماں خاں نائط، حسین علی خاں، سید غفار، شیخ عمر، میر قاسم اور میر معین الدین وغیرہم سے بھی لئے گئے اس میں سے اکثریت نے اپنے ان حلف ناموں کا پاس رکھا اور وہ اخیر تک ٹیپو کے وفادار ہی رہے۔

اندرونی بغاوتوں کی سرکوبی

تیسری جنگ کے دوران ٹیپو کے کئی باجگزار راجاؤں اور پالیگاروں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی تھیں انگریزوں کے ساتھ مسلسل برسرپیکار رہنے کے باوجود بڑی آسانی کے ساتھ اس نے ان بغاوتوں کو کچل دیا تھا لیکن ان میں سے بعض پالیگار و راجہ انگریزوں و اتحادیوں کی مدد سے دوبارہ اپنے علاقوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے اختتام جنگ پر سلطنت کے انتظامی امور کے سلسلہ میں ایک حد تک اطمینان حاصل کر لینے کے بعد ٹیپو کے لئے ان بغاوتوں کو کچلنا اور فوری اس پر توجہ دینا ناگزیر تھا ان باغیوں میں سرفہرست ہرپن ہلی کا راجہ تھا ۱۷۹۲ء میں ٹیپو نے سید غفار کی قیادت میں ایک دستہ ہرپن ہلی کے باغی راجہ بسواپا نائک کی سرکوبی کے لئے بھیجا لیکن جب اس کو اس میں کامیابی نہیں ملی تو میر قمر الدین کو اس مہم پر روانہ کیا اس کی کمک کے لئے اس کے پیچھے خان جہاں خان کی قیادت میں ایک اور دستہ بھی روانہ کیا شدید مزاحمت کے بعد تین ماہ میں میر قمر الدین ہرپن ہلی پر

دوبارہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا بسواپا نائک چار سو آدمیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا ادھر کنگیری کے پالیگار نے بھی بغاوت کر دی تھی لیکن جب وہ خود دوبارہ اطاعت پر آمادہ ہو گیا تو اسکا علاقہ اسی کے پاس رہنے دیا گیا رتنا گیری اور مدگیری میں بھی بغاوتوں نے سر اٹھایا تھا صرف تین ماہ میں میر معین الدین نے ان سب کو زیر کر کے دوبارہ سلطنت خداداد میں شامل کر دیا۔

مرہٹہ بھگوڑے کا قبول اسلام

ڈھونڈیا واگ نامی چنگیری کا ایک مرہٹہ فوجی تیسری جنگ کے دوران سلطانی افواج میں شامل تھا لیکن جنگ کے دوران ہی کسی وجہ سے وہ اپنے کچھ ساتھیوں اور مال غنیمت کے ساتھ ٹیپو کو چکمہ دے کر لکشمی ور بھاگ گیا اور وہیں اس نے پناہ لی جنگ کے خاتمہ پر جو علاقہ دھارواڑ باویری اور شاہ نور وغیرہ کا مرہٹوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا اس میں اس نے لوٹ مار شروع کر دی وہ اب دوبارہ ٹیپو کے ساتھ مل کر اس کی مدد سے ہی شاہ نور پر قبضہ کر کے یہ خطہ ٹیپو کو دلانا چاہتا تھا اس کے لئے اس نے اپنا ایک نمائندہ بھی ٹیپو کے پاس بھیج دیا لیکن اتحادیوں کے ساتھ جنگ کے بعد ہونے والے معاہدہ کے احترام میں ٹیپو مزید کوئی فوجی کارروائی کرنا نہیں چاہتا تھا اسی لئے اس نے اس کے ساتھ اس سلسلہ میں کسی قسم کے فوجی تعاون سے صاف انکار کر دیا ادھر پونا کے مرہٹہ سردار نے اس کی سرکوبی کے لئے دو ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ روانہ کیا جس سے اس کو شکست ہوئی اور یہ بھاگ کر سری رنگا پٹنم حاضر ہوا اور ٹیپو کی دوبارہ غیر مشروط اطاعت قبول کر لی سلطان نے

خوش ہو کر نہ صرف اسکو معاف کر دیا بلکہ اپنی فوج میں اس کو اعلیٰ عہدہ پر فائز کر دیا ٹیپو کے اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر اس نے اسلام قبول کر لیا سلطان نے اس کا اسلامی نام شیخ احمد رکھا لیکن اس نے اپنے لئے ملک جہاں خان کا نام پسند کیا ایک دفعہ ٹیپو کے خلاف اس کے وزیر پورنیا کا ایک سازشی خط اس نے پکڑا جس میں میر صادق خود شریک تھا چنانچہ میر صادق نے اس کے خلاف غلط الزامات لگا کر ٹیپو کی نظر میں اس کو معتوب کر دیا اور یہ کہکر کہ یہ دوبارہ اس کے خلاف بغاوت کر سکتا تھا اس کو نظر بند کروا دیا ٹیپو اس کو معاف کر کے دوبارہ اس کے فوجی منصب پر بحال کرنا چاہتا تھا لیکن میر صادق کے اصرار کی وجہ سے وہ اس کو رہا نہیں کر سکا ٹیپو سے اس کی وفاداری کے ثبوت کے لئے یہی کافی تھا کہ اس کی شہادت کے بعد انگریزوں کے قبضہ سے بھاگ کر وہ سلطان کے بڑے شہزادے فتح حیدر سے جا ملا اور اس کو ترغیب دی کہ وہ جنگ کو جاری رکھے اور شکست تسلیم نہ کرے سقوط سری رنگا پٹنم کے بعد بھی وہ انگریزوں کو اشتعال دلاتا رہا بالآخر ۱۸۰۰ء میں انگریز کرنل ویلزلی کے ساتھ ایک مقابلہ میں شہید ہوا جس کی مزید تفصیلات اگلے صفحات میں ٹیپو کے وفاداروں کے باب میں آ رہی ہیں۔

نظام و مرہٹوں سے اچھے تعلقات کی دوبارہ کوشش

ٹیپو اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ اس کے ملک و مذہب کے حقیقی دشمن صرف انگریز ہی ہیں نظام اور مرہٹوں کی اس سے دشمنی

صرف انگریزوں کی عیاری و مکاری کا نتیجہ ہے موخر الذکر دونوں سلطنتیں اپنے توسیع پسندانہ عزائم کے بجائے صرف اس کے خوف سے اپنی حدود سلطنت کی حفاظت کے لئے انگریزوں کے ساتھ شامل ہیں ورنہ ہم وطن ہونے کی وجہ سے ملک کی حفاظت کے خاطر ان کے فوجی تعاون کا وہی حقیقی مستحق ہے اگر یہ دونوں اس کے تعاون پر آمادہ نہ ہوں بلکہ صرف غیر جانبدار بھی رہیں تو اس کے لئے تنہا انگریزوں سے نپٹنا کوئی مشکل کام نہیں ہے اس سلسلہ میں اس نے بارہا اپنے سفارتی وفود آپسی تنازعات کو ختم کرنے اور تعلقات کو استوار و مستحکم کرنے کے لئے ان دونوں کے پاس بھیجے اور اس کے لئے ان دونوں کو اپنی طرف سے حتی الامکان رعایتیں تک دینے کی پیش کش کی لیکن افسوس کہ وہ دونوں یا تو اس کی باتوں کو سمجھنے سے قاصر تھے یا پھر اپنے وقتی مفادات کے لئے انگریزوں کے ساتھ اس کے خلاف تعاون پر مجبور تھے تیسری جنگ میں اپنی شکست کے باوجود ٹیپو اس بارے میں ناامید نہیں ہوا اور دوبارہ اس کے لئے کوشش شروع کی اور پرانی باتوں کو بھول کر ان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے کی اپنی خواہش کا پھر ایک بار اظہار کیا سندھیا اور ہری پنت کی وفات پر مرہٹہ پیشوا کے نام تعزیتی پیغامات روانہ کئے جس کے جواب میں پیشوا کی طرف سے ٹیپو کے شہزادوں کی شادی کے موقع پر مبارکبادی کے پیغامات بھی موصول ہوئے لیکن بات زیادہ آگے نہیں بڑھ سکی نظام حیدر آباد نے کرنول پر اپنا دعوی پیش کر کے اگرچہ ٹیپو کے ساتھ اپنے تعلقات میں مزید تلخی پیدا کر دی تھی لیکن ٹیپو اس کو بھی بھول کر اس کے ساتھ بھی اپنے تعلقات کو استوار کرنا چاہتا تھا مارچ ۱۷۹۵ء میں جب مرہٹوں نے حیدر آباد پر حملہ کر دیا تو حالات سے

مجبور ہو کر وہ وقتی طور پر ٹیپو کے قریب آ گیا نظام کے بھتیجے امتیاز الدولہ نے بھی طرفین میں اسلامی بنیادوں پر مستحکم اتحاد کے لئے اپنی مخلصانہ کوشش کی لیکن انگریزوں کی کامیاب ریشہ دوانیوں اور میر عالم کی سازش سے خود نظام کی خواہش کے باوجود یہ اتحاد زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکا۔

انگریز گورنروں کے تبادلے

معاہدہ سری رنگا پٹنم کے ایک سال کے بعد ہی انگلستان کے وزیر اعظم پٹ نے ہندوستان میں اپنے گورنر جنرل کارنواس کو واپس بلا کر آئیر لینڈ بھیج دیا اور اس کی جگہ سر جان شور کو گورنر جنرل بنا کر ہندوستان بھیج دیا گیا اسی کے زمانہ میں تاوان جنگ کی آخری قسط کی ادائیگی کے بعد ٹیپو کے یرغمال شہزادوں کی واپسی ہوئی تھی یہ بڑا اصول پسند شخص تھا اور اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی معاہدوں کی خلاف ورزی کا قائل نہیں تھا اس نے اپنی زیادہ تر توجہ شمالی ہند اور خاص کر اودھ کے صوبہ پر دی ٹیپو پر اس کی توجہ بہت کم رہی اس کی خاموش پالیسی کی وجہ سے اس کو بھی تبدیل کر کے ۱۷۹۸ء میں آئیر لینڈ کے باشندہ رچرڈ کولی ولزلی کو جس کو لارڈ ولزلی یا مارکوس ولزلی بھی کہا جاتا تھا گورنر جنرل بنا کر ہندوستان لایا گیا یہ بڑا ہی ذہین اور چالاک تھا جمہوریت کے بجائے آمریت کا حامی تھا ہندوستان میں اپنے عہدہ کو سنبھالنے سے پہلے ہی یہاں کے سیاسی حالات کا اچھی طرح مطالعہ کر چکا تھا اسی کی ذہانت سے آگے چل کر صرف ایک سال کے اندر ۱۷۹۹ء میں ملت اسلامیہ کا ایک عظیم سانحہ

یعنی سقوط سری رنگا پٹنم پیش آیا جس کے بعد پوری دنیا میں وزیر اعظم پٹ کو ہندوستان کے لئے ولزلی کے حسن انتخاب پر خوب داد ملی اس کی عیاری و مکاری کے اس کے دشمن بھی قائل تھے اس کا مشہور مقولہ تھا کہ "مسلمان ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے تو منتشر و متفرق ہو جاتے ہیں لیکن اپنے مذہب اور دین کے نام پر آپسی اختلافات کو بھول کر فوراً ایک ہو جاتے ہیں مسلمانوں پر حکمرانی کے لئے کسی بھی حکمران کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کے مذہبی جذبات کو نہ بھیڑے"

یورپ میں سیاسی تبدیلیاں اور نیپولین کا عروج

وزیر اعظم انگلستان پٹ کی طرف سے ہندوستان میں اپنے گورنر جنرلوں کے تبادلے دراصل ٹیپو کے ساتھ ایک اور فیصلہ کن جنگ کے ناپاک مقصد کے پس منظر میں ہو رہے تھے اسی مقصد کے لئے چند ہی سالوں میں سر جان شور کو ہٹا کر ایک چالاک گورنر جنرل ولزلی کو ہندوستان بھیجا گیا تھا یہی وہ زمانہ تھا جب عالمی سطح پر ان کے سب سے بڑے سیاسی حریف فرانسیسیوں میں غیر معمولی تبدیلی واقع ہو رہی تھی وہاں بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا تھا اور نیپولین بونا پارٹ کا ہر جگہ ڈنکا بج رہا تھا بلجیم، ہالینڈ اور اٹلی پر فرانس کا قبضہ ہو چکا تھا آسٹریا میں نیپولین نے بادشاہ وقت کو شکست دے دی تھی اس کی ان کامیاب فتوحات سے دیکھتے ہی دیکھتے پورے یورپ میں طاقت کا توازن بگھر چکا تھا فرانس کی بڑھتی قوت سے انگریزوں کو ہندوستان میں بھی اپنے مقبوضات خطرے میں نظر آرہے تھے ٹیپو کے ساتھ

فرانسیسیوں کے تعاون سے ان کو اپنے سر پر ایک بڑا خطرہ منڈلاتا نظر آرہا تھا اسی کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک منصوبہ کے تحت ولزلی کا ہندوستان کے لئے انتخاب ہوا تھا دوسری طرف ٹیپو فرانس سے اپنی سابقہ سفارتوں کی ناکام واپسی کے باوجود اب بھی ان سے مایوس نہیں ہوا تھا تیسری جنگ کے خاتمہ پر اس نے ایک اور سفارت فرانس روانہ کی اس وقت نیپولین مصر پہنچ چکا تھا وہاں سے اس نے ٹیپو کو خط لکھا کہ اس کی خواہش ہے کہ وہ آپ کو برطانیہ کے آہنی شکنجہ سے نکال دے اس سلسلہ میں کسی تعاون سے پہلے آپ کے یہاں کے جغرافیائی و سیاسی حالات اور خود آپ کے سیاسی موقف سے واقفیت ضروری ہے اس کے لئے آپ اپنے کسی معتمد کو فوراً قاہرہ روانہ کیجئے خدا آپ کی طاقت میں اضافہ کردے لیکن افسوس کہ یہ خط راستہ ہی میں شریف مکہ کے ذریعہ انگریزوں کے ہاتھ لگ گیا اسی دوران اگست ۹۸ء کو انگریزوں کے فرانسیسی بیڑہ پر حملہ کی وجہ سے ان کا جنگی بیڑہ بحیرہ روم میں تباہ ہو گیا اور نیپولین وہاں سے شام پہنچا اسطرح انگریزوں کو ملک سے نکالنے کے لئے فرانس سے فوجی تعاون کی سلطانی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

غیر ملکی مسلم سربراہان مملکت سے رابطہ

ملک میں گورنر جنرلوں کے تبادلے سے ٹیپو کو یقین ہو گیا تھا کہ انگریز اس کے خلاف ایک بڑی اور فیصلہ کن جنگ کی تیاری کر رہے ہیں جس میں ان دونوں کی قسمتوں کا فیصلہ بھی ہونے والا ہے اگر خدا نخواستہ وہ اس جنگ میں شکست کھا گیا تو

پورے ملک میں سامراجیت کے قدم جم جائیں گے اور سلطنت خداداد کی قسمت پر بھی مہر لگ جائے گی اسی لئے مرہٹوں اور نظام سے مایوس ہو کر اس نے پھر ایک بار خلیفہ روم سے خط و کتابت کی اور والی کابل زمان شاہ اور حاکم ایران کریم خاں سے بھی مراسلت کی۔

خلیفہ روم سے پھر ایک بار مایوسی

خلیفہ روم کی خدمت میں ٹیپو کا یہ کوئی پہلا خط نہیں تھا بلکہ اس سے قبل بھی وہ کئی بار اس سلسلہ میں اس سے رابطہ قائم کر چکا تھا اب تک سوائے زبانی ہمدردی کے اس کی طرف سے کسی فوجی مدد کے نہ ملنے کے باوجود ٹیپو اس سے مایوس نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے پھر ایک بار اس کو خط لکھا اس کے جواب میں سلطان سلیم نے ٹیپو کو جو مایوس کن جواب لکھا اس کا خلاصہ یہاں درج کیا جا رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خلیفہ روم بھی جس کو اس وقت پورے مسلمانان عالم کی نمائندگی کا شرف حاصل تھا انگریزوں سے کس قدر مرعوب تھا اور بارہا سمجھانے کے باوجود ٹیپو کی منشاء اور دشمنوں کے خطرناک عزائم کو سمجھ نہیں سکا چونکہ سلطان ٹیپو عربی سے واقف تھا اور ترکی کی سرکاری زبان بھی اس وقت عربی ہی تھی اس لئے سلطان سلیم نے اس خط کا جواب عربی ہی میں دیا اس خط پر ۸/ ربیع الاول ۱۲۱۳ھ کی تاریخ درج ہے جو ہمارے حساب سے ۱۷۹۸ء ہونا چاہیے۔

چونکہ خط طویل ہے اور اس میں کئی باتیں مکرر ہیں اس لئے ہم ذیل میں صرف

اس خط کا خلاصہ ہی نقل کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں اس طرح کہ نفس مضمون سے کوئی اہم بات چھوٹنے نہ پائے۔

"ہمارے قابل احترام بھائی کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم نے انگریزوں اور فرانسیسیوں کی جنگ میں انگریزوں سے اپنے قریبی تعلقات کے باوجود غیر جانبدار رہ کر ہی طرفین میں صلح کرنے کی کوشش کی لیکن فرانسیسیوں نے ہماری اس غیر جانبداری کا لحاظ نہیں رکھا بلکہ نیپولین بونا پارٹ کی قیادت میں ان کی فوج نے ۱۰/ محرم ۱۲۱۳ھ کو مصری بندر گاہ اسکندریہ پر قبضہ کے بعد پورے شہر پر بھی قبضہ کر لیا اور وہاں یہ بات مشہور کر دی کہ اس سلسلہ میں ان کو خود ہماری (سلطنت عثمانیہ) کی حمایت حاصل ہے راستہ میں جاسوسوں کے ذریعہ پکڑے گئے ان کے بعض خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے یہ سازش کی ہے کہ جزیرۃ العرب پر قبضہ کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان کا جم کر مقابلہ کیا۔

چونکہ آپ سے ہمارے قدیم مراسم ہیں اس لئے آپ سے بھی امید ہے کہ اس کار خیر میں فرانسیسیوں کے خلاف ہماری مدد کریں گے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ خود ہندوستان کی انگریزی مقبوضات میں بھی انہوں نے اپنی سازش کا جال پھیلا رکھا ہے اور انہوں نے مصر کے راستہ آپ کی فوجی مدد کا یقین دلایا ہے لیکن یہ سب ان کا دھوکہ و فریب ہے ادھر انگریز ان کے خلاف کمر بستہ ہیں اور ادھر ہم ان کے

خلاف صف آراء ہیں اس لئے آپ پر ضروری ہے کہ آپ ہمارا اس سلسلہ میں تعاون فرمائیں فرانسیسی قوم ہر مذہب و ملت کو ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے انگریزوں کے لئے سب سے قابل احترام شخصیت پاپائے روم پر بھی انہوں نے ہاتھ اٹھایا ہے جس طرح انہوں نے ہمارے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے اسی طرح پورے ہندوستان پر بھی قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ بڑی دھوکہ باز قوم ہے اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ آپ ان کو ہندوستان سے نکالنے میں خود ہماری مدد کریں اور انگریزوں کے خلاف لڑنے کے اپنے ارادوں کو ترک کر کے اگر ان سے کوئی شکایت ہو تو ہمیں لکھیں تاکہ ہم اس کے تصفیہ کے لئے مخلصانہ کوشش کر سکیں۔"

فقط

سلطان سلیم

ٹیپو اس خط کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ خلیفہ روم سے اب کسی مدد کی توقع رکھنا فضول ہے اس نے اس کو عربی ہی میں جو جوابی خط لکھا اس کے کچھ اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں۔

"آپ کا مراسلہ جو فرانسیسیوں کی تذلیل و توہین اور انگریزوں کی تحسین و تعریف اور ہمارے و انگریزوں کے درمیان تصفیہ کی پیش کش پر مشتمل تھا ملا ہم تو محض دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے احیاء

اور جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے اپنے دشمنوں کے خلاف صف آراء ہیں فرانسیسیوں کی دھوکہ دہی و مکاری سے ہم خود واقف ہیں لیکن اس وقت مسئلہ ہمارے لئے یہ ہے کہ فرانسیسیوں نے نہیں بلکہ انگریزوں نے ہندوستان میں ایک اسلامی سلطنت پر یورش کی تیاری کی ہے اس طرح نہ صرف ہم پر بلکہ جمیع مسلمانوں پر یہ جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

اب بس آپ ہمارے لئے اللہ کی مدد خاص اور توفیق کے لئے خصوصی دعا کریں۔

والسلام

سلطان ٹیپو

والی کابل کا ہمت افزاء جواب

خلیفہ روم کی طرح ٹیپو نے کابل کے حکمران اور احمد شاہ ابدالی کے پوتے زمان شاہ کو بھی خط لکھا اس وقت اس کی فوجی طاقت کے خود انگریز بھی قائل تھے اور اس کو اس پورے علاقہ میں بڑی سیاسی اہمیت حاصل تھی اس خط کو میر محمد رضا اور میر حبیب اللہ اس کی خدمت میں لے گئے اس میں ٹیپو نے جو کچھ تحریر کیا تھا اس کا ماحصل یہ تھا۔

"سلطنت خداداد میں ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ آپ کی سلطنت کی وسعت و استحکام کے لئے دعائیں کی جاتی ہیں ہم ہمیشہ مسلم حکمرانوں کے درمیان دینی بنیادوں پر اتحاد کے خواہاں رہے ہیں اس وقت اسلام دشمن طاقتیں ہم پر حملہ کی

تیاری کر رہی ہیں اس لئے اس سلسلہ میں ہم آپ کی مدد کے طالب ہیں امید کہ آپ ہمارا تعاون فرما کر اس کار خیر میں شامل ہونگے۔

اس پر ٹیپو کو زمان شاہ کی طرف سے بڑا ہمت افزا جواب ملا اس نے لکھا کہ

آپ کا گرامی نامہ پہنچا تحائف بھی موصول ہوئے اس سے محبت و دوستی میں تازگی پیدا ہوئی چونکہ دشمنان اسلام ایک اسلامی سلطنت کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہیں اس لئے ہم اللہ کی مدد سے ایک بڑا لشکر لے کر آپ کی طرف آ رہے ہیں تاکہ اس ملک کو کفر و بدعت سے پاک کریں آپ کے سفیروں کی معرفت کچھ ہدیے و تحفے بھی ارسال خدمت ہیں۔

زمان شاہ کو روکنے کے لئے انگریزوں کی کامیاب چال

زمان شاہ اپنے وعدہ کے مطابق ۳۲ ہزار سپاہیوں کا ایک بڑا لشکر لے کر ٹیپو کی مدد کے ارادہ سے کابل سے روانہ ہوا لیکن جب انگریزوں کو اس کی اطلاع ملی کہ زمان شاہ ٹیپو کی مدد کے لئے نکل چکا ہے تو وہ اپنی عین فطرت کے مطابق ایسی چال چلے کہ زمان شاہ ہزار چاہنے کے باوجود اپنے مسلمان بھائی کی مدد نہیں کر سکا انگریزوں کو خطرہ تھا کہ ٹیپو کے ساتھ اس کے فوجی اشتراک کے بعد ہندوستان سے ان کا خاتمہ یقینی ہے ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے ایران کے شہر بوشہر میں مراد آباد کا ایک شیعہ مسلمان مہدی علی خاں ریزیڈنٹ کے عہدہ پر فائز تھا انگریزوں نے اس کے ذمہ یہ کام کیا کہ وہ ایران کے شیعوں اور کابل کے سنیوں

میں منافرت کے بیج بو کر ان دونوں سلطنتوں کے عوام کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کر کے اس طرح ان کو مصروف جنگ رکھے کہ زمان شاہ ہندوستان میں ٹیپو کی مدد کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے یہ تنگ دین ملت فروش اپنے انگریز آقاؤں کی عین منشاء کے مطابق اپنی اس چال میں بآسانی کامیاب بھی ہو گیا اس نے ایران میں یہ افواہ پھیلائی کہ افغانستان میں شیعوں پر حد درجہ ظلم کیا جا رہا ہے ان کی مذہبی آزادی سلب کر لی گئی ہے زمان شاہ روزانہ ہزاروں شیعوں کو قتل کر رہا ہے جس کی وجہ سے ان کی جانیں غیر محفوظ ہو گئی ہیں پھر کیا تھا ایرانیوں کے جذبات مشتعل ہو گئے مہدی علی خاں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایران کے شاہ کو یقین دلایا کہ انگریز افغانستان سے ان کے مقبوضہ علاقے واپس لینے میں فوجی مدد کے لئے تیار ہیں شاہ ایران اس کے فریب میں آ گیا اور افغانستان کے شہر خراسان پر حملہ کر دیا اور ہرات کے گورنر کو زمان شاہ کے خلاف بغاوت پر اکسایا اس طرح اب اس کی پوری توجہ ہندوستان کے بجائے خود اپنے ملک کی حفاظت پر لگ گئی اور ہندوستان کی سرحدوں پر ٹیپو کی مدد کے لئے پہنچی ہوئی اسکی افواج واپس کابل چلی گئیں اسطرح زمان شاہ کو ٹیپو سے دور رکھنے کی چال میں انگریز کامیاب ہو گئے مہدی علی خاں کو اس ملت فروشی کے عوض انگریزوں کی طرف سے دو لاکھ اسی ہزار روپے نقد ملے۔

شاہ ایران سے مراسلت

اس وقت ایران کی اسلامی حکومت کا شمار بھی بڑی اور طاقتور حکومتوں میں ہوتا

تھا چنانچہ ٹیپو نے ایران کے شاہ کریم خاں کے پاس بھی ۲۰/ مارچ ۹۸ء کو ایک سفارت روانہ کی اس میں میر عبدالرحمن اور میر عین اللہ علی وغیرہ شامل تھے ان کے ذریعہ ٹیپو نے شاہ ایران کی خدمت میں چار قیمتی ہاتھی اور ہیرے جواہرات بھی بھیجے اس کے نام اپنے خط میں ٹیپو نے درخواست کی کہ سلطنت خداداد کی کسی بندرگاہ کے عوض ایران کی ایک فوجی بندرگاہ اس کو کرایہ پر دی جائے کریم خاں اس پر راضی ہو گیا اور اس سلسلہ میں مزید تفصیلات کو طے کرنے کے لئے اپنے دو نمائندے باباخاں اور فتح علی بیگ سری رنگا پٹنم روانہ کئے اس سے خوش ہو کر ٹیپو نے اس کو شکریہ کا خط لکھا اس میں تحریر تھا کہ

آپ کا خط ملا اس سے آپ کا خلوص جھلکتا ہے اسے پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کی سلطنت کو استحکام بخشے الحمدللہ حسب توقع آپ کو بھی طرفین میں اتحاد و اتفاق کی ضرورت کا احساس ہے جس طرح اسلامی رشتہ کی بناء پر میں آپ کے تمام علاقوں و جزیروں کو اپنا تصور کرتا ہوں اسی طرح آپ پر بھی ضروری ہے کہ میرے تمام علاقوں کو بھی اپنا ہی علاقہ سمجھیں اور جس بندرگاہ کی آپ کو ضرورت محسوس ہو اس سے مجھے مطلع کریں۔

مہرو دستخط

ٹیپو سلطان

لیکن جب یہ خط ٹیپو کا ایران پہنچا تو انگریزوں کے زر خرید ملازم مہدی علی خاں کی سازش سے افغانستان اور ایران میں جنگ چھڑ چکی تھی اس لئے سلطنت

خداداد اور ایران کے درمیان حسب وعدہ بندرگاہوں کے تبادلے کی نوبت نہیں آسکی اور شیعوں و سنیوں کے درمیان منافرت کے بیج بو کر انگریز بیک وقت ایران و افغانستان دونوں کو ٹیپو سے دور رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔

اندرون ملک ہندو راجاؤں کو دعوت اتحاد

ٹیپو نے انگریزوں کے وجود سے مادر وطن کی سرزمین کو پاک کرنے کے لئے اندرون و بیرون ملک صرف بڑی طاقتوں سے رابطہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ملک کی چھوٹی چھوٹی خود مختار سلطنتوں کو بھی اس نے انگریزوں کی چال اور ہندوستان کے سلسلہ ان کے ناپاک عزائم سے آگاہ کیا چنانچہ اس نے کشمیر جودھپور جے پور اور نیپال وغیرہ کے ان ہندو راجاؤں کے پاس بھی اپنے سفیر دعوت اتحاد دے کر روانہ کئے جن کی بظاہر نظام و مرہٹہ افواج کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں تھی لیکن ان کو بھی حقیر نہ سمجھتے ہوئے اس نے ملک کی آزادی کے لئے ہندوستان ہندوستانیوں کے لئے کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنے ساتھ ان کو شامل ہونے کی دعوت دی لیکن افسوس کہ طویل فاصلہ پر ہونے اور اپنے اندرونی مسائل کی وجہ سے وہ چاہتے ہوئے بھی ٹیپو کے ساتھ انگریزوں کے خلاف ملک کی لڑائی میں شامل نہیں ہو سکے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

میر صادق کی ریشہ دوانیاں

میر صادق پوری سلطنت میں ٹیپو کے بعد سب سے بااختیار شخص تھا اگرچہ اس کو ایک دفعہ ٹیپو نے اس کی بعض مشتبہ حرکتوں کی وجہ سے وزارت سے معزول کر دیا تھا لیکن اپنی چاپلوسی کی وجہ سے وہ دوبارہ اپنے عہدہ پر بحال ہو گیا تیسری جنگ کے بعد جب ٹیپو نے جمہوریت کے قیام کے ارادہ سے مجلس شوریٰ یعنی پارلیمان کی بنیاد رکھی تو اس کا سب سے پہلا صدر اسی کو منتخب کیا گیا یہ بات بات پر سلطان کے سامنے قسمیں کھا کر اپنی وفاداری کا یقین دلاتا تھا لیکن اپنی سابقہ معزولی کی توہین کو بھول نہیں سکا تھا اس لئے اندرونی طور پر ٹیپو کا بدستور بدخواہ ہی تھا پارلیمان کی صدارت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد اس نے سب سے پہلے سلطان کے حقیقی خیر خواہوں کو غلط الزامات لگا کر اس کی نظر میں معتوب کر دیا اور ان میں سے کئی مخلصین کو بے جا شکایت کر کے ان کے عہدوں سے برطرف بھی کر دیا ورنہ اس کو اندیشہ تھا کہ کہیں یہ خیر خواہ سلطان کے قریب رہ کر اس کی سازشوں و ریشہ دانیوں کا پردہ چاک نہ کر دیں۔ جمہوریت کے نام پر اس نے سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے کوئی خط یا پیغام اسکی اجازت کے بغیر ٹیپو کے پاس نہیں پہنچتا تھا رعایا پر سخت قوانین نافذ کرتا تھا کہ وہ سلطان سے بدظن ہوں سلطنت خداداد کے خلاف انگریزوں کی چوتھی جنگ کے منصوبہ کا اس کو نہ صرف علم تھا بلکہ وہ خود بھی اس میں شریک تھا لیکن کمال ہوشیاری سے اس نے اس خبر کو ٹیپو تک پہنچنے نہیں دیا سلطان کے ایک برہمن وزیر پورنیا کی بے وفائی اور سازش کے بارے میں جب مرہٹہ نو مسلم ملک جہاں خاں نے ٹیپو کو باخبر کرنا چاہا تو وہ میر صادق ہی تھا جس نے اس کو اس سے

نہ صرف باز رکھا بلکہ اس پر جھوٹے الزامات لگا کر اور سلطان کو اس سے بدظن کر کے سقوط سری رنگا پٹنم تک اس کو نظر بند بھی رکھا میر صادق کی ان سب سازشوں میں پورنیا اور میر معین الدین وغیرہ بھی برابر شریک تھے۔

چودھواں باب

چوتھی جنگ کے آغاز سے شہادت ٹیپو تک

چوتھی جنگ کے لئے انگریزوں کی منصوبہ بندی

۹۸ء میں انگلستان کے وزیر اعظم پٹ نے لارڈ ویلزلی کو ہندوستان میں اپنا گورنر جنرل بنا کر بھیجا تو اس کو اس ملک میں سامراجیت کے ناپاک منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری سونپی ویلزلی نے یہاں پہنچ کر سب سے پہلے یہاں کے سیاسی حالات کا بغور جائزہ لیا اور اس بات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ ان کے توسیع پسندانہ عزائم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کون ہے اس کو اس نتیجہ پر پہنچنے میں دیر نہیں لگی کہ دہلی کے جنوبی و مغربی خطوں میں راجپوتوں کی سلطنتیں آپسی عدم اتحاد کی وجہ سے غیر مستحکم ہیں اودھ کا علاقہ تو ان کے ماتحت آہی چکا ہے اور وہاں خود مختاری برائے نام ہے نواب آرکاٹ تو پہلے ہی ان کا مطیع ہو چکا ہے ٹراونکور کا راجہ زمانہ سے ان کو خراج ادا کر رہا ہے مرہٹہ وفاق میں دراڑ پڑ چکی ہے جس کے بعد نانا فرنویس کا پونا میں برائے نام اثر رہ گیا ہے نظام حیدر آباد کی طاقت مرہٹوں سے حالیہ جنگ کی وجہ سے کمزور ہو چکی ہے اور حیدر آباد میں خود ان کے ریذیڈنٹ جیمس کرک پیاٹرک نے غیر معمولی اثر و رسوخ پیدا کر لیا ہے اس طرح مجموعی طور پر سلطنت میسور کے علاوہ ہندوستان کی چھوٹی بڑی تمام حکومتیں روبزوال ہیں ان کے ناپاک عزائم کی راہ میں ان میں سے کسی کی طرف سے روڑے اٹکائے جانے کا امکان خود ان کے آپسی اختلافات داخلی مسائل اور اندرونی خلفشار کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہے بس ایک ٹیپو ہی سے اب ان کے لئے حقیقی خطرہ رہ گیا ہے معاہدہ سری رنگا پٹنم کے بعد اپنی آدھی سلطنت کھونے کے

باوجود چند ہی سال میں قابل رشک حد تک اس نے اسکی تلافی کر لی ہے داخلی انتظامات کو اس نے پھر ایک بار مستحکم کر لیا ہے اپنی فوج کی از سر نو تنظیم کر لی ہے بحری طاقت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے تاوان جنگ کی ادائیگی کے باوجود حکومت کے مالی وسائل پر اس نے اپنی غیر معمولی ذہانت سے قابو پالیا ہے ان سب وجوہات کی وجہ سے لارڈ ویلزلی ملک میں تنہا ٹیپو ہی کو اپنی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور کر رہا تھا مزید یہ کہ ٹیپو کی دوررس نگاہوں اور سیاسی بصیرت نے غیر ملکی طاقتوں ایران افغانستان اور ترکی کے علاوہ فرانس کے سپہ سالار نیپولین بونا پارٹ سے بھی رابطہ قائم کر لیا تھا ویلزلی نے سب سے پہلے اس کی کوشش کی کہ ٹیپو کے لئے غیر ملکی مدد کے راستوں کو بند کیا جائے چنانچہ نیپولین کے بحری بیڑہ کو بحیرہ روم میں غرق کر دیا گیا شام میں ترکوں نے اس پر حملہ کر دیا اس لئے اب نیپولین کے حسب وعدہ ٹیپو کی مدد کے لئے مصر کے راستہ ہندوستان آنے اور انگریزوں کے خلاف اس کے شانہ بشانہ لڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو رہا تھا افغانستان کے زمان شاہ کو ہندوستان کے قریب پہنچنے کے باوجود انگریزوں نے اپنی سازش سے ایران کو اس پر حملہ کے لئے اکسا کر واپس افغانستان جانے پر مجبور کر دیا تھا ترکی کا خلیفہ سلطان سلیم پہلے ہی مایوس کن جواب دے کر اور خود اس کو انگریزوں کے خلاف لڑنے کا مشورہ دے کر اپنا عندیہ ظاہر کر چکا تھا اودھ اور کرناٹک کی حکومتیں جب خود اپنا دفاع نہیں کر سکتی تھیں تو ٹیپو کی فوجی مدد کی سوچ بھی نہیں سکتی تھیں نیپال، کشمیر، جے پور اور جودھپور وغیرہ کی چھوٹی چھوٹی ہندو سلطنتیں بھی اتنی طاقت نہیں رکھتی تھی کہ وہ اتنی دور سے ٹیپو کی مدد کے لئے

آ سکیں اب لے دے کر کسی کی طرف سے ان کے خلاف ٹیپو کی مدد کا امکان تھا تو وہ مرہٹہ اور نظام ہی تھے اس لئے ان دونوں کو ٹیپو کے ممکنہ تعاون سے باز رکھنا ویلزلی کے لئے سب سے اہم تھا۔

سب سی ڈیاری سسٹم

ویلزلی کو اس بات کا خدشہ تھا کہ نظام و مرہٹہ ٹیپو کے ہم وطن ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ جا کر مل سکتے ہیں اسی لئے اس نے ان دونوں کو ٹیپو سے ممکنہ حد تک دور رکھنے کے لئے سب سی ڈیاری سسٹم کے نام سے ایک اسکیم تیار کی جس کے مطابق ان سلطنتوں کو اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لئے غیر ملکی فوجیں ہٹا کر انگریز ریذیڈنٹ مقرر کرنا تھا ان حکمرانوں کو اس پر آمادہ کرنے کے لئے اس طرح بے وقوف بنایا گیا کہ اس اسکیم کا اصل مقصد ان کے دشمنوں کے حملوں سے خود ان کے علاقوں کی حفاظت کرنا ہے حالانکہ اس کے درپردہ ان کا مقصد عملاً ان کو مفلوج کر کے رکھنا تھا جس کے نتیجہ میں ان سلطنتوں کا پورہ زمام اقتدار انگریزوں کے ہاتھ میں آجاتا۔

نظام کی حماقت اور اسکیم کی قبولی

سب سے پہلے اس کا تجربہ نظام حیدر آباد پر کیا گیا اس کی حالت پہلے ہی سے خراب تھی وہ کسی سہارہ کی تلاش میں تھا اس سے اس کو اچھا موقع ہاتھ آگیا انگریزوں نے اس کو سب سے پہلے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اس کی فوج میں موجود چودہ ہزار

فرانسیسیوں کو برطرف کردے شروع میں تو نظام اس کے لئے راضی نہیں تھا لیکن اپنے وزیر اور انگریزوں کے زر خرید میر عالم کے اصرار پر اس نے اس کو قبول کر لیا ۲۲/ اکتوبر ۱۷۹۸ء کو اس سلسلہ میں فریقین کے مابین ایک معاہدہ پر دستخط بھی کئے گئے جس کی تفصیلات کچھ یوں تھی۔

۱) نظام چھ ہزار انگریز فوجیوں کو اپنی سلطنت میں رکھیگا۔

۲) ایک بڑا توپ خانہ بھی ان فوجیوں کے لئے حیدر آباد میں ہو گا۔

۳) انگریز فوجیوں کی تنخواہ سالانہ ۲۴ لاکھ روپے نظام ادا کریگا۔

۴) آئندہ سے نظام کسی بھی غیر ملکی کو اپنی فوج میں ملازم نہیں رکھیگا۔

۵) اس معاہدہ کے بعد نظام انگریزوں کا باج گذار تصور کیا جائے گا۔

اس معاہدہ پر دستخط کے بعد نظام کی انگریزوں کے لئے ٹیپو کے خلاف فوجی مدد یقینی ہو گئی اور اس کی طرف سے انگریزوں کو مکمل اطمینان ہو گیا۔

مرہٹوں سے اسکیم پر دستخط کے لئے اصرار

اسکیم پر نظام کے دستخط کر لینے کے بعد مرہٹوں کی باری تھی جن کی ٹیپو کے خلاف آئندہ جنگ میں حمایت یا کم از کم غیر جانبداری انگریزوں کے لئے ناگزیر تھی کمپنی نے نظام کی طرح معاہدہ کے لئے مرہٹوں سے بھی اصرار کیا لیکن جب ان کے بار بار اصرار کے باوجود مرہٹوں نے اس اسکیم پر دستخط نہیں کئے تو کمپنی نے مرہٹوں میں پھوٹ ڈالنے کا منصوبہ بنایا پونا کے نانا فرنویس کو گوالیار کے دولت راؤ سندھیا نے پونا ہی میں نظر بند کر دیا تھا انگریزوں نے نانا فرنویس سے اسکی رہائی کے لئے

اس شرط پر کوشش کا وعدہ کیا کہ وہ بعد میں ٹیپو کے خلاف جنگ میں ان کی مدد کرے دولت راؤ سندھیا کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے عقلمندی سے اس کی نوبت آنے سے پہلے اس کو آزاد کر دیا اس طرح مرہٹوں کو آپس میں لڑا کر مزید کمزور کرنے کی انگریزی سازش کامیاب نہیں ہو سکی پھر بھی کسی طرح انگریز دولت راؤ سندھیا کو پونا سے گوالیار بھیجنے میں کامیاب ہو گئے اور سندھیا سے انگریزوں کو لاحق خطرہ اس کے دور چلے جانے کی وجہ سے کم ہو گیا دوسری طرف نانا فرنویس جب خود اس حال میں نہیں تھا کہ اپنا دفاع کر سکے تو پھر وہ ٹیپو کی کیسے مدد کر سکتا تھا اس نے سابقہ معاہدہ کی رو سے بوقت ضرورت انگریزوں کی مدد کا وعدہ کیا لیکن باقاعدہ سب سی ڈیاری سسٹم پر دستخط سے اس نے بھی صاف انکار کر دیا جس سے انگریزوں کو بڑی مایوسی ہوئی۔

ٹیپو کو غافل رکھنے کی کوشش

جب چاروں طرف سے گورنر جنرل ویلزلی کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ٹیپو کے ساتھ اس کی جنگ کی صورت میں اس کے لئے کہیں سے بھی فوجی مدد کا امکان نہیں ہے تو وہ اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بے چین ہو گیا اب اس کو جنگ شروع کرنے کے لئے بہانہ کی تلاش تھی اس لئے کہ بغیر کسی اشتعال یا وجہ کے ٹیپو پر حملہ کے لئے اسکے حلیف بھی تیار نہیں تھے سب سے زیادہ اس کی کوشش اب یہ تھی کہ ٹیپو کو اپنی جنگی تیاریوں اور منصوبوں سے حتی الامکان غافل

رکھا جائے اس کے لئے اس نے اپنے مختلف بیانات و خطوط سے اس بات کی اس کو یقین دہانی کرانے کی کوشش کی کہ وہ اب بھی اس کے ساتھ مخلصانہ تعلقات باقی رکھنا چاہتا ہے اور جنگ کا اسکا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے ادھر میر صادق اور دوسرے بے وفا وزراء نے بھی سلطان کو انگریزوں کی تیاریوں کی بھنک لگنے نہیں دی گورنر جنرل ویلزلی کو جب ٹیپو نے ہندوستان میں اس کی تقرری پر مبارکبادی کا خط لکھا اور اس میں اس سے بات کی توقع کا اظہار کیا کہ وہ اپنے دور میں سابقہ معاہدوں کی سختی سے پابندی کریگا تو ویلزلی نے بھی اس پر اس کو شکریہ کا خط لکھا اور اس بات کا تاثر دیا کہ وہ بھی اس کی طرح طرفین میں دوستی ہی کا خواہاں ہے اپنے خلوص کا ثبوت دینے کے لئے اس نے متنازعہ علاقوں کے تصفیہ کے لئے ایک کمیشن کے قیام کی اطلاع بھی دی لیکن حقیقت میں یہ سب اس کو غافل رکھنے کی ویلزلی کی ایک چال تھی جس میں وہ کامیاب بھی ہو گیا۔

بہانہ جنگ کی تلاش

جنگ کو شروع کرنے کے لئے ویلزلی کو بہانہ کی تلاش تھی اب ہر طرف تیاری مکمل ہو چکی تھی جنگ میں مزید کسی تاخیر سے خود اس کے لئے مسائل پیدا ہو سکتے تھے چنانچہ ٹیپو کو بھڑکانے کے لئے سب سے پہلے ویلزلی نے کڑی شرائط پر مشتمل ایک سخت خط لکھا اس میں اس نے اس پر الزام لگایا کہ وہ فرانسیسیوں کے ساتھ ملکر انگریزوں کو تباہ کرنا چاہتا ہے (غالباً اشارہ ماریشس سے فرانسیسیوں کی آمد کی طرف تھا) تحقیق کے لئے ہماری طرف

سے میجر ڈوٹن کو بھیجا جا رہا ہے وہ آپ سے کمپنی کے تحفظ کے لئے کسی بھی علاقہ کا مطالبہ کر سکتے ہے جس کی تعمیل آپ پر لازمی ہوگی یہ خط لکھ کر ویلزلی جو اس وقت کلکتہ میں مقیم تھا اپنی تمام فوجوں کو تیار رہنے کا حکم دے کر خود بھی اس کے لئے مدراس پہنچ گیا ٹیپو نے ویلزلی کو سری رنگا پٹنم سے جوابی خط لکھا جو اس کو مدراس میں ملا اس میں اس نے لکھا کہ ماریشس میں فرانسیسیوں سے ہمارا آپ کے خلاف کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے البتہ تاجروں کا ایک جہاز تجارتی سامان لے کر ماریشس گیا تھا واپسی میں کچھ فرانسیسی ماریشس سے اسمیں سوار ہو کر ملازمت کی تلاش میں ہمارے یہاں آگئے وہ کوئی جنگی سپاہی نہیں تھے آپ کو اس سلسلہ میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں آج کل آپ کے کہنے کے مطابق جنگ کی تیاریوں میں مصروف نہیں ہوں بلکہ اپنے زیادہ تر اوقات خلوت و عبادت میں گذار رہا ہوں آپ کی طرف سے کمپنی کے تحفظ کے نام پر جنگ کی باتیں مجھے حیرت میں ڈال رہی ہیں مجھے امید ہے کہ آپ کوئی ایسی بات نہیں ہونے دیں گے جس سے ہم دونوں میں خلش پیدا ہو ویلزلی کو ٹیپو سے ایسے نرم رویہ و جواب کی امید نہیں تھی وہ تو کسی طرح سلطان کو اشتعال دلا کر بہانہ جنگ کی تلاش میں تھا چنانچہ جب اس کی منشا پوری نہیں ہوئی تو اس نے ایک اور سخت خط ٹیپو کو لکھا جس میں اس نے دھمکی دی کہ کمپنی کے تحفظ کے لئے وہ مغربی ساحل بشمول مینگلور کی بندرگاہ کو ان کے لئے خالی کر دے فرانسیسیوں کو اپنی فوج سے فوراً برطرف کر کے ان کی جگہ انگریزی فوج کو رکھے اور ان سب باتوں کا جواب صرف ۲۴ گھنٹوں میں اس کو دے بصورت دیگر کمپنی آپ پر حملہ کی مجاز ہو سکتی ہے سلطان کی غیرت و

حمیت ایسی شرطوں کو کیسے قبول کر سکتی تھی اگرچہ اس نے بعض شرائط کو قبول کرنے پر اپنی آمادگی ظاہر کی لیکن میر صادق نے یہ کہہ کر سلطان کو اس سے بھی باز رکھا کہ انگریزوں سے مرعوب ہونے کی کوئی ضرورت نہیں بوقت ضرورت ہماری افواج ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہیں اس طرح سلطان کے انکار سے انگریزوں کی منشاء پوری ہو گئی اور ان کو جنگ کا بہانہ ہاتھ لگ گیا۔

معزول راجہ کی رانی کی سازش

نواب حیدر علی نے میسور پر اپنے قبضہ کے بعد اپنے حسن اخلاق سے معزول راجہ کو سالانہ تین لاکھ روپے آمدنی کا علاقہ حوالہ کر دیا تھا تاکہ وہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ باعزت طریقہ پر زندگی گذار سکے چونکہ یہ خاندان اقتدار کا مزہ ایک بار چکھ چکا تھا اس لئے ہر قسم کی سہولتوں و آسائشوں کے باوجود اس ہندو خاندان پر اپنی سلطنت کی دوبارہ بحالی کا خبط سوار تھا اس کے لئے انہوں نے بارہا خفیہ کوششیں بھی کیں حیدر علی و سلطان ٹیپو کو بھی اس کی خبریں ملتی رہتی تھیں لیکن اس خاندان کو وہ دونوں اپنا محسن سمجھ کر ان کی ہر غلطی کو نظر انداز ہی کرتے رہے جب انگریز میسور کی چوتھی و فیصلہ کن جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے تو ان کو پھر ایک بار اپنی سلطنت کی بحالی کی امید ہو گئی چنانچہ معزول راجہ کرشنا راج کی بیوہ لکشمی امانی نے اپنے ایجنٹ ترک راؤ کے ذریعہ انگریز گورنر جنرل لارڈ ویلزلی کو اس سلسلہ میں ایک خط لکھا جس میں اس نے اس سے اپنی سابقہ حکومت کی بحالی میں مدد کی درخواست کی

اور اس کے عوض ان کو ساڑھے تین کروڑ روپے نقد دینے کی پیش کش بھی کی مزید تفصیلات طے کرنے کے لئے اس نے اپنی طرف سے ترک راؤ کو اختیارات بھی دئے جو ایک عرصہ سے اس سلسلہ میں انگریزوں سے رابطہ رکھے ہوئے تھا ویلزلی نے لکشمی امانی کو اس بات کا یقین دلایا کہ وہ سلطنت کی دوبارہ بحالی میں اس کی مدد کے لئے تیار ہے بشرطیکہ چوتھی جنگ میں وہ ٹیپو کی حمایت نہ کرے اسطرح اس ہندو خاندان نے پھر ایک بار حیدر علی و ٹیپو سلطان کے غیر معمولی احسانات کو فراموش کر دیا اور ان کی طرف سے دی گئی غیر معمولی دولت کو خود ان کے خلاف استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا۔

سکریٹری حکومت مدراس کی اصول پسندی

جنگ کی مکمل تیاریوں کے بعد ویلزلی اب اپنے ناپاک عزائم کو خود اپنے لوگوں اور فوجی جنرلوں سے چھپائے رکھنا نہیں چاہتا تھا اس نے سب سے پہلے حکومت مدراس کے سکریٹری مسٹر جوسیوب کو اپنے ارادہ سے آگاہ کرتے ہوئے ایک خط لکھا کہ ماریشس میں فرانسیسی افواج سے ٹیپو نے ہمارے خلاف ایک فوجی معاہدہ کر لیا ہے اس سے جنگ کی نوبت آسکتی ہے اسلئے اس سے ہمیں غافل نہیں ہونا چاہیے آپ احتیاطاً ابھی سے میسور کے مناسب مقامات پر ہماری افواج کو متعین کر دیں سکریٹری مدراس مسٹر جوسیوپ ایک اصول پسند شخص تھا وہ ٹیپو کے سابقہ ریکارڈ سے بھی واقف تھا اس کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ معاہدہ کی

خلاف ورزی میں ٹیپو اپنی طرف سے کبھی پہل نہیں کر سکتا چنانچہ اس نے ویلزلی کو لکھا کہ فرانسیسیوں کے موجودہ حالات اور واقعات کو دیکھتے ہوئے یہ ناممکن ہے کہ مستقبل قریب میں ان کا ٹیپو سے ہمارے خلاف کوئی فوجی اتحاد ہو جائے اس لئے ہمیں کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہئے جس سے ہماری بدنامی ہو اور خود جنگ چھیڑنے کا ہم پر الزام آئے ویلزلی کے بھائی نے بھی اس کو خط لکھا کہ میری تحقیق کے مطابق ٹیپو کے بارے میں ہمارے خلاف جنگ کی تیاریوں کی خبر غلط ہے حقیقت بھی یہی تھی خود ویلزلی کو بھی اس بات کا یقین تھا کہ سلطان ٹیپو کی طرف سے حملہ میں پہل نہیں ہو سکتی ۴/ نومبر ۱۷۹۸ء کو اپنی کمپنی کے ڈائرکٹروں کے نام اس نے ایک خط بھی لکھا کہ مجھے یقین ہے کہ سلطان ٹیپو فرانس کی مدد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا لیکن پھر بھی فوری جنگ کی ضرورت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ویلزلی کے لئے یہ سب بہانے تھے وہ ہر حال میں اپنی ان تیاریوں کے بعد ٹیپو کے ساتھ جنگ پر تلا ہوا تھا اور اس کے لئے بے چین تھا۔

ملت فروشوں کی خفیہ سرگرمیاں

ایک طرف انگریز ٹیپو کو اپنے راستہ سے ہٹانے کے لئے کمربستہ تھے اور اپنی تیاریاں مکمل کر چکے تھے تو دوسری طرف انگریزوں ہی کی ہدایت پر ٹیپو کے نمک خوار بعض وزراء وافسران خود اپنے محسن آقا کے خاتمہ کے لئے انگریزوں کو مواقع فراہم کرنے کے منصوبوں پر غور و خوض کر رہے تھے اس میں ان سب کی قیادت وزیر اعظم سلطنت خداداد میر صادق کر رہا تھا ملت فروشی کی ان خفیہ سرگرمیوں میں

اس کے ساتھ میر معین الدین، میر قمر الدین، غلام علی لنگڑا اور پورنیا وغیرہ شامل تھے ان کی اکثریت شیعہ مذہب سے تعلق رکھتی تھی ان میں سے ہر ایک ایسا تھا کہ ٹیپو نے ان کی کسی بھیانک غلطی یا سازش کی وجہ سے ان کے عہدوں سے ان کو معزول کر دیا تھا یا پھر بعض کو کچھ دنوں کے لئے نظر بند بھی کر دیا تھا لیکن بعد میں اپنے حسن اخلاق اور انسانی سلوک کی وجہ سے ان میں سے اکثر کو معاف کر کے ان کے سابقہ عہدوں پر بحال کر دیا تھا یہی وجہ تھی کہ اپنی توہین کو لے کر سلطان کے سلسلہ میں ان کے دلوں میں اب بھی رنجش باقی تھی چنانچہ انتقام لینے کیلئے اس سلسلہ میں چند مخصوص افراد کی ایک خفیہ مشورتی نشست بھی ہوئی جسکے بعد انگریزوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دی گئی کہ حملہ کے لئے کون کون سے راستے محفوظ ہیں اور کن کن قلعداروں کو رشوت دے کر خریدا جا سکتا ہے۔

معرکہ کفر و ایمان کی تیاریوں کی تکمیل

۱۷۹۹ء فروری کا آخری ہفتہ تھا سردیوں کا اختتام اور گرمیوں کا آغاز ہونے والا تھا پوری سلطنت میں مجموعی طور پر موسم معتدل اور خوشگوار تھا جنرل ہارس کی کمان میں ۲۱ ہزار مسلح افواج جو ویلور میں جمع تھیں میسور کی طرف نکل پڑیں آمبور کے مقام پر نظام حیدر آباد کے سولہ ہزار سپاہی بھی میر عالم کی قیادت میں ان کے ساتھ شامل ہو گئے بمبئی سے جنرل اسٹورٹ کے ماتحت سات ہزار تجربہ کار سپاہی بھی کنانور اسی مقصد کے لئے پہنچ چکے تھے کرنل براؤن اور کرنل ریڈ کی قیادت میں

کمپنی کا ایک دستہ دار السلطنت پر حملہ کے لئے ترچنا پلی آگیا تھا اس طرح جنگ کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں جس کے بعد جنرل ہارس نے منصوبہ کے مطابق متحدہ افواج کی کمان خود سنبھال لی۔

اتمام حجت کا آخری حربہ

جنرل ویلزلی کو ان پوری تیاریوں کے بعد ٹیپو پر اپنی فتح کا تقریبا یقین ہو گیا تھا پھر بھی وہ جنرل ہارس کے مشورہ پر کسی بدنامی سے بچنے اور اتمام حجت کے لئے اپنے دشمنوں کا منہ بند کرنے کے خاطر ٹیپو کو صلح کا ایک اور ایسا موقع دینا چاہتا تھا جس کو سلطان قبول بھی نہ کر سکے اور وہ خود بھی الزام پیش قدمی سے بچ جائے چنانچہ ویلزلی نے جنرل ہارس کے ذریعہ مصالحت کا ایک مسودہ دار السلطنت کے محاصرہ سے پہلے ٹیپو کے پاس بھیجا اس میں اس نے ایسی شرطیں رکھی تھیں جس کے قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس میں لکھا تھا۔

۱) مصالحت اور جنگ سے گریز کے لئے ٹیپو اپنی موجودہ سلطنت میں سے نصف انگریزوں کے حوالہ کر دے (یاد رہے کہ نصف سلطنت تیسری جنگ کے اختتام پر پہلے ہی انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کو دی جا چکی تھی)

۲) اپنی فوج سے فرانسیسی ملازمین کو فوراً برطرف کر دے۔

۳) آئندہ کبھی بھی فرانسیسیوں سے رابطہ نہ رکھے۔

۴) دو کروڑ روپئے تاوان ادا کرے جس میں ایک کروڑ نقد اور بقیہ نصف چھ ماہ

کے اندر ادا کیا جائے۔

۵) ضمانت کے لئے ٹیپو اپنے چار شہزادوں اور چار بڑے فوجی جرنیلوں کو بطور یرغمال ان کے پاس رکھے اور ان کا انتخاب جنرل ہارس کی صوابدید پر چھوڑ دے

(۶) چوبیس گھنٹوں میں اس مسودہ کا جواب دے

(۷) اڑتالیس گھنٹوں میں یرغمال شہزادوں و افسران اور تاوان کو ان کے پاس بھیج دیا جائے

(۸) تمام انگریز قیدیوں کو فوراً رہا کر دیا جائے[1]

بھلا سلطان ٹیپو ایسی ذلیل شرطوں کو کیسے اور کب قبول کر سکتا تھا ایسی غلامی پر اس کے نزدیک موت کو ترجیح تھی چنانچہ اس نے صلح کے اس پیغام کو فوراً ٹھکرا دیا اس کے نمک حرام و سازشی وزراء نے بھی اس کو سختی سے مسترد کرنے کا ہی مشورہ دیا تا کہ کہیں صلح ہو کر ان کا منصوبہ دھرا کا دھرا ہی نہ رہ جائے۔

جنگ کا باقاعدہ آغاز

مارچ ۹۹ء کا آغاز تھا طے شدہ منصوبہ کے مطابق ٹیپو کے صلح کے پیغام و مسودہ کو ٹھکرانے کے بعد جنرل ہارس کی افواج نے دار السلطنت کی طرف کوچ کیا دوسری طرف بمبئی میں مقیم انگریزی افواج کے دستے بھی جنرل اسٹورٹ کے ماتحت کورگ اور کیرلا کے راستہ سے سری رنگا پٹنم کی طرف چل پڑے ان خبروں

[1] دائرۃ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد نمبر ۶

کو چھپانے کی غداروں کی ہزار کوششوں کے باوجود کسی طرح ٹیپو کو اس کا علم ہو گیا جس کے بعد وہ بغیر کسی تاخیر کے اپنی افواج کو خود اپنی کمان میں لے کر دارالسلطنت سے نکل پڑا سب سے پہلے مغربی محاذ پر سداسیر کے مقام پر سلطانی افواج کا ایک انگریزی دستہ سے سامنا ہوا دونوں کے درمیان ایک سخت مقابلہ کے بعد بالآخر جنرل اسٹورٹ کی افواج پسپا ہو گئیں یہاں اپنے ماموں زاد بھائی میر قمرالدین کو ایک فوجی دستہ کے ساتھ چھوڑ کر ٹیپو مشرقی محاذ پر جنرل ہارس کی افواج کا سامنا کرنے کے لئے خود نکل پڑا جو دارالسلطنت کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن میر قمرالدین نے ان کا کہیں مقابلہ نہیں کیا اور بغیر کسی مزاحمت کے ان کے لئے راستہ صاف کر کے انگریزوں سے کئے گئے ٹیپو سے غداری کے اپنے وعدہ کو نبھایا اس طرح میر قمرالدین کی غداری سے جنرل اسٹورٹ کی شکست خوردہ فوج بھی بآسانی دارالسلطنت پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔

میر معین الدین و پورنیا کی نمک حرامی

ٹیپو جب جنرل ہارس کو روکنے کے لئے دارالسلطنت کی طرف لوٹ رہا تھا تو اس نے میر معین الدین جو سید صاحب کے نام سے مشہور تھا اور پورنیا کو ایک فوجی دستہ دے کر اس بات کی ذمہ داری سونپی کہ وہ جنرل ہارس کو دارالسلطنت کی طرف بڑھنے دینے کے بجائے راستہ ہی میں اس طرح الجھائے رکھیں کہ وہ اس کی تیاری سے پہلے سری رنگا پٹنم پہنچ نہ سکے ٹیپو کو کیا پتہ تھا کہ یہ دونوں بھی احسان فراموشی و ملت فروشی کا انگریزوں سے سودا کر چکے ہیں انہوں نے جنرل ہارس کے دستہ کی کوئی

مزاحمت نہیں کی نتیجہ یہ ہوا کہ جنرل ہارس کی پیش قدمی جاری رہی حالانکہ وہ بے پناہ سامان رسد اور مال برداری کے ہزاروں جانوروں کے ساتھ دارالسلطنت کی طرف بڑھ رہا تھا سلطانی دستہ کے لئے ان سے مزاحمت کر کے ان کو پریشان کرنا اور راستہ ہی میں کچھ دنوں تک الجھائے رکھنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

ایک اور جگہ مقابلہ

ٹیپو کو اسی دوران اطلاع ملی کہ جنرل ہارس کی فوج نظام کے سپاہیوں کے ساتھ مل کر رائے کوٹہ اور آنیکل پر قبضہ کرتے ہوئے چن پٹن کی طرف بڑھ رہی ہے وہ ان کے مقابلہ کے لئے ملولی پہنچا جہاں متحدہ افواج کے ساتھ اس کا ایک سخت مقابلہ ہوا آن کی آن میں سلطانی افواج نے دشمنوں پر غلبہ پا لیا انگریزوں کے سینکڑوں سپاہی مارے گئے دشمن مورچہ چھوڑ کر بھاگنے ہی والے تھے کہ سلطانی دستہ میں شامل ملت فروش میر معین الدین نے اپنے سپاہیوں کو دشمن کے توپ خانہ کے سامنے پہنچا دیا اور خود اس نے آڑ میں ہٹ کر پناہ لی نتیجہ ظاہر تھا کہ فاتح فوج بھی دیکھتے ہی دیکھتے خود اپنوں ہی کی سازش سے ڈھیر ہو گئی پھر بھی بچ جانے والے سلطانی سپاہیوں نے جم کر ان کا مقابلہ کیا لیکن جب اس معرکہ آرائی میں سلطانی فوج کے ایک قابل بہادر اور مخلص فوجی افسر نواب محمد رضا خاں کی دشمن کی گولی لگنے سے شہادت ہو گئی تو ان کی ہمتیں پست ہو گئیں نواب محمد رضا خاں کے جسد خاکی کو بعد میں پالکی میں ڈال کر دارالسلطنت بھیج دیا گیا۔

دار السلطنت کا محاصرہ

ملولی میں جنرل ہارس کی فوج کے ساتھ ایک کامیاب مقابلہ کے بعد ٹیپو واپس سری رنگا پٹنم آ گیا اس لئے کہ اس کو اس کی اطلاع مل چکی تھی کہ متحدہ افواج دار السلطنت کے قریب پہنچ رہی ہیں اور جنرل فلائڈ کا دستہ بھی جنرل اسٹورٹ کی فوج سے مل کر حملہ کے لئے مغرب کی سمت بڑھ رہا ہے ٹیپو نے میر قمر الدین کو ایک دستہ دے کر کورگ روانہ کیا کہ وہ جنرل اسٹورٹ و جنرل فلائڈ کی افواج کو آگے بڑھنے سے روکیں لیکن میر قمر الدین اپنے ضمیر کا سودا انگریزوں کے ساتھ پہلے ہی کر چکا تھا اس نے حسب وعدہ ان کی کوئی مزاحمت نہیں کی اس طرح یہ دونوں فوجیں باسانی سری رنگا پٹنم پہنچ گئیں اور قلعہ کے سامنے حفاظت کے لئے تعمیر کئے ہوئے مورچوں پر قابض ہو گئیں جس کے بعد انہوں نے قلعہ شکن توپیں بھی نصب کیں اور شہر کا محاصرہ مکمل کر لیا ۴/ مئی کو دشمن مغربی جانب سے قلعہ میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گئے ویلزلی نے میر صادق کے مشورہ سے ۴/ مئی کی دوپہر کو قلعہ پر باقاعدہ حملہ کا منصوبہ بنایا ٹیپو کو جب اسکی اطلاع ملی کہ دشمن قلعہ میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو اس نے اس جگہ اپنا ایک مضبوط دستہ اس کی حفاظت و نگرانی کے لئے متعین کر دیا اور شگاف کی مرمت اور اصلاح کا فوری حکم بھی دے دیا۔

مصیبت کی گھڑی میں فرانسیسیوں کی احسان شناسی

دشمنوں کے دار السلطنت کے محاصرہ کے بعد ٹیپو کو جب اس بات کا یقین ہو

گیا کہ اس کے وزراء و افسران کی ایک بڑی تعداد انگریزوں سے مل گئی ہے اور شہر کا محاصرہ ان کی ملی بھگت ہی سے ممکن ہو سکا ہے تو اس نے اپنے حلیف فرانسیسی افسران سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا جو اس وقت اس کی فوج میں شامل تھے اور ان کے سامنے پوری صورت حال رکھی فرانسیسی دستہ کے کمانڈر جنرل موسی سیپو نے ٹیپو سے کہا کہ ان حالات میں آپ کی یہاں موجودگی بالکل مناسب نہیں میری رائے ہے کہ آپ نقدی و جواہرات سمیٹ کر مع اہل و عیال راتوں رات یہاں سے نکل کر چتل درگ کا رخ کریں اور قلعہ کی حفاظت ہم پر چھوڑیں ہم آپ کی طرف سے انگریزوں سے نپٹ لیں گے اگر ہم پر آپ کو اعتماد نہ ہو تو ہمیں انگریزوں کے حوالہ کر دیں اس لئے کہ ہمارے آپ کے ساتھ فوجی تعاون کی وجہ سے ہی وہ آپ کے دشمن ہیں ہم جب ان کی گرفت میں ہونگے تو ان کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے گا اور وہ آپ سے صلح کے لئے گفتگو پر آمادہ ہونگے ٹیپو فرانسیسیوں کی وفاداری و احسان شناسی اور مصیبت کی گھڑی میں ان کے ایثار و جذبہ قربانی سے بہت متاثر ہوا اور کہا کہ تم جیسے وفاداروں کو میں دشمن کے حوالہ کیسے کر سکتا ہوں مجھے یہ گوارہ ہے کہ میری سلطنت چلی جائے لیکن میں تم کو دشمن کے حوالہ کرنے کے بارہ میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

ملت فروشوں نے پھر دھوکہ دیا

راتوں رات شہر سے رائچور کی طرف نکل جانے کی فرانسیسیوں کی تجویز کے بارے میں اس نے اپنے وزراء سے مشورہ کیا میر صادق کو کب یہ گوارہ تھا کہ اس کا

منصوبہ دھرا کا دھرا رہ جائے اور سلطان اتنی آسانی سے بچ کر نکل جائے اس نے ہمدردانہ لہجے میں عرض کیا کہ اہل فرانس کبھی وفا نہیں کر سکتے یہ انگریزوں کی طرح ہی بے وفا ہیں جیسے ہی آپ قلعہ کی حفاظت کی ذمہ داری ان کو سونپ کر نکل جائیں گے یہ قلعہ بغیر کسی مزاحمت کے انگریزوں کے حوالہ کر دیں گے سلطان چونکہ میر صادق کے بارے میں اس کی غداری سے متعلق سن چکا تھا اس لئے اس کی رائے کو ناقابل اعتناء سمجھ کر اس نے فرانسیسیوں کی تجویز ہی کو ترجیح دی اور اپنے گھر والوں کو چتل درگ بھیجنے کی تیاری شروع کر دی اس کے لئے تیز رفتار جانوروں کا لایا گیا اور ان کے ساتھ جانے کے لئے ایک فوجی دستہ کو بھی تیار رہنے کا حکم دیا گیا۔

بدر الزماں خاں کی خیر خواہی یا بد خواہی

عین اس وقت جب یہ پورا قافلہ رات میں چتل درگ روانہ ہونے والا تھا بدر الزماں خاں نے ٹیپو کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ خود ہی قلعہ سے باہر تشریف لے گئے تو ہماری پوری جمعیت کا شیرازہ بکھر جائے گا سپاہیوں کی ہمتیں آپ کی میدان جنگ میں غیر موجودگی سے پست ہو جائینگی اور دشمن قلعہ و شہر پر آسانی کے ساتھ قابض ہو جائیں گے یہ تجویز اس نے کس نیت سے دی تھی یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن بات سلطان کی سمجھ میں بھی آ رہی تھی کہ اس کے فرار سے سلطانی افواج پر نفسیاتی اثر پڑے گا کہ سلطان اپنے سپاہیوں کو موت کے منہ میں دے کر خود اپنی جان بچا کر بھاگ گیا حالانکہ وہ تو اپنے سپاہیوں کے ساتھ ہمیشہ شانہ بشانہ لڑتے آیا تھا اس کی بزدلی کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا

بدالزماں خاں کی تجویز کو قبول نہ کرنے کی اس کو کوئی خاص وجہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی اس لئے ٹیپو نے اس کو قبول کیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ رضائے مولیٰ برہمہ اولیٰ کہ خدا کی خوشنودی ہر چیز پر مقدم ہے۔

اس کے بعد قافلہ کی روانگی کا ارادہ کو منسوخ کر دیا گیا البتہ شہزادہ فتح حیدر ایک فوجی دستہ لے کر شہر سے باہر کاری گھاٹ کی پہاڑی پر چلا گیا محل کے زنانہ خانہ میں شاہی خواتین کو واپس بھیج کر اس کے ارد گرد فوراً خندقیں کھود کر اس میں بارود بھر دی گئیں کہ اگر دشمن شاہی بیگمات تک پہنچ کر ان کی عصمتوں پر ڈاکہ ڈالنا چاہیں تو حفظ عصمت کے لئے اس زنانہ خانہ کو پہلے ہی اڑا دیا جائے۔

معرکہ حق و باطل کا فیصلہ کن دن

۹۹ء[1] مئی کی چوتھی تاریخ تھی سلطان نے آج بھی حسب معمول نماز فجر مسجد اعلیٰ ہی میں ادا کی نماز کے بعد سلطان کے پرائیویٹ سکریٹری میر حبیب اللہ نے عرض کیا کہ وقت کا تقاضہ ہے کہ حضور جان عزیز پر رحم فرمائیں اور اپنے شہزادوں کی یتیمی و اسیری کا تصور کریں دوسرے الفاظ میں وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ دشمنوں سے صلح کر لیں سلطان نے جواب دیا کہ ہم سالوں سے اس سلطنت خداداد کو جو ہماری رعایا بالخصوص مسلمانوں کی ملکیت ہے۔ بچانے کی فکر کر رہے ہیں لیکن وزراء و افسران سلطنت ہی درپردہ اسکی تباہی کے درپے ہیں انسان کو صرف ایک

[1] صحیفہ ٹیپو سلطان بحوالہ ہفت خوان حیدری

دفعہ موت آتی ہے اس سے ڈرنا لاحاصل ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ وہ کب آئے اور کہاں آئے، میں اپنی ذات کو مع اپنی اولاد کے دین محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر نثار کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں"[1] یہ سن کر میر حبیب اللہ خاموش ہو گیا۔

ادھر آفتاب معمول کے مطابق طلوع ہو رہا تھا لیکن ادھر سلطان کا نیر اقبال ڈوب رہا تھا آج تاریخ انسانی خودداری و آزادی کا ایک باب ختم کر کے غلامی کا ایک نیا باب شروع کرنے والی تھی سرزمین سری رنگا پٹنم بھی اپنے مالک حقیقی سے گریاں و کناں تھی کہ آج سے اس کی پشت پر پاک روحوں کی جگہ ناپاک روحوں کی حکمرانی کا آغاز ہونے والا ہے انگریز اپنے منصوبے کے مطابق اپنی تمام تیاریوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکے تھے ابلیس لعین اپنے چیلوں کے ذریعہ اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنتے دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا قلعہ کے اندر باہر ہر جگہ سازشیں مکمل ہو چکی تھیں ضمیر فروشی و ملت فروشی کا سودا مکمل ہو چکا تھا اور غداران ملک و ملت کی طرف سے سلطان کی تیاریوں کی تمام خبریں بھی پوری تفصیل کے ساتھ ویلزلی کو مل رہی تھیں میر صادق اپنے اخوان الشیاطین کے ساتھ ملکر انگریزوں کو قلعہ پر حملہ کا پورا منصوبہ سمجھا چکا تھا اس خبیث تنگ دین و تنگ وطن کی باتوں و وعدوں پر انگریزوں کے بھروسہ نہ کرنے کی سابقہ تجربات کی روشنی میں کوئی وجہ بھی نہیں تھی انگریزوں کو اس سلسلہ میں خود اپنے سپاہیوں سے زیادہ سلطانی افواج کے ان ضمیر فروشوں پر بھروسہ تھا جو سلطان کی پیٹھ میں پہلے ہی چھرا گھونپ چکے تھے ناامیدی و مایوسی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھی امید کی

ایک شمع ابھی بھی روشن تھی یہ سلطان کے وفادار و جانثار سپاہیوں کا وہ دستہ تھا جس نے اپنے وطن و مذہب کی حفاظت کے لئے آخری دم تک اس کے شانہ بشانہ لڑنے کا اپنے خدا سے عہد کیا تھا ان کے رب نے بھی ان کے ارادوں کو ان کی منشاء و دعا کے مطابق اب تک غیر متزلزل ہی رکھا تھا وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اپنے رب سے ملنے اور جنت میں پہنچنے کا اشتیاق بڑھ ہی رہا تھا یہ سید عبدالغفار کی کمان والی وہ جمعیت تھی جس کے بعض سپاہیوں کے ناموں سے خود سلطان بھی ناواقف تھا لیکن ان کے چہروں کی نورانیت و بشاشت یہ گواہی دے رہی تھی کہ یہ اپنے خون کے آخری قطروں سے ملت و وطن کی ایک سنہری تاریخ لکھنے جا رہے ہیں اس طرح آج نہ صرف تاریخ اسلامی بلکہ تاریخ انسانی کا ایک اہم حادثہ وقوع پذیر ہونے والا تھا اور وہ وطن کی مکمل صبح آزادی کا خواب دیکھنے والے اس کے فرزند جلیل کی زندگی کا تقدیر الٰہی کے مطابق آخری دن بھی تھا۔

نجومی کی پیشین گوئی

سلطان اپنے معمول کے مطابق نماز فجر اور تلاوت قرآن کے بعد حق و باطل کے اس معرکہ کے لئے اپنی حقیر تیاریوں کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ کچھ نجومی اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آج کا دن حضور کے لئے کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا[1] سلطان کو یقین تھا کہ بذات خود دن اور رات میں اللہ تعالیٰ نے کوئی خرابی نہیں رکھی ہے جو کچھ اچھا یا برا ہوتا

ل تاریخ ٹیپو سلطان از محب الحسن

ہے صرف اور صرف اسی کی مرضی سے ہوتا ہے پھر بھی حدیث میں آتا ہے کہ صدقات و خیرات آنے والے مصائب و مشکلات کو ٹالتے ہیں اس لئے اس نے اسی وقت قیمتی ہیرے، جواہرات سے آراستہ ایک خوبصورت ہاتھی مع دو سو روپئے نقد خیرات میں دے دیئے اس کے علاوہ کچھ بیل بھینس بکرے اور کپڑے وغیرہ بھی مختلف فقراء و مساکین میں تقسیم کئے گئے۔

قلعہ پر یلغار

انگریزوں نے ۴/ مئی کی صبح کو جنرل بیرڈ کی قیادت میں اپنے منصوبہ کے مطابق مغربی محاذ سے جنوب میں قلعہ کے اس حصہ پر حملہ کر دیا جہاں پہلے ہی شگاف پڑ چکا تھا سلطان کو مصروف رکھنے کے لئے شمال سے بھی یلغار کی گئی جہاں سلطانی محل موجود تھا پہلے سے طے شدہ منصوبہ اور سازش کے مطابق شگاف کی حفاظت پر متعین سلطانی افواج کو میر صادق نے پورنیا سے مل کر تنخواں کی تقسیم کے بہانے مسجد اعلیٰ کے پاس بھیج دیا تھا جس کے بعد میر معین الدین نے سمجھوتہ کے مطابق سفید رومال ہلا کر شگاف کے خالی ہونے کی انگریزوں کو اطلاع دی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ اس طرف متعین پانچ ہزار انگریز سپاہیوں میں سے صرف ۱۳/ ۱۳ دشمن کے سپاہی دو دستوں میں بغیر کسی مزاحمت کے فصیل پر چڑھ کر قلعہ میں بآسانی داخل ہو گئے جس کے بعد پوری فوج آرام سے قلعہ میں داخل ہو گئی۔

خود بعض انگریزوں کا بیان تھا کہ قلعہ پر اس چڑھائی میں ہماری مدد و رہنمائی سلطانی فوج کے ایک سپاہی میر قاسم علی نے کی تھی۔

خوش قسمت سید عبدالغفار

جنوب میں گنجام باغ سے متصل قلعہ کے شگاف والے حصہ میں جب انگریزوں کی طرف سے سخت گولہ باری ہو رہی تھی اور تنخواہ کی تقسیم کے بہانے اس کی حفاظت پر متعین سلطانی دستہ کو وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا تو سلطان کے وفادار فوجی افسر سید عبدالغفار سے یہ نہ دیکھا گیا وہ دشمن کی پوری چال کو سمجھ گیا پہلے میر صادق نے اس کو یہ کہہ کر وہاں سے ہٹانے کی کوشش کی کہ وہ جاکر سلطان کو دشمن کے حملہ کی اطلاع دے لیکن وہ کچھ ہی دیر میں کچھ دوسرے سپاہیوں کے ہمراہ دوبارہ مزاحمت کے لئے وہاں پہنچ گیا غدار ملت میر معین الدین نے اس سے کہا کہ اب مدافعت فضول ہے ہم لوگ دور ہٹ جائیں قلعہ نہ سہی ہماری جان تو بچ جائے گی یہ سننا تھا کہ سید عبدالغفار کی رگ حمیت پھڑک اٹھی اس نے تو آخری دم تک اپنے وطن کی ایک ایک انچ زمین کی حفاظت کی اپنے رب سے قسم کھائی تھی وہ پسپائی کو کیسے برداشت کر سکتا تھا چنانچہ وہ وہیں جما رہا انگریزوں سے سمجھوتہ کے مطابق گرمی کے بہانے میر معین الدین نے سید عبدالغفار پر ہری چھتری سے سایہ کر دیا جو دراصل انگریزوں کے لئے اس پر حملہ کا اشارہ تھا پھر کیا تھا انگریزی توپ خانہ کا رخ اب قلعہ کے بجائے سید عبدالغفار کی طرف ہو گیا پے در پے کئی گولے اس کو لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس وفادار سلطان نے جام شہادت نوش کر لیا اس کے بعد ہی کہیں جاکر انگریزی فوج باقاعدہ قلعہ میں داخل ہو سکی۔

سلطان کا شوق شہادت و بے قراری

دوپہر کا وقت تھا سلطان قلعہ کی مختلف فصیلوں کا معائنہ کرکے ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کھانا لایا گیا بسم اللہ کہہ کر اس نے اس میں سے پہلا لقمہ لیا ہی تھا کہ ایک سپاہی نے آکر اطلاع دی کہ سید عبدالغفار شہید ہو گئے ہیں اور انگریزی افواج قلعہ میں داخل ہو گئیں ہیں سلطان تو قلعہ میں دشمن کی افواج کے داخلہ کا انتظار کر ہی رہا تھا اور اپنی شہادت کے یقین کے ساتھ صبح ہی سے اس کا منتظر تھا اس نے اپنے رفقاء سے کہا کہ لگتا ہے کہ ہم بھی اب کچھ ہی دیر کے مہمان ہیں[1] یہ کہہ کر ہاتھ دھوئے بغیر اٹھا اپنے طاؤس نامی گھوڑے کو منگوایا تلوار سنبھالی دو نالی بندوق تھامی جسم پر قباء تھی بغیر کسی توقف کے گھوڑے پر سوار ہوا اور دشمن کی طرف چل پڑا راستہ میں نمک حرام وضمیر فروش وزراء ملے اس میں میر صادق بھی تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا سلطان نے کہا کہ ایسی بات نہیں کہ ہم تمہاری غداری سے واقف نہیں تم اپنی اس بے وفائی کا جلد ہی مزہ چکھو گے تمہاری آئندہ آنے والی نسلیں تمہارے ان سیاہ کارناموں کی نحوست سے ایک ایک دانہ کی محتاج ہوگی میر صادق نے فوراً دشمنوں کو اطلاع بھیجی کہ سلطان محل سے نکل کر فلاں دروازہ کے قریب پہنچ رہا ہے ایک روایت کے مطابق سلطان نے اس صبح کو غداروں کی ایک فہرست تیار کی تھی جن کو دوسرے دن پھانسی دینی تھی اس میں سر فہرست میر صادق کا نام تھا اس کی اطلاع میر صادق کو بھی ہو چکی تھی۔

[1] سوانح ٹیپو سلطان از امجد علی اشہری

خس کم جہاں پاک میر صادق موت کے گھاٹ

سلطان ٹیپو تیزی سے ڈوڈی دروازہ سے باہر نکلا اور دہلی دروازہ کے پاس پہنچا اور بڑی دیر تک انگریزی افواج سے مقابلہ کرتا رہا جب دشمنوں کا ہجوم بڑھتا گیا تو ڈوڈی دروازہ سے واپس شہر میں سلطان نے داخل ہونے کی کوشش کی لیکن میر صادق اس طرف سلطان کو واپس آتا دیکھ کر اس دروازہ کو بند کرکے خود کمک لانے کے بہانے باہر نکل چکا تھا سلطان کے کرپہ کے ایک وفادار سپاہی احمد خاں سے اس کی یہ کمینہ حرکت دیکھی نہیں گئی اس نے فوراً میر صادق پر یہ کہتے ہوئے وار کیا کہ سلطان کو دشمنوں کے منہ میں دے کر خود کہاں بچ کر جا رہا ہے ایک ہی وار میں اسکا سر تن سے جدا ہو گیا چار دن تک اس کی لاش اسی جگہ پڑی سڑتی رہی پورا حلیہ بگڑ گیا تھا بعد میں چند لوگوں نے بدبو سے پریشان ہو کر اس کی لاش کو زمین میں دفن کر دیا اسس کی قبر کے پاس سے جب بھی کوئی گذرتا تو اس پر ضرور تھوکتا غدار میر معین الدین بھی اسی دن ایک خندق میں گر کر مر گیا۔

سلطان کی شہادت کے آخری لمحات

شہر میں دوبارہ داخل ہونے کے لئے جب سلطان نے ڈوڈی دروازہ کو بند پایا تو شمالی دروازہ کی طرف بڑھا لیکن معلوم ہوا کہ میر معین الدین کی غداری سے دشمن اس دروازہ کے علاوہ مشرقی و جنوبی فصیل پر بھی قبضہ کر چکے ہیں قلعہ دار سے اس نے دروازہ کھولنے کی درخواست کی لیکن اس بدبخت نے بھی سنی ان سنی کر دی

اس طرح اب سلطان تینوں طرف سے محصور ہو گیا تھا پھر بھی اس نے دشمنوں پر فائر کئے جس سے پانچ سپاہی اسی وقت مارے گئے ہر طرف سے اس پر بھی گولیوں کی مسلسل بوچھاڑ ہو رہی تھی جس سے سلطان کو کئی زخم آ چکے تھے لیکن وہ اب تک دشمنوں کے سامنے ڈٹا ہوا تھا۔

شیر کا ایک دن گیدڑ کے سو سال سے بہتر ہے

مغرب کا وقت قریب تھا گھمسان کی لڑائی جاری تھی مرد تو مرد ہندو مسلم خواتین تک بڑھ بڑھ کر دشمنوں پر حملہ کر رہی تھیں ایک ایک کر کے اکثر جانثار شہید ہو کر اپنی وفاداری کا ثبوت دے چکے تھے اور ان کی لاشیں ہر جگہ بکھری پڑی تھیں اسی دوران سلطان کے ایک نو مسلم خادم راجہ خاں نے سلطان کو آواز دی کہ حضور اگر اب بھی اپنی جان کی حفاظت کے لئے خود کو دشمن کے حوالہ کریں تو وہ آپ کے منصب کا پاس رکھ کر آپ کی جان کو بخش دیں گے سلطان یہ الفاظ سن کر جلال میں آ گیا غصہ سے کانپتے ہوئے پلٹ کر بلند آواز سے کہنے لگا کہ

میرے نزدیک شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے

کچھ ہی دیر میں سلطان کے گھوڑے طاؤس کی پیٹھ میں گولی لگی جس سے وہ گر گیا اور سلطان بھی زمین پر آ گیا اور اس کی دستار بھی سر سے الگ ہو گئی اب سلطان پیدل ہی لڑ رہا تھا دیکھتے ہی دیکھتے کئی انگریز افسر سلطانی تلوار کی زد میں آ کر جہنم رسید ہو گئے گولیوں کے دو شدید زخموں سے اب ٹیپو کی طاقت جواب دے رہی تھی نقاہت و کمزوری کا اثر لمحہ بہ لمحہ ظاہر ہو رہا تھا پھر بھی شیر دل سلطان تھک کر بیٹھنے

کے بجائے لڑ رہا تھا اس کے سپاہی جو گولے دشمن پر پھینک رہے تھے اس میں بارود کے بجائے میر صادق کی سازش سے مٹی بھری ہوئی تھی[1] نتیجہ یہ تھا کہ اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں ہو رہا تھا غداروں کی اطلاع پر دشمنوں کی پوری طاقت اس جگہ سمٹ کر آ گئی تھی جہاں سلطان ان سے لڑ رہا تھا

سنت حسینی پر غیر اختیاری عمل

۴/ مئی اس پورے علاقہ میں گرمی کے شباب کا زمانہ تھا اس پر چلچلاتی دھوپ خونیں معرکہ میں مسلسل مصروفیت اور دشمنوں سے دست بدست جنگ نے ظہر سے مغرب تک سلطان کو پیاس سے بے قرار کر دیا تھا اس دوران اس کو اپنی تشنگی کافور کرنے کے لئے ایک لمحہ کی فرصت بھی نہیں ملی تھی کہ وہ کہیں رک کر کسی سے پانی طلب کرے اور اپنی بڑھتی پیاس بجھائے سید عبد الغفار کی شہادت کے بعد جب سلطان ظہر کے وقت میدان جنگ کی طرف نکلا تو اس کے ساتھ اس کا خادم خاص اور نو مسلم غلام راجہ خان بھی تھا جس نے سلطان کے حکم سے اپنے ساتھ پانی سے بھرا ایک چھاگل یعنی چھوٹی سے مشک بھی رکھ لی تھی لیکن سلطان کو کیا پتہ تھا کہ اس کا تربیت یافتہ یہ غلام بھی اس کے خاتمہ کے لئے انگریزوں کے ساتھ ان کی ملی بھگت میں شامل ہو گیا ہے دوران جنگ پیاس سے بے قرار ہو کر سلطان بار بار اپنے اس غلام سے پانی طلب کرتا رہا لیکن اس شقی القلب ضمیر فروش ملازم نے

[1] نشان حیدری

ایک قطرہ پانی بھی سلطان کو نہیں دیا پیاس سے لحہ بہ لحہ اس کا حال بے حال ہو رہا تھا اور وہ بار بار وقفہ وقفہ سے پلٹ پلٹ کر اس سے عاجزانہ درخواست کرتا کہ خدا کے واسطہ ایک گھونٹ ہی سہی پانی دے دو لیکن چھاگل میں پانی ہونے کے باوجود اس بد بخت نے اپنے آقا کو ایک قطرہ پانی تک دینا گوراہ نہیں کیا اس طرح اللہ تعالی نے مرتے وقت اپنے محبوب ٹیپو کو بھی سبط رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس غیر اختیاری سنت پر عمل کی سعادت نصیب فرمائی جو ان کو عین اسی طرح کے معرکہ میں کوفہ کے میدان میں پیش آئی تھی اور وہاں دشمنان اسلام نے حضرت حسینؓ کو بھی اپنی پیاس بجھانے کے لئے ایک قطرہ پانی بھی دینا گوراہ نہیں کیا تھا یوں بھی سلطان ٹیپو کو حضرت حسینؓ سے بڑی عقیدت تھی قسطنطنیہ میں جب خلیفہ روم کی خدمت میں سلطنت خداداد کا وفد گیا تو سلطان نے اس کو ہدایت کی تھی کہ وہ کوفہ میں حضرت حسین کے مزار پر بھی ضرور حاضری دے، حسن اتفاق سے ان دونوں کے والدین حیدر علی و فاطمہ بھی ہم نام ہی تھے دونوں کی شہادت خود مسلمانوں کی غداری سے ہوئی اور ان دونوں کو دشمنوں نے عین شہادت کے وقت پیاس کی شدت کے باوجود پانی سے بھی محروم رکھا۔

اور آفتاب حریت شہید ہو گیا

صبح سے چلی لڑائی کا یہ سلسلہ عصر کے بعد بھی برابر جاری تھا دست بدست دشمنوں سے مقابلہ کی وجہ سے سلطان کے جسم پر اب تک کئی گولیاں پیوست ہو چکیں تھیں اور وہ بری طرح زخمی ہو چکا تھا مغرب کا وقت قریب تھا آسمان پر جس

طرح سورج دن بھر کی مصروفیت کے بعد ڈوب کر دنیا کو ظلمت میں پہنچانے والا تھا اسی طرح وطن کی حریت کا یہ آفتاب بھی اپنی پچاس سال کی زندگی کی مسلسل جدوجہد اور سعی پیہم کے بعد تھک کر مائل بغروب ہی تھا دنیا بھی اپنی پشت پر بسنے والے انسانوں کی بے وفائی سے تنگ آکر تاریکی کو دعوت دے رہی تھی ادھر پیاس اور گولیوں کی مسلسل بوچھاڑ نے سلطان کو بری طرح نڈھال کر دیا تھا لیکن وہ تو اپنی آخری سانس تک اسلام دشمنوں سے لڑنے کی اپنے رب سے قسم کھا چکا تھا آسمان حمیت و غیرت کا یہ روشن ستارہ اب اپنے مالک حقیقی سے جا ملنے کے لئے بے قرار تھا ہزاروں رحمت کے فرشتے اس کے استقبال کے لئے اپنی آنکھیں بچھائے اس کی زیارت کے لئے بے تاب تھے زمین اپنی پشت پر اب تک رہنے والے اس نیک بخت فرزند کی جدائی پر بے قابو ہو رہی تھی قدرت نے آسمان سے زمین تک پوری فضا کو اس کی آمد کے اعزاز میں خوشبوؤں سے معطر کر دیا تھا آسمان اپنی طرف آنے والی اس پاک روح کے تصور ہی سے جھوم رہا تھا اور اپنی قسمت پر نازاں ہو کر زمین کو چڑا رہا تھا سلطان تک پہنچنے کے لئے خالق کائنات کی طرف سے فرشتہ اجل اپنی منزل سے روانہ ہو چکا تھا اور ابھی تھوڑی ہی دیر میں پہنچنے والا تھا قدرت کی طرف سے جب اپنے محبوب بندہ کے استقبال کے لئے انتظام مکمل ہو گیا تو پیچھے سے میر صادق نے انگریزوں کو اشارہ کیا کہ میں جس کے سامنے کھڑا ہوں وہی سلطان یعنی تمہارا حقیقی نشانہ ہے پھر کیا تھا یکایک پھر ایک بار قلعہ کی فصیل سے گولیوں کی بارش ہونے لگی جس میں سے ایک گولی سلطان کے سینے میں لگی جس سے وہ نیم جان ہو کر زمین پر گر پڑا جسم سے خون تیزی سے بہنے لگا ایک گورا سپاہی قریب

ہی کھڑے یہ تماشا دیکھ رہا تھا وہ سمجھا کہ سلطان کا کام تمام ہو گیا ہے قریب پہنچ کر اس نے سلطان کی کمر سے ہیروں سے جڑے قیمتی شمشیر بند کو اتارنے کی کوشش کی سلطان کی آنکھ کھلی تھی اور سانس چل رہی تھی وہ اس طرح کی توہین کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ دشمن کے ناپاک ہاتھ جیتے جی اس کے جسم کو چھوئیں فوراً اٹھ کر اپنی تلوار سنبھالی اور اس گورے سپاہی پر وار کر دیا لیکن وہ اپنی بندوق کو بطور ڈھال استعمال کر کے بچ گیا جس سے اس کی بندوق ٹوٹ گئی سلطان نے دوسرا وار کیا جس سے قریب ہی موجود ایک دوسرے انگریز سپاہی کا کام تمام ہو گیا حسین علی کرمانی کا بیان ہے کہ جس جگہ سلطان گرا تھا وہ جگہ تنگ تھی لیکن اس نے اسی حالت میں کچھ اور گوروں کو بھی جہنم رسید کر دیا اسی دوران دور سے دشمن کے ایک سپاہی نے سلطان کی کنپٹی کو ایک فائر سے نشانہ بنایا گولی دائیں کان کے ذرہ اوپر لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے سلطان زمین پر گر گیا اور اسی وقت اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی انا للہ و انا الیہ راجعون یہ مغرب کا وقت تھا تاریکی پھیل رہی تھی ہر طرف لاشوں کا انبار تھا بارہ ہزار سلطانی سپاہی صرف اس دن وطن کی آزادی کے لئے اپنی جان نثار کر چکے تھے۔

روح تو ٹھنڈی ہوئی جسم ابھی گرم ہے

بعض انگریزوں کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ سلطان شہید ہو گیا ہے وہ سمجھ رہے تھے کہ سلطان فرانسیسیوں کی ہدایت پر چتل درگ پہنچ کر وہاں سے دوبارہ لڑائی جاری رکھنے کی تیاری کر رہا ہے قلعہ اور محل میں ہر جگہ تلاشی لی گئی لیکن

سلطان کی نعش کہیں نظر نہیں آئی بالآخر میجر بائرڈ خود اندھیرے میں مشعل لے کر ایک ایک لاش کی شناخت کرنے لگا سلطان کے غدار خادم راجہ خاں کی نشاندہی پر اسکو سلطان کی لاش ملی آنکھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں جسم بھی گرم تھا اس لئے نبض پر ہاتھ لگا کر یقین کر لیا کہ اس میں اب روح باقی نہیں ہے چہرے پر رعب و جلال میں مرنے کے باوجود کوئی فرق نہیں تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب بھی دشمن کو آنکھیں دکھا رہا ہے سیدھے ہاتھ پر ایک تعویذ بندھی ہوئی تھی کمر پر سرخ ریشمی پٹکا تھا جسم میں ڈھیلا پاجامہ اور سفید قمیص تھی جو خون سے سرخ ہو گئی تھی دائیں ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی تلوار کا نچلا حصہ بھی تھا کرنل ویلزلی سے جب بعض انگریز سپاہیوں نے دریافت کیا کہ سلطان کا جسم مرنے کے باوجود اب بھی گرم کیوں ہے تو اس نے یہ کہہ کر تاویل کی کہ باقی سب لوگ تو پہلے ہی مر گئے تھے سلطان کا کام ابھی تمام ہوا ہے اس لئے اس کا جسم گرم ہے اس کافر کو کیا پتہ تھا کہ سلطان کی ایمانی حرارت صرف اس کی روح میں نہیں تھی بلکہ اس کا جسم بھی اس کی حرارت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا اس پورے واقعہ کی منظر کشی اس جنگ میں شریک ایک عینی شاہد انگریز میجر ایلن نے اس طرح کی تھی۔

"ٹیپو کو پھاٹک سے نکال کر باہر لایا گیا اس کی آنکھ کھلی تھی اور جسم گرم تھا چند لمحوں کے لئے کرنل ویلزلی اور مجھے شبہ ہوا کہ وہ شاید زندہ ہے لیکن نبض اور قلب کی حرکت دیکھنے کے بعد شبہ رفع ہو گیا اس نے چار زخم کھائے تھے تین جسم پر اور ایک کنپٹی پر اس کے جسم پر نفیس کپڑے کی آستین دار صدری پھولدار ڈھیلا ڈھالا پاجامہ اور کمر کے گرد ارغوانی

رنگ کا ریشمی و سوتی کپڑے کا پٹکا تھا سر ننگا تھا شاید اس کی پگڑی کشمکش میں گر گئی تھی ایک خوبصورت تھیلا بھی اس کے جسم پر لٹک رہا تھا جس پر سرخ اور سبز پٹی لگی ہوئی تھی اس کے بازو پر ایک تعویذ تو بندھا تھا لیکن کوئی اور زیور نہیں تھا اس کے چہرہ سے ایک وقار ٹپک رہا تھا جو اسے عام لوگوں سے ممتاز کر رہا تھا۔"

ایک اور انگریز شاہد یوں لکھتا ہے۔

اس کے چہرے پر غیر معمولی خلوص و وقار سایہ فگن تھا اور اس کے چہرے سے وہ طمانیت و خوش خلقی ٹپک رہی تھی جس کے لئے وہ زندگی میں بھی ممتاز تھا"

اس پورے معرکہ میں انگریزوں کے صرف ڈیڑھ ہزار سپاہی کام آئے جو سلطانی افواج سے شہید ہونے والے سپاہیوں کے مقابلہ میں بہت کم تھے انگریزوں کو میسور کے خلاف اپنی چاروں جنگوں میں سب سے کم جانی نقصان بھی اسی جنگ میں ہوا تھا اس کی وجہ ظاہر تھی کہ یہ پوری جنگ شروع سے آخر تک طاقت و قوت سے زیادہ غداروں و سازشوں کے بل بوتہ پر لڑی گئی تھی ملت اسلامیہ کا یہ عظیم حادثہ ۲۸/ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ مطابق ۴/مئی ۱۷۹۹ء کو پیش آیا اس وقت سلطان کی عمر کا سن عیسوی کے لحاظ سے ۴۹واں سال تھا۔ ۲۰ نومبر ۱۷۵۰ء کی پیدائش کے حساب سے وہ اب تک اس دنیا میں ۴۸ سال ۵ ماہ اور ۱۴ دن گذار چکا تھا مؤرخین نے حروف ابجد کے حساب سے ۱۲۱۳ھ کی تاریخ وفات اس جملہ سے نکالی۔

ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد

۱۲۱۳ھ

مولانا ظفر علی خاں نے پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے سلطان کو اس کی وفات و شہادت پر مندرجہ ذیل اشعار کے ذریعہ خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے
اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود
اس کے اٹھتے ہی مسلمانوں کا گھر بیٹھ گیا
تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود
قوت بازوئے اسلام تھی اس کی صولت
اس کی دولت کے دعاگو دنمیں شامل تھے ہنود

سقوط سری رنگا پٹنم

سلطان کی شہادت اور بارہ ہزار وفاداروں کی وفاداری کے ساتھ ہی جس میں سینکڑوں ہندو مسلم عورتیں اور بعض شاہی خواتین بھی شامل تھیں میسور کی یہ چوتھی اور فیصلہ کن جنگ ختم ہو گئی فرانسیسی فوجیوں نے بھی جو اب تک سلطان کی طرف سے لڑ رہے تھے اس کی شہادت کے ساتھ ہی اپنے ہتھیار ڈال دئے اور اپنی شکست تسلیم کر لی جس کے بعد دارالسلطنت پر دشمنوں کا مکمل قبضہ ہو گیا جنرل ہارس سلطان کی لاش کے قریب پہنچ کر فرط مسرت سے چیخ اٹھا کہ

"آج سے ہندوستان ہمارا ہے"

سلطان کیا شہید ہوا ملک کی آزادی کا ایک سنہرا اور آخری باب ختم ہوا تاریخ نے پھر ایک بار کروٹ لی ہندوستان کی سیاسی موت ہو گئی ملک میں آزادی کا پرچم سرنگوں ہو گیا وطن کا تابناک ماضی اور روشن حال اور پر امید مستقبل ان شہداء حریت کی لاشوں میں دب گیا۔

انسانیت کی روح بھی کانپ اٹھی

سقوط سری رنگا پٹنم کے ساتھ ہی نظام حیدر آباد کی فوج بھی میر عالم کی قیادت میں شہر میں داخل ہوئی فتح کی خوشی میں گورے سپاہیوں نے بربریت و درندگی کی تمام حدود کو پار کر لیا شراب پی کر خوب عیاشی کی گئی گھروں میں چھپی ہوئی خواتین کی اجتماعی عصمت دری کی گئی اور وہ سب کچھ ہوا جس سے خود انسانیت کی روح بھی کانپ اٹھی ان انگریز سپاہیوں نے خود اپنے محسنوں میر صادق میر قمر الدین اور پورنیا وغیرہ کے گھروں کو بھی لوٹنے سے گریز نہیں کیا ان کی عورتوں کی عزتیں بھی محفوظ نہیں رہیں گویا غداروں سے قدرت نے اسی وقت انتقام لیا جو لوگ سقوط دار السلطنت کے بعد حواس باختہ ہو کر اپنی جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے ان سب کو پکڑ پکڑ کر قتل کر دیا گیا قلعہ کے پھاٹک کو آگ لگا دی گئی مسجد اعلیٰ میں پناہ لینے والے لوگوں کو بھی بے دریغ قتل کیا گیا جس سے پوری مسجد خون میں رنگ گئی وحشت و بربریت کے اس ننگے ناچ میں کم و بیش دس ہزار میسوری ہندو اور مسلم عوام مارے گئے رات بھر زخمیوں کی آہ و بکا سے شہر کی پوری فضا گونجتی رہی ہر جگہ خوف و ہراس چھایا رہا بالآخر کرنل ویلزلی کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ جب تک ہم لوٹ مار کرنے والے چند لوگوں کو پھانسی نہیں دیں گے اس صورتحال پر قابو پانا ممکن نہیں ہے۔

تجہیز و تکفین

دوسرے دن ۵ / مئی کو جنرل ہارس نے اسلامی رسومات کے مطابق سلطان کی تجہیز و تکفین کی اجازت دی صبح کو دیدار عام کے لئے سلطان کی نعش محل میں کھلی جگہ پر رکھی گئی بلاتفریق مذہب و ملت لوگوں کی ایک بھیڑ تھی جو باری باری سلطان کا دیدار کر رہی تھی ظہر سے پہلے غسل کے بعد مکہ کے بنے ہوئے خاص کپڑوں میں کفن پہنایا گیا زوال آفتاب کے بعد جنازہ محل سے روانہ ہوا سلطان کی زندگی کے چار خادم خاص جنازہ کو کندھا دئے ہوئے تھے ساتھ میں شہزادہ عبدالخالق کے علاوہ دیگر عہدیداران و عمائدین سلطنت بھی تھے انگریز فوج کی چار کمپنیاں میت کے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں لوگوں کی بے پناہ بھیڑ سے جنازہ آہستہ آہستہ جارہا تھا محل گلیاں اور بازار سنسان تھے جنازہ میں سب سے آگے قاضی شہر تھے جو قرآنی آیات بلند آواز سے پڑھ رہے تھے اور لوگ اسے دہرا رہے تھے راستہ میں بلاتفریق مذہب و ملت مزید لوگ اس جلوس میں شامل ہوتے گئے ہندو عورتیں اپنے سروں پر مٹی ڈال کر ماتم کر رہی تھیں اور مسلمان خواتین جنازہ کو دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر روتیں اور اپنے سروں کے بالوں کو نوچتی تھیں چلچلاتی دھوپ اور اس کی گرمی سے لوگوں کا حال ناقابل برداشت ہو رہا تھا ہوائیں بند تھیں جس سے

لوگوں کا دم گھٹ رہا تھا ہر چیز اپنی جگہ ساکت و خاموش تھی گویا ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ قدرت کی طرف سے سلطان کے احترام میں آج ان کو بھی خاموش رہنے کا حکم ملا ہے جنازہ کے لال باغ پہنچنے سے پہلے ہی آسمان پر گھنے بادل چھا گئے عصر کے وقت جنازہ لال باغ پہنچا قلعہ سے ماتمی توپوں کی آوازیں بھی لوگوں کی گریہ وزاری سے سنائی نہیں دے رہی تھیں ماتمی بینڈ جو راستہ میں بج رہا تھا وہ لال باغ پہنچنے کے بعد بند ہو گیا اور وہاں پہنچ کر چار انگریز کمپنیوں کے ہتھیار بند سپاہیوں نے اپنے ہتھیار بھی نیچے کر لئے قاضی شہر نے نماز جنازہ پڑھائی پھر نعش کو لال باغ میں حیدر علی کے پہلو میں بڑے احترام اور پر نم آنکھوں کے ساتھ دفن کیا گیا فقراء و مساکین میں اس وقت شہزادوں کی طرف سے پانچ ہزار روپئے سلطان کے ایصال ثواب کے لئے تقسیم کئے گئے۔

آسمان بھی رو پڑا

سلطان کی نعش کو جب لحد لگانے کے لئے قبر میں اتارا جا رہا تھا یا ایک روایت کے مطابق جب قاضی شہر نماز جنازہ پڑھا رہے تھے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس کو سلطان کی عند اللہ مقبولیت اور کرامت ہی سے تعبیر کیا جا سکتا تھا ہوا یوں کہ سخت گرمی کا موسم ہونے کے باوجود فضاء میں ایسی بجلیاں کڑکیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان ٹوٹ کر زمین پر گرنے والا ہے گرج، کڑک اور بجلی کی چمک کے بعد اچانک بارش بھی ہونے لگی ادھر انگریز سپاہی سلطان کو آخری سلام دینے کے لئے اپنی بندوقوں سے ہواؤں میں فائر کر رہے تھے لیکن آسمانی کڑک کے سامنے ان کے فائر کی آوازیں دب رہی تھیں گویا قدرت کہہ رہی تھی کہ آج ہم اپنے بندہ کا آسمان پر تم سے ہزاروں گنا بڑی توپوں کی آوازوں سے استقبال کر رہے ہیں آسمان کے بھی اچانک بارش کا موسم نہ ہونے کے باوجود پھوٹ پھوٹ کر رونے سے محسوس ہوا کہ وہ بھی اپنے آنسوؤں کو بہا کر زمین والوں کے غم میں شامل ہونے کے اپنے دعویٰ کا ثبوت دے رہا ہے اسی طرح کی بجلی جب رات میں بمبئی کی انگریزی فوج کے کیمپ میں گری تو اس سے دو انگریز سپاہی ہلاک اور کئی زخمی ہو گئے گھروں میں بند لوگوں پر بھی لرزہ طاری ہو گیا بادل کی خوفناک آواز سے کانوں کے پردے پھٹنے لگے دریائے کاویری میں بھی اس رات خلاف معمول طغیانی آ گئی خود سری رنگا پٹنم میں مقیم بوڑھوں کا کہنا تھا کہ دریائے کاویری میں اس طرح کی طغیانی انھوں نے کبھی نہیں دیکھیں غرض یہ کہ وطن عزیز کا یہ قابل فرزند غروب آفتاب سے پہلے پہلے منوں مٹی کے نیچے قبر کی شکل میں جنت کے باغوں میں پہنچ چکا تھا اور مادی تھکاوٹ کی زندگی سے منتقل ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کی راحت کی طرف جا چکا تھا اور اہل وطن افسردہ دلوں اور نم دیدہ آنکھوں کے ساتھ اس کو الوداعی سلام کر رہے تھے جو سیماب اکبر آبادی کے الفاظ میں کچھ اس طرح تھا۔

اے شہید مرد میدان وفا تجھ پر سلام
تجھ پہ لاکھوں رحمتیں لا انتہا تجھ پر سلام
ہند کی قسمت ہی میں رسوائی کا سامان تھا
ورنہ تو ہی عہد آزادی کا اک عنوان تھا

اپنے ہاتھوں خود تجھے اہل وطن نے کھودیا
آہ کیسا باغباں شام چمن نے کھودیا
بت پرستوں پر کیا ثابت یہ تونے جنگ میں
مسلم ہندی قیامت ہے حجازی رنگ میں
عین بیداری ہے یہ خواب گراں تیرے لئے
ہے شہادت اک حیات جاوداں تیرے لئے
تو بدستور اب بھی زندہ ہے حجاب گور میں
جذب ہوکر رہ گیا ہستی پر شور میں

پندرھواں باب

سقوط سری رنگا پٹنم کے بعد کے مختلف واقعات

سلطانی دولت جو دشمنوں کے ہاتھ لگی

انگریزوں کو اندازہ تھا کہ سلطان کے محل میں غیر معمولی دولت ہیرے جواہرات اور نقدی وغیرہ کی شکل میں موجود ہے اسی لئے انہوں نے سلطان کی شہادت کے فوراً بعد اس کے محل میں اپنے سپاہیوں کا پہرہ بٹھادیا تھا لیکن فتح کی خوشی اور مال غنیمت کی حرص میں انگریز سپاہیوں میں سے ہر کوئی بے قابو ہورہا تھا چنانچہ پہرہ کے باوجود خفیہ راستوں سے کئی لوگ اندر گھس کر دولت لوٹنے میں کامیاب ہوگئے کرنل ویلزلی نے جب اپنے سپاہیوں کی بے چینی کو دیکھتے ہوئے محل کو باقاعدہ کھول کر سلطانی دولت کا حساب لگایا تو خود اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جنگ سے پہلے ہیرے، جواہرات اور سونے کے زیورات وغیرہ صندوقوں میں مقفل کر کے سرکاری مہروں کے ساتھ تہ خانوں میں چھپائے گئے تھے نقد پچاس لاکھ روپئے قیمتی کتب خانہ، سونے چاندی کے برتن، تخت شاہی، چاندی کا ہودہ ہاتھی کے قیمتی دانت، ہیرے جڑی ہوئی تلواریں، ریشم اور ململ کے بے شمار تھان اور بے حساب عمدہ قالین وغیرہ اس کے علاوہ تھے صرف ریشمی وململ کے کپڑوں کے اتنے ڈھیر تھے کہ ماڈرن میسور کے مصنف کے مطابق ان کے اٹھانے کے لئے پانچ سو اونٹ درکار تھے شاہی گودام میں غلہ اس قدر تھا کہ اگر سلطان زندہ رہتا تو پورے محل کے لوگوں کیلئے گیارہ سال تک کافی ہوتا اسلحہ میں اعلیٰ قسم کی ساٹھ ہزار بندوقیں بارہ ہزار گولے پانچ لاکھ گولیاں اور ۹۲۰ گولوں کے علاوہ بے حساب گولہ بارود اور دوسرا فوجی ساز و سامان تھا سلطان کی پگڑی اور اس کی ایک تلوار سابق

گورنر جنرل کارنواس کو بھیجی گئی قیمتی ہیرے جڑے ایک خالی صندوق کی قیمت ۵۰ لاکھ روپے لگائی گئی ایک بازو بند جو ایک گورے کے ہاتھ لگ گیا تھا اس نے جب اس کو ایک ڈاکٹر کے ہاتھ فروخت کیا تو اس ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اس کو اس سے سالانہ ایک لاکھ روپئے کی آمدنی ہوگئی جب ایک انگریز سپاہی نے شاہی محل سے چند معمولی کپڑے چرائے تو اس میں کچھ ہیرے، جواہرات جڑے ہوئے تھے اس کو اس وقت برطانیہ میں چالیس ہزار پونڈ میں فروخت کیا گیا اس پوری جنگ کے ہیرو لارڈ ویلزلی کے حصہ میں جو ٹیپو کی تلوار ہیرے کا ایک تمغہ اور کچھ زیورات آئے تو اس کی قیمت بھی کروڑوں روپئے تھی جنگ میں شریک سپاہیوں میں کمپنی کی طرف سے باقاعدہ تقسیم کئے گئے مال غنیمت کی قیمت کا اندازہ نو کروڑ روپئے لگایا گیا صرف جنرل ہارس کو ۹۳ لاکھ روپئے کا مال غنیمت دیا گیا اس کو ملے صرف ایک ہار کی قیمت ہی اس وقت چھ لاکھ روپئے تھی حیدر آبادی سپاہیوں میں تقسیم کے لئے ان کے کمانڈر میر عالم کو صرف ایک لاکھ پگوڈا دیا گیا جو مجموعی طور پر انگریزوں میں تقسیم ہونے والے مال غنیمت کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتا تھا جب میر عالم نے ویلزلی سے اسکی شکایت کی تو اس نے کہا کہ اس کے پاس مزید کچھ نہیں رہ گیا ہے اگر وہ چاہے تو سلطانی محل میں موجود شیروں کو مال غنیمت کے طور پر لے سکتا ہے جب میر عالم نے اس کو لینے سے انکار کیا تو ان خونخوار شیروں اور چیتوں کو انگریز سپاہیوں نے گولیوں سے اڑادیا البتہ اس میں سے تین چیتے برطانیہ کے شاہ جارج سوم کو تحفتاً بھیجے گئے شہادت کے وقت سلطان کے گلے میں موجود موتیوں سے جڑا قیمتی ہار تلاش بسیار کے باوجود انگریزوں کو نہیں مل سکا اس کو سلطان کے بے وفا

غلام راجہ خان نے شہادت کے فوراً بعد نکال کر اپنے پاس رکھ لیا تھا یہ تو کئی دنوں کے بعد کمپنی کی طرف سے اس کے سپاہیوں میں تقسیم کئے جانے والے مال غنیمت کا اندازہ تھا لوٹ مار کے ذریعہ ان لوگوں نے فرداً فرداً جو دولت جمع کی اس کا تو کوئی شمار ہی نہیں تھا۔

تخت شاہی

مال غنیمت میں سب سے۔ قیمتی اور قابل دید انگریزوں کے لئے سلطان کا تخت شاہی تھا جس کو اس نے خلیفہ روم سے باقاعدہ اپنی بادشاہت کی توثیق کرانے کے بعد ماہر کاریگروں سے اپنی ذاتی نگرانی میں بنوایا تھا یہ تخت شیر کی شکل کا تھا آٹھ فٹ لمبے اور پانچ فٹ چوڑے اس شاہی تخت کو لکڑی سے بنے چار شیروں کی پشت پر بنایا گیا تھا جس پر سونے کی چادر چڑھی ہوئی تھی اس کے دونوں جانب چاندی کے چھوٹے چھوٹے زینے تھے اس کی چھتری پر سنہرے تاروں میں پروئی ہوئی موتیوں کی جھالر تھی اور سب سے اوپر سونے سے بنا ہما کی شکل کا پرندہ تھا تخت کے چاروں طرف قیمتی ہیرے۔ جواہرات سے جڑے دس چھوٹے چھوٹے شیر بھی تھے دور سے دیکھنے پر یہ تخت شیر نما معلوم ہوتا تھا سلطان جب اس پر جلوہ فروز ہوتا تو ایسا لگتا تھا کہ کبوتر کے برابر یہ چھوٹا سا ہما پرندہ اس کے سر پر سایہ فگن ہے ٹیپو کی شہادت کے بعد جب یہ تخت انگریزوں کے ہاتھ لگا تو انہوں نے سب سے پہلے اس میں لگے سونے کے دو شیر نکال کر بادشاہ کی خدمت میں لندن بھیج دیئے اس کے بعد اس تخت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کو اعلیٰ فوجی افسران میں تقسیم کیا گیا ہر ایک کے حصہ میں ایک ہزار آٹھ سو پونڈ مالیت کے ٹکڑے آئے۔

سلطان کے اہل خانہ کی نظر بندی

ٹیپو کی شہادت کے وقت بڑا شہزادہ فتح حیدر مع ایک فوجی دستہ کے جس میں ایک سو بیس فرانسیسی سپاہی بھی شامل تھے شہر سے باہر کاری گھاٹ میں تھا سلطان کی شہادت کی اطلاع سن کر وہ وہاں سے رائے پٹن چلا گیا ابھی تک صرف دار السلطنت اور دوسرے چند چھوٹے چھوٹے قلعوں ہی پر دشمنوں کا قبضہ ہوا تھا سلطنت کے دوسرے علاقے چتل درگ اور سرا وغیرہ بدستور یسوریوں ہی کے قبضہ میں تھے لیکن اہل میسور سلطان کی شہادت سے دل برداشت ہو کر دشمنوں کی مزاحمت سے باز آگئے تھے اور مقابلہ کی روح ان میں باقی نہیں تھی سقوط سری رنگا پٹنم کے ساتھ ہی انگریزوں نے سلطان کے پورے شاہی خاندان کو نظر بند کر دیا اس میں گیارہ شہزادے فتح حیدر کو چھوڑ کر ایک شہزادی داماد حیدر حسین خان بیوی سلطان بیگم حیدر علی کی بیوی بخشی بیگم چھوٹے بھائی کریم شاہ ان کے دو فرزند صفدر شکوہ المعروف بہ غلام علی اور نواب حیدر المعروف بہ امام بخش اور محل کی دیگر خواتین شامل تھیں جہاں تک سلطان کی حقیقی والدہ کا سوال ہے اتنا طے ہے کہ وہ اس وقت زندہ تھی اور شہر سے باہر تھی لیکن اپنے فرزند کی شہادت کے بعد وہاں سے کہاں چلی گئی اور اس کا کیا حال ہوا اس کی تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتیں سلطان کی پہلی بیوی رقیہ بیگم کا ۱۷۹۰ء میں انتقال ہو گیا تھا ادھر رائے پٹن میں بڑے شہزادہ فتح حیدر کو سلطان کے وفاداروں نے جس میں سر فہرست ملک جہا ل خان اور ناصر علی میر میراں تھے یہ مشورہ دیا کہ وہ ان کے ساتھ بغیر کسی تاخیر کے

چتل درگ چلا جائے اور وہاں سے دوبارہ انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کی جائے اس لئے کہ اب بھی سلطنت کے بہت سارے علاقے بدستور ان ہی کے قبضہ میں ہیں اس جنگ سے ان کو کم از کم بچایا جاسکتا ہے لیکن انگریزوں کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً پورنیا اور میر قمرالدین کو شہزادہ فتح حیدر کے پاس روانہ کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دے تو اس کے والد کی جگہ اس کو دوبارہ بحال کیا جائے گا اگرچہ شہزادہ کو ملک جہاں خاں کی تجویز پسند تھی لیکن اس کو خدشہ تھا کہ اس کے ہتھیار نہ ڈالنے سے انگریز اس کے نظر بند گھر والوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ سکتے ہیں اس لئے ان کی سلامتی اور حفاظت کے پیش نظر اس نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا جس کے بعد انگریزوں نے چتل درگ اور سرا سمیت پوری سلطنت پر اپنا قبضہ مکمل کرلیا۔

شاہی خاندان کی جلاوطنی

سقوط سری رنگا پٹنم کے صرف ایک ماہ بعد ہی کمپنی نے اس خوف سے کہ کہیں یہ شاہی خاندان دوبارہ ان کے اقتدار کے لئے مسائل نہ پیدا کرے ۱۸/جون ۱۷۹۹ء کو سلطان کے پورے اہل خاندان کو جس کی تفصیلات اوپر گذر چکی ہیں ویلور جلاوطن کردیا اور ان کے اخراجات کے لئے فی کس دس ہزار پگوڈا کے حساب سے سالانہ دو لاکھ چوبیس ہزار پگوڈا یعنی تقریباً ساڑھے سات لاکھ روپے وظیفہ اور ان کی نگرانی کے لئے ایک انگریز ریذیڈنٹ بھی مقرر کردیا ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۸۰۵ء میں یہاں حیدر علی کی بیوی بخشی بیگم کا انتقال ہوگیا اور وہیں اس کی تدفین بھی عمل میں آئی[1] آٹھ سال کے بعد ۱۸۰۷ء میں جب انگریزوں کے

[1] صحیفہ ٹیپو سلطان از محمود خان بینگلوری

خلاف فوجی بغاوت ہوئی تو ان کو شبہ ہوا کہ اس میں ٹیپو کے جلاوطن شہزادوں کا بھی ہاتھ ہے اس لئے ان کو وہاں سے کلکتہ بھیج دیا گیا پہلے تو ان کو وہاں شہر کے ڈائمنڈ ہاربر روڈ پر نظر بند رکھا گیا پھر وہاں سے ٹالی گنج میں جس کا اس وقت نام رشا پگلا تھا آباد کیا گیا یہاں اپنی نظر بندی کے دوران انہوں نے کئی قطعات اراضی خریدیں اور دو عالیشان مسجدیں بھی تعمیر کیں پہلی مسجد ۱۲۵۱ھ مطابق ۱۸۳۵ء میں ٹالی گنج میں اور دوسری مسجد ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں دھرمتلہ اسٹریٹ میں تعمیر کی گئی اس کے علاوہ مسجد امام باڑہ و کالی گھاٹ میں مسلمانوں کے لئے ایک قبرستان بھی انہوں نے وقف کردیا تھا جو میسور خاندان قبرستان کے نام سے مشہور تھا پرنس انور شاہ روڈ پر واقع مسجد کے احاطہ کے بلند چبوترہ پر ٹیپو کی اہلیہ سلطان بیگم اور شہزادہ غلام محمد کی مع دو اہلیہ کی قبریں اب بھی موجود ہیں[1]

غیور سلطان کی اولاد کی بے بسی و کسمپرسی

کلکتہ میں آج بھی یہ خاندان بڑی کسمپرسی و بے بسی کے عالم میں زندگی گذار رہا ہے شہر کی تنگ گلیوں کے خستہ مکانات میں رہنے والے اس شاہی خاندان کے ارکان اپنی باعزت زندگی گذارنے کے لئے مصدقہ روایات کے مطابق سائیکل رکشہ چلانے سے بھی نہیں شرما رہے ہیں چند سالوں قبل اس خاندان کی افلاس و غربت کی خبریں سن کر اور ان کی دلخراش تصویریں اخبارات میں

[1] سوینیر ۱۹۹۳ء از انجمن فلاح مساجد مغربی بنگال

دیکھ کر مغربی بنگال ہائی کورٹ کے جسٹس خواجہ یوسف اور جسٹس اجیت کمار سین گپتا نے ان کے لئے سرکار کی طرف سے ماہانہ ایک ایک ہزار روپیہ وظیفہ جاری کرنے کا حکم دیا تھا اس کے بعد اس وقت کی کرناٹک کی سرکار نے بھی میسور بینگلور اور سری رنگا پٹنم میں اس خاندان کی سرکاری اخراجات پر دوبارہ باز آباد کاری کا منصوبہ بنایا تھا لیکن اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ خود انکے والد و دادا کے خون سے سینچی ہوئی اس سرزمین پر انکو آباد کرنے کی کوششوں کو خود یہاں کے عوام کی دلی خواہش و تمنا کے باوجود کیوں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ حالانکہ اب بھی سری رنگا پٹنم میسور اور بینگلور وغیرہ میں اس شاہی خاندان کی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ایکڑ زمین اور مختلف محلات وغیرہ حکومت کے قبضہ میں ہیں۔

حکومت کا اگلا نظم و نسق

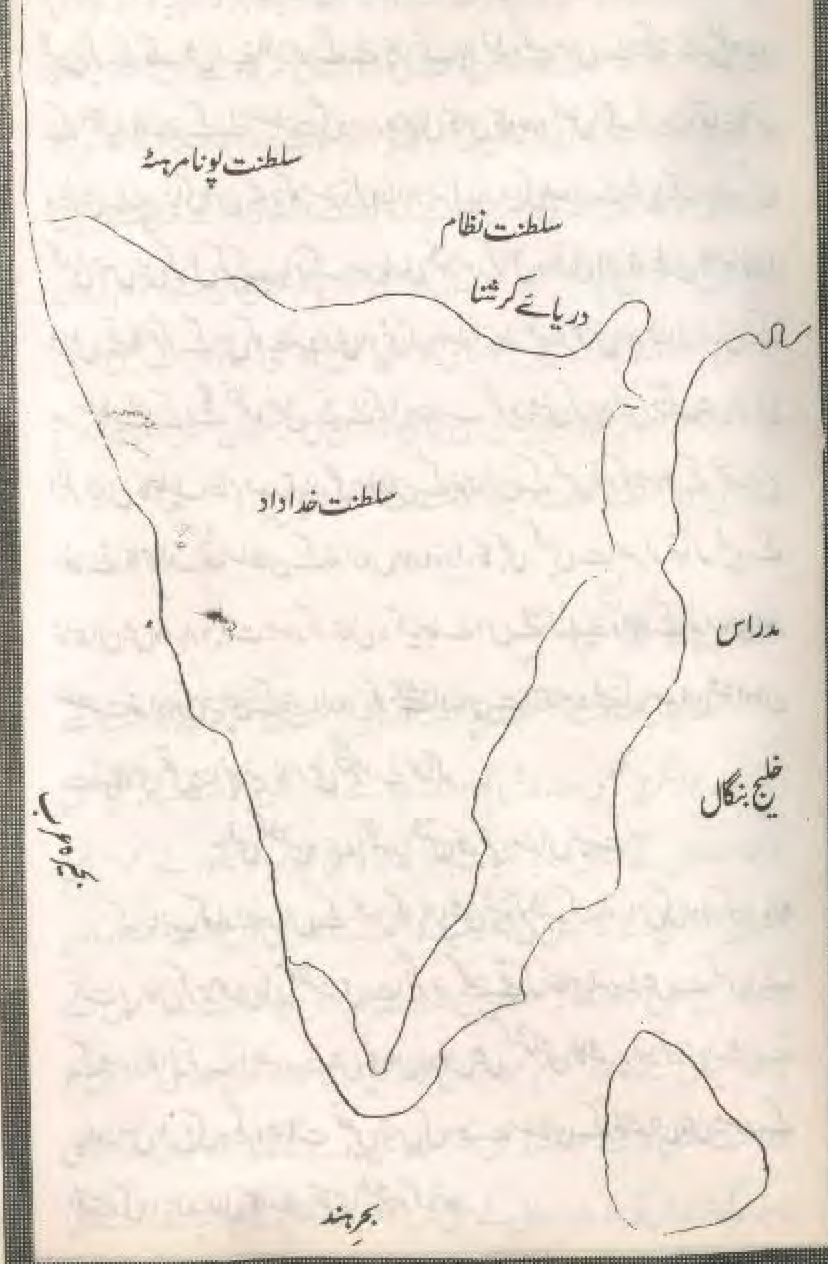
سلطان کی شہادت سلطنت پر قبضہ اور مال غنیمت کی تقسیم کے بعد سب سے اہم مسئلہ جو انگریز کمپنی کو درپیش تھا وہ آنے والے دنوں میں حکومت کے نظم و نسق کا تھا سلطان کے سابق وزیر مالیات اور غدار وطن پورنیا کو میسور کے عوام میں سلطان اور اس کے خاندان کی مقبولیت و محبوبیت کا اچھی طرح اندازہ تھا اور وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ سلطان کی شہادت اور اس کی حکومت کے زوال کے باوجود یہاں کے ہندو مسلم عوام اس خاندان کے علاوہ کسی اور کی حکمرانی کو برداشت نہیں کر سکتے خود ہندو بھی اکثریت میں ہونے کے باوجود یہاں کے سابق راجہ کے خاندان کی دوبارہ بحالی کے حق میں نہیں تھے اس لئے پورنیا نے رائے دی

کہ سلطان کے خاندان ہی کے کسی فرد کو میسور کے تخت پر بٹھادیا جائے چاہے اس کے بعد انگریز مملکت کے اہم قلعوں میں اپنی افواج کو برقرار کیوں نہ رکھیں لیکن انگریز اس تجویز کو قبول کر کے ملک میں اپنے اقتدار کے لئے پھر ایک بار خطرہ کیسے مول لے سکتے تھے فتح حیدر کے ہتھیار ڈالنے کے لئے سلطنت کی دوبارہ بحالی کا ان کا وعدہ محض ایک فریب تھا چنانچہ ویلزلی نے پورنیا کی اس تجویز کو مسترد کر دیا اور جنرل ہارس کی صدارت میں ایک چار رکنی کمیٹی جس میں کرنل کرک پیاٹرک سر باری کلوز اور کرنل ویلزلی (لارڈ ویلزلی کا بھائی) شامل تھے قائم کر کے اس کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ جلد از جلد غور و خوض اور تبادلہ خیال کے بعد سلطنت کے اگلے نظم و نسق کے لئے کوئی مناسب تجویز پیش کریں اس جنگ میں شامل انگریزوں کا حلیف نظام حیدر آباد بھی سلطان کے خاندان کے کسی فرد کو میسور کے تخت پر بٹھانے کا مخالف تھا سلطان کے غداروں اور وزراء کا بھی کمپنی سے اصرار تھا کہ ٹیپو کے خاندان میں دوبارہ تخت میسور کو بحال نہ کیا جائے اس لئے کہ اپنے والد کے غداروں اور سلطنت خداداد کی تباہی کے ذمہ داروں کو بخشنے اور ان سے انتقام نہ لینے کی امید ان شہزادوں سے بیکار ہی تھی چنانچہ میر غلام علی لنگڑا نے کہا کہ

"افعی کشتن و بچہ را نگہداشتن کار خردمنداں نیست"

کہ سانپ کو مارنا اور اس کے بچوں کو پالنا یعنی ٹیپو کو شہید کرنا اور اس کی اولاد کو دوبارہ تخت پر بحال کرنا کہاں کی عقلمندی ہے انگریز سمجھتے تھے کہ نظام یا مرہٹہ میں سے کسی ایک کے میسور حوالہ کرنے کی صورت میں خود ان دونوں میں کشمکش کا شدید اور فوری امکان ہے یہ اور اس طرح کی دیگر وجوہات تھیں جس کی وجہ سے سلطان کے خاندان میں میسور کے اقتدار کی دوبارہ بحالی کا امکان تقریباً ختم ہو گیا تھا۔

عہد ٹیپو میں سلطنت خداداد کی وسعت



ہندو خاندان کی بحالی

بالآخر کئی دن کے غور و خوض کے بعد کمیشن نے لارڈ ویلزلی سے سفارش کی کہ خود انگریزوں کے حق میں بہتر ہے کہ بہت ساری مصلحتوں کے پیش نظر حکومت کی باگ ڈور سلطان کے خاندان کو دوبارہ سونپنے کے، بجائے میسور کے قدیم ہندو حکمراں خاندان ہی کو سونپ دی جائے اس طرح میسور کے ہندو مسلم عوام میں نفرت کے بیج بھی بوئے جاسکیں گے اور ان کی آپسی کشمکش کی وجہ سے دوبارہ ان کے متحد ہو کر انگریزوں کے خلاف کسی فوجی کارروائی کا امکان بھی نہ ہونے کے برابر ہو گا چنانچہ ویلزلی نے کمیشن کی سفارش کے مطابق ۳۰/ جون ۹۹ء کو سابق راجہ کے پانچ سالہ لڑکے کرشنا راج سوم کو تخت میسور پر بٹھا دیا جس کی حکومت میسور کے نواح میں صرف چند اضلاع ہی تک محدود تھی اور وہ کمپنی کا ایک بے بس مہرہ تھا سارا اختیار اب بھی کمپنی ہی کے ہاتھ میں تھا اس راجہ اور اس کے وزراء کی حیثیت برائے نام ہی تھی۔

غداری کا صلہ

سلطنت خداداد کے سابق وزیر مالیات پورنیا کو اس کی غداری کے صلہ میں میسور کے پانچ سالہ برہمن راجہ کرشنا راج سوم کا دیوان یعنی وزیر اعظم مقرر کیا گیا لیکن جب خود راجہ امور سلطنت میں با اختیار نہیں تھا تو اس کے نائب کے اختیارات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا میر قمرالدین کو حسب وعدہ اپنے آقا سے

احسان فراموشی کے عوض گرم کنڈہ کی جاگیر دی گئی میر معین الدین اور میر صادق تو دوران جنگ ہی ذلت کی موت مر چکے تھے اس لئے ان کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کی اولاد کو ان کے سابقہ مناصب کے لحاظ سے دوبارہ سرکاری عہدے دئے گئے اور ان کے خاندانوں میں جاگیریں تقسیم کی گئیں اس کے علاوہ مختلف دیگر افسران حکومت پر بھی انگریزوں کی طرف سے انعامات کی بارش کی گئی جنہوں نے سلطان سے غداری کرتے ہوئے اس کی حکومت کو ختم کرنے میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔

سلطنت کی بندر بانٹ

سلطان کے خاندان کی ویلور جلاوطنی اور سابق راجہ کے ہندو خاندان کی برائے نام میسور کے تخت پر بحالی کے بعد انگریزوں نے مقبوضہ علاقوں کی بھی تقسیم کر دی مرہٹہ چونکہ اس جنگ میں غیر جانبدار تھے اور ٹیپو کے خلاف ان کے ساتھ شریک نہیں تھے اس لئے ان کے حصہ میں کچھ نہیں آیا البتہ ان کو صرف اس شرط پر دریائے تنگ بھدرا کے شمالی علاقے دینے کی بات کی گئی کہ وہ سب سی ڈیاری یعنی انگریزی فوج اپنے یہاں رکھنے کی ان کی تجویز کو قبول کریں لیکن انہوں نے پھر ایک بار اس تجویز کو مسترد کر دیا جس کے بعد یہ علاقے کمپنی اور نظام میں بانٹ دئے گئے اب حسب وعدہ نظام کو مقبوضہ علاقوں میں سے نصف حصہ برابری کی بنیاد پر ملنا چاہئے تھا لیکن انگریز پھر ایک بار اپنی فطرت سے مجبور ہو کر اپنے معاہدہ سے مکر گئے اور نظام سے کہنے لگے کہ جنگ میں فتح ہم نے صرف اپنے بل بوتہ پر حاصل کی ہے پھر بھی اپنی وسعت قلبی کی وجہ سے کچھ علاقے آپ کو دے رہے ہیں چنانچہ چتل درگ

کا کچھ علاقہ بلاری، گوٹی، کڑپہ، گرم کنڈہ، کرنول اور اننت پور کے علاقے نظام کو دئے گئے جو صرف ایک سال کے اندر انگریزوں نے ۱۸۰۰ء میں ان سے واپس بھی لے لئے میسور کے تیرہ لاکھ روپئے سالانہ آمدنی کے چند اضلاع راجہ کے خاندان کو دئے گئے لیکن اس میں بھی انکی تجارتی و فوجی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لئے ایک انگریز ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا اور ان کو سالانہ سات لاکھ پگوڈا خراج کمپنی کو دینے کا پابند کیا گیا اقتدار کے لالچ میں اس ہندو خاندان نے انگریزوں کی ہر شرط کو قبول کر لیا راجہ اور نظام کے مذکورہ علاقوں کے علاوہ سلطنت خداداد کے باقی تمام علاقے پائیں گھاٹ کوئمبتور پوری مغربی ساحلی پٹی بشمول سری رنگا پٹنم کمپنی نے اپنے پاس ہی رکھے۔

کمپنی کا جشن فتح

مقبوضہ علاقوں کی تقسیم اور نظم و نسق کی بحالی کے بعد جب دوسرے سال گورنر جنرل لارڈ ویلزلی کلکتہ پہنچا تو وہاں جشن فتح منایا گیا اور ایک شاندار جلوس نکالا گیا جو کمپنی کی ہندوستان آمد کے بعد ان کا سب سے بڑا اور تاریخی جلوس تھا چھوٹے بڑے تمام افسران کو خصوصی انعامات اور تمغوں سے نوازا گیا سقوط سری رنگا پٹن میں نمایاں کارناموں کی وجہ سے لارڈ ویلزلی کو مارکوئس اور جنرل بارس کو لارڈ بارس آف سری رنگا پٹنم کا خطاب دیا گیا۔

سولھواں باب

سلطان کا حلیہ معمولات اور اولاد

حلیہ

سلطان کے معاصرین عام طور پر اس کا جو حلیہ بیان کرتے ہیں اس کے مطابق وہ میانہ قد تھا جب کہ بعض مؤرخین نے اسے دراز قد لکھا ہے انگریز میجر آلن کا جو میسور کی چوتھی اور فیصلہ کن جنگ میں شریک تھا بیان ہے کہ سلطان کا قد ۵ فٹ اور ۸ انچ تھا میر حسین علی کرمانی جو اس کا معاصر ہے لکھتا ہے کہ اس کے شانے ابھرے ہوئے تھے اور گردن چھوٹی لیکن موٹی تھی آنکھیں بڑی بڑی اور روشن تھیں رنگ گندمی تھا ہاتھ پیر نسبتاً چھوٹے لیکن نازک، ناک خمیدہ اور عقابی اور شانے ابھرے ہوئے تھے گردن پر بل پڑتے تھے چہرہ بارعب تھا جس سے وہ عام لوگوں میں بھی ممتاز و نمایاں معلوم ہوتا تھا چہرہ کے خدوخال نہایت نازک تھے جس سے وہ بڑا حسین معلوم ہوتا تھا اس کی صحت دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ہمیشہ اچھی رہتی تھی امجد علی اشہری نے جنہوں نے خود تو سلطان کو نہیں دیکھا لیکن سلطان کے بعض شہزادوں سے جن کی ملاقات تھی اپنی کتاب سوانح سلطان ٹیپو میں لکھا ہے کہ اس کا جسم دوہرا تھا[1] نشان حیدری کے مصنف کے مطابق سلطان ٹیپو کے چہرہ پر بال نہ ہونے کے برابر تھے اسی لئے وہ اس پر استرا پھیرتا تھا شاید اس لئے کہ دوبارہ بال آسکیں لیکن وہ اپنے والد کے برعکس اپنی آبرو کو صاف نہیں کرتا تھا اسکی مونچھیں بھی تھیں[2] ہمیشہ شرعی لباس پہننے کا عادی تھا عام طور پر سادہ اور ڈھیلا لباس پہنتا تھا البتہ طبیعت میں بڑی نفاست تھی اکثر سفید رنگ کی صدری جسم پر

---

[1] سوانح سلطان ٹیپو از امجد علی اشہری [2] نشان حیدری از کرمانی

ضرور ہوتی تھی عام حالات میں قمیص پر جس میں ہیرے کے بٹن ٹکے ہوتے سفید عبا ہوتی پاجامہ کی جیب میں گھڑی رہتی چمڑے کے جوتوں کو زیادہ پسند کرتا تھا سر پر ہمیشہ سرخ یا زردی مائل عمامہ ہوتا جس میں سنہرے تار کے علاوہ ہیرے کی کلغی بھی ہوتی خوبصورتی کے لئے اس پگڑی کی دونوں جانب ریشم کے گچھے لٹکتے شہادت سے کچھ سال پہلے علماء کی ہدایت پر اس نے سرخ کے بجائے سبز عمامہ پہننا شروع کر دیا تھا ٹڈی کے نیچے ہمیشہ سفید رومال رہتی تھی سفر میں اکثر ایسا زری کا کوٹ پہنتا جس پر شیر ببر کی کھال کی طرح دھاریاں بنی ہوتیں[1] طبیعت میں اس قدر حیا تھی کہ اس کے سینہ تک کو خود محل کے اندر اس کے بچوں میں سے کسی نے بھی کھلا ہوا نہیں دیکھا عام لوگوں میں سے کسی نے سلطان کے ہاتھ پیر اور چہرہ کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہیں پایا خود اس کی بیگم کا بیان تھا کہ غسل خانہ میں بھی وہ اپنے پورے جسم کو چھپائے رکھتا تھا سیدھے ہاتھ کے بازو پر ہمیشہ ایک ایک تعویذ بندھی رہتی تھی جس میں چند قرآنی آیات تحریر ہوتیں کمر میں ہمیشہ شمشیر بند کے اندر اس کی خاص تلوار رہتی تھی اس کے علاوہ کمر پر سنہرے رنگ کا پٹکا رہتا تھا مندرجہ بالا باتوں کی اجمالی تصدیق میجر آلن کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے جو اس نے سلطان کی لاش کو دیکھ کر اپنے نوٹ بک میں لکھی تھی وہ لکھتا ہے کہ

"سلطان کی زمین پر پڑی لاش کا جب میں نے معائنہ کیا تو دیکھا کہ اس کے بدن پر سفید قمیص اور پھولدار ڈھیلا پاجامہ ہے کمر پر سرخ رنگ کا ایک کپڑا باندھے ہوئے ہے دائیں

[1] تاریخ ٹیپو سلطان از محب الحسن

بازو پر ایک تعویذ ہے جس کو کھولنے پر معلوم ہوا کہ عربی و فارسی میں چاندی جیسی ایک دھات پر کچھ لکھا ہوا ہے۔"

سلطان کا استعمال کردہ لباس یعنی ایک کرتہ و پاجامہ اب بھی سری رنگا پٹنم کے دریا دولت باغ کے میوزیم میں موجود ہے جس کو دیکھنے سے سلطان کے قد لباس کے ذوق اور جسم کی ساخت وغیرہ کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

معمولات یومیہ

جنگ کے حالات ہوں یا امن کے ایام سلطان ہمیشہ علی الصباح بیدار ہونے کا عادی تھا غسل کے بعد نماز فجر محل سے متصل مسجد اعلیٰ ہی میں جماعت کے ساتھ ادا کرتا تھا اس کے بعد ایک گھنٹہ تلاوت کلام پاک میں مصروف رہ کر کچھ دیر ورزش بھی کرتا تھا جس کے بعد ہلکا سا ناشتہ ہوتا جس میں عام طور پر پرندوں کا گوشت وغیرہ ہوتا پھر کچھ دیر بعد دربار میں حاضر ہوتا جہاں فوج کے اعلیٰ افسران سے مختصر ملاقات ہوتی اس دوران اس کے ہاتھ میں برابر تسبیح بھی رہتی جس سے وہ اپنے روزانہ کے اوراد و وظائف پورا کرتا دربار سے سیدھے محل کے ان کمروں میں جاتا جہاں قیمتی ہیرے جواہرات وغیرہ رکھے ہوتے اس کی حفاظت پر مامور لوگوں سے اس کے بارے میں اطمینان حاصل کرلینے کے بعد ان کو مختلف ہدایات دے کر چہل قدمی کے لئے نکلتا تھوڑی دیر سیر کر کے پھر واپس دربار میں آتا جہاں اپنے چند اعلیٰ افسران اور ۲/۳ شہزادوں کے ساتھ مل کر ناشتہ کرتا جس میں عام طور پر پھل دودھ کے علاوہ اخروٹ بادام وغیرہ ہوتے ناشتہ کے دوران ہی ماضی کے تجربات کو

سامنے رکھتے ہوئے مستقبل قریب کے لئے فوجی منصوبے تیار کئے جاتے اور مختلف محکموں کے سکریٹریوں کے نام ہدایات پر مشتمل خطوط بھی املا کرائے جاتے اس کے بعد فوج کا معائنہ کرتے ہوئے دوبارہ دربار میں پہنچتا اعلیٰ افسران اس موقع پر حاضر ہوتے پھر ڈاکیہ حاضر ہو کر خطوط و عرضیوں پر مشتمل ایک تھیلا پیش کرتا جس کو وہیں کھولا جاتا مختلف شعبوں کے ذمہ داران بھی حاضر ہو کر گذشتہ روز کی کارروائی سناتے ان کے مالی حسابات کو سلطان خود دیکھتا عام طور پر خطوط فارسی، اردو، کنڑ اور تیلگو وغیرہ میں ہوتے اسی کے حساب سے دربار میں ان زبانوں پر عبور رکھنے والے سکریٹری مقرر تھے جو اپنے حصوں کے خطوط نکال کر باری باری سلطان کو سناتے جس کے بعد وہ اسی وقت مطلوبہ زبانوں میں جوابات خود املا کراتا تھا یہ سلسلہ دوپہر کے ڈھائی تین بجے تک چلتا رہتا تھا عام لوگ اپنی درخواستیں دربار میں موجود ایک عرضی بیگ کے ذریعہ سلطان کی خدمت میں پیش کرتے تھے جب دربار برخواست ہوتا تو سلطان اپنے حجرہ میں آکر ظہر کی نماز ادا کرتا دوپہر کے کھانے کا معمول نہیں تھا دن میں صرف دو وقت غذا صبح ناشتہ اور شام کے کھانے کا عادی تھا نماز ظہر کے بعد آرام کئے بغیر شہر کے فوجی اسلحہ کے کارخانوں میں جا کر خود اس کا معائنہ کرتا فوج کا جائزہ لیتا اور ان کے لئے پیش آمدہ مسائل میں فوری احکام بھی جاری کرتا اگر اس دن دارالسلطنت کے قلعہ کی مرمت و اصلاح چل رہی ہوتی تو اس کو بھی دیکھتا عصر کی نماز پڑھ کر بازار کا رخ کرتا جہاں سے محل کو واپسی مغرب کے بعد ہی عام طور پر ہوتی تھی بعد مغرب محل میں پھر دربار لگتا بقیہ خطوط کی پیشی ہوتی اس کے جوابات لکھوائے جاتے یہاں تک کے رات کے کھانے کا

وقت آجاتا رات کے کھانے پر بھی کچھ افسران فوج وزراء سلطنت اور بعض شہزادے سلطان کے ساتھ شریک دستر خوان ہوتے کھانے کے دوران اکثر و بیشتر علمی و دینی گفتگو چلتی اچھے اشعار سنائے جاتے یا کوئی دینی کتاب پڑھوائی جاتی کھانے سے فارغ ہو کر تنہا چہل قدمی کے لئے نکلتا عشاء کی نماز کے بعد اپنے کمرہ میں آکر بستر پر لیٹ جاتا اور جب تک نیند نہیں آتی کسی کتاب کا مطالعہ کرتا رہتا تھا علی الصباح بیداری سے لے کر رات کو بستر پر جانے تک وہ کسی بھی وقت آرام نہیں کرتا بلکہ روزانہ مسلسل ۱۶ گھنٹے مصروف ہی رہتا ۱۷۸۶ء میں ایک دفعہ تربیت علی خاں نائطہ نے سلطان کو شکایتی خط لکھا کہ خطوط کے جوابات بہت تاخیر سے دئے جاتے ہیں اس پر سلطان نے اس کو لکھا کہ آپ لوگوں کو سوائے سونے کھانے اور خوش گپیوں کے کوئی کام نہیں ہم صبح سے رات گیارہ بجے تک مسلسل امور سلطنت میں مصروف رہتے ہیں اور جب بھی فرصت ملتی ہے خطوط کے جوابات لکھے جاتے ہیں جب کسی دن سلطان بہت تھک جاتا تو آرام کرنے کے بجائے دربار ہی میں لوگوں سے تفنن طبع کے لئے قصے یا لطیفے سنتا تھا عام لوگوں کی طرح اس کے پاس تفریحی مشاغل کے لئے وقت ہی نہیں تھا اور وہ دوسروں کے لئے اس کو پسند بھی نہیں کرتا تھا ناچ گانے اور رقص و سرور کی محفلوں کے لئے اس کے پاس گنجائش ہی نہیں تھی وہ خود اپنے ہاتھ سے فارغ اوقات میں اپنا روزنامچہ لکھتا تھا جس میں عام طور پر رات میں دیکھے جانے والے خوابوں کی تفصیلات اور اس کی تعبیر ہوتی تھی اپنی اس ذاتی ڈائری کو سلطان بڑی حفاظت سے دوسروں بلکہ خود اپنے گھر والوں کی نظروں سے بھی چھپائے رکھتا تھا۔

اولاد اور دیگر اہل خاندان

جیسے کہ پچھلے صفحات میں سلطان کی شادی کے باب میں یہ بات گذر چکی ہے کہ ۱۷۷۴ء میں ۲۴ سال کی عمر میں سلطان کی شادی ایک ہی رات میں صرف ایک گھنٹہ کے وقفہ سے بیک وقت امام بخشی صاحب نائطہ کی لڑکی سلطان بیگم اور لالہ میاں کی بیٹی یعنی شیخ برہان الدین کی ہمشیرہ رقیہ بیگم کے ساتھ ہوئی تھی کس پس منظر میں سلطان کو بیک وقت یہ دونوں شادیاں کرنی پڑی اس کی تفصیلات بھی گذر چکی ہیں ۱۷۹۰ء میں جب کسی بیماری سے رقیہ بیگم کا انتقال ہو گیا تو سلطان نے سید معین الدین کی بیٹی خدیجہ زماں بیگم سے تیسرا نکاح کیا لیکن دو سال بعد ۱۷۹۷ء میں جب اس کو بچہ ہوا تو اسی وقت زچہ و بچہ دونوں کا انتقال ہو گیا اس طرح ۱۷۹۹ء میں اس کی شہادت کے وقت صرف ایک بیوی سلطان بیگم زندہ تھی سلطانی محل میں چونکہ مختلف کاموں کے لئے ۹۳ خادمائیں بھی تھیں اس لئے انگریز مورخین اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ یہ سب سلطان کے حرم میں داخل تھیں حالانکہ پارسائی و تقویٰ میں سلطان کے دیگر سلاطین پر امتیاز کی وجہ سے اس کی ذات سے یہ بات بعید تھی کہ وہ بغیر نکاح کے ان میں سے کسی سے جسمانی تعلق قائم کرتا سلطان کی شہادت کے وقت سلطان کی والدہ ایک بیوی سلطان بیگم بھائی کریم شاہ اکلوتی لڑکی اور رقیہ بیگم و سلطان بیگم سے پیدا ہونے والے بارے صاحبزادے زندہ تھے ان میں سے اکثریت نے کلکتہ ہی میں اپنی جلاوطنی کے دوران وفات پائی البتہ ایک صاحبزادہ جامع الدین کا انتقال فرانس کے شہر پیرس میں ہوا ان سب کی کچھ تفصیلات ذیل میں دی جا رہی ہیں۔

۱) **کریم شاہ**:۔ یہ سلطان کے چھوٹے بھائی تھے اسّی سال کی عمر میں جمادی الثانی ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء میں ان کی وفات ہوئی ان کے دو لڑکے امام بخشی اور غلام علی اور دو بیٹیاں تھیں۔

۲) **فتح حیدر سلطان**:۔ یہ سلطان ٹیپو کے سب سے بڑے صاحبزادہ تھے اپنے والد کی شہادت کے وقت شہزادوں میں تنہا یہی دارالسلطنت میں موجود نہیں تھے ان کی وفات ۲۱/ شعبان ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۵۱ء کو کلکتہ ہی میں سرسام کے مرض میں ہوئی انھوں نے اپنے پیچھے چودہ لڑکیاں اور سات لڑکے چھوڑے جن کے نام یہ ہیں

محمد باقر ☆ غلام محی الدین ☆ شہاب الدین ☆ محمد سلطان ☆ سلطان حسین ☆ محمد علی ☆ جعفر الدین

۳) **عبد الخالق**:۔ معاہدہ سری رنگا پٹنم کی ضمانت کے لئے ۱۷۹۲ء میں بطور یرغمال انگریزوں نے سلطان ٹیپو کے جن دو صاحبزادوں کو اپنے پاس رکھا تھا اس میں یہ بھی شامل تھے بواسیر کے مرض میں ان کی وفات شوال ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۰۸ء کو ہوئی ان کے دو لڑکے منعم الدین اور مقیم الدین تھے۔

۴) **محی الدین سلطان**:۔ اس شہزادہ نے ۴ ربیع الثانی ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۲ء کو کسی وجہ سے خود اپنے اوپر گولی چلا کر خودکشی کر لی ان کے دو بیٹوں کے علاوہ پانچ صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ہیں

☆ سعید الدین ☆ برہان الدین ☆ قطب الدین ☆ محمد ٹیپو ☆ غلام دستگیر

۵) معز الدین :۔ شہزادہ عبد الخالق کے ساتھ یہ بھی انگریزوں کے پاس بطور ضمانت معاہدہ ۱۷۹۲ء میں یرغمال تھے ان کی رحلت ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء کو ہوئی تین بیٹیوں کے علاوہ ان کا صرف ایک بیٹا نظام الدین تھا۔

۶) احمد سلطان :۔ ان کی وفات ۱۰/ شعبان ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۴ء کو ہوئی ان کی صرف تین بیٹیاں تھیں۔

۷) سرور الدین :۔ ۱۶/ جمادی الثانی ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۸۳۳ء کو ان کا انتقال ہوا ان کی بھی صرف دو بیٹیاں تھیں۔

۸) شکر اللہ :۔ ۲۴ جماد الثانی ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء کو ان کی وفات ہوئی چار بیٹیوں کے علاوہ ان کے مندرجہ ذیل چھ لڑکے تھے۔

• بشیر الدین • جلال الدین • اعظم الدین • محمد مہدی • وارث الدین • محمد شاہ

۹) منیر الدین :۔ ۲/ رمضان ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء کو ان کی رحلت ہوئی انہوں نے اپنے پیچھے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا انور شاہ چھوڑا

۱۰) جامع الدین :۔ ۱۷/ شوال ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء کو ٹیپو کی اولاد میں صرف اسی شہزادہ کی وفات ملک سے باہر فرانس کے شہر پیرس میں ہوئی ان کا صرف ایک لڑکا بدر الدین تھا۔

۱۱) سلطان محمد سبحان :۔ ہیضہ کی وجہ سے ۲۴/ رمضان ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء کو ان کا انتقال ہوا چھ لڑکیوں کے علاوہ ان کے چار لڑکے تھے

☆ شوکت الدین ☆ پاک اختر ☆ اللہ نواز ☆ غلام محمود

۱۲) یاسین سلطان :۔ ان کی وفات ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء کو ہوئی ان کی چھ لڑکیاں اور آٹھ لڑکے تھے جن میں سے پانچ کے نام جو ہمیں معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں علی گوہر، فیروز شاہ، کیقباد، مظفر شاہ، بہرام شاہ

۱۳) غلام محمد سلطان :۔ ۱۸۷۷ء میں سلطان کے شہزادوں میں سب سے اخیر میں ان کا انتقال ہوا ان کی تین لڑکیاں اور دو لڑکے فیروز شاہ و حلیم الزماں تھے[1] سلطان کے ارکان خاندان میں یہ پہلے شخص تھے جو جلاوطنی کے بعد پہلی دفعہ ۱۸۳۵ء میں کلکتہ سے سری رنگا پٹنم اپنے والد کے عرس میں شرکت کے لئے آئے۔[2]

امیر المؤمنین فی الہند حضرت سید احمد شہیدؒ ۱۸۲۲ء میں جب اپنے وطن رائے بریلی سے حج کے لئے مکہ جاتے ہوئے کلکتہ میں رکے تو ان شہزادوں میں سے اکثر بقید حیات تھے سید صاحب نے ان کی دعوت پر خود ان کے بنگلہ پر جا کر ملاقات کی جس کے بعد ان شہزادوں نے سید صاحب کے بزرگوں سے اپنے خاندان کے روحانی روابط کا حوالہ دے کر بیعت بھی کی جس میں خود سلطان کی بیگم اور اکلوتی بیٹی بھی شامل تھی[3]

[1] سوانح حیدر علی سلطان از امجد علی اشہری [2] بحوالہ روزنامہ سالار ۳۱/ مئی ۱۹۹۲ء بشکریہ اکرام کاوش میسور
[3] سیرت سید احمد شہید از حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

سترھواں باب

غداران سلطنت خداداد کے
سیاہ کارناموں اور قدرت کی طرف سے
انتقام کی کچھ تفصیلات

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

سلطنت خداداد کے زوال اور انگریزوں کی ٹیپو پر فتح کا اگر کوئی سرسری جائزہ بھی لے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس میں منجملہ دیگر اسباب وہ وجوہات کے سازشوں کے وسیع جال اور سلطان کے وزراء و افسران کی ملت فروشی وضمیر فروشی نے بھی اہم رول ادا کیا تھا اگر سلطان کے وزراء اس کو دھوکہ نہیں دیتے اور آخر تک اس کا تعاون بھی نہ سہی صرف غیر جانب دار ہی رہتے اور قلعہ و محل کی اندرونی خبریں دشمنوں تک نہیں پہنچتیں تو ممکن تھا کہ جنگ کا نقشہ ہی بدل جاتا اور انگریزوں کو شاید ایک زمانہ تک ہندوستان پر حکومت کا صرف خواب ہی دیکھنا پڑتا نواب حیدر علی کے مقابلہ میں سلطان ٹیپو نسبتاً رحمدل اور نرم مزاج تھا حیدر علی بغاوت و سرکشی کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا اور جب بھی اس کو اس کا علم ہو جاتا تو غداروں کو ٹھکانے لگانے میں اس کو دیر نہیں لگتی تھی لیکن سلطان ٹیپو اپنے والد کے برعکس تعلیم یافتہ اور بہت زیادہ مذہب پسند و اصول پسند اور نرم دل تھا اس لئے جب بھی کسی کی بے وفائی یا غداری کی اس کو اطلاع ملتی تو جب تک تحقیق کے بعد الزام پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا وہ کسی کے خلاف کاروائی یا بدلہ و انتقام سے گریز کرتا تھا یہی وجہ تھی کہ اکثر منافقوں اور غداروں کو ان کی درخواست پر اس نے معاف کر کے ان کے عہدوں و مناصب پر دوبارہ بحال کر دیا تھا لیکن اس کے ضمیر فروش وزراء و ملت فروش افسران اس کی اس وسعت قلبی کے باوجود سلطان کے لئے اپنے دلوں میں بدستور بغض و عداوت کے جذبات رکھتے

تھے لیکن سلطان شاعر کے اس قول پر عمل پیرا تھا۔

جب تم نے جفا کی ہے تب ہم نے وفا کی ہے
وہ ظرف تمہارا ہے یہ ظرف ہمارا ہے

لیکن اس کی یہی حد سے زیادہ نرم دلی ور حمدلی ہی خود اس کی سلطنت کے زوال کا سبب بنی نواب حیدر علی نے اپنی وفات کے وقت ٹیپو کو وصیت کی تھی کہ مجھے میر صادق، میر غلام علی لنگڑا اور پورنیا کے بارے میں اطمینان نہیں ہے میرے بعد تم ان کو قتل کر دینا لیکن یہاں ٹیپو کی رحمدلی و اصول پسندی آڑ بن گئی اور اس نے ان کے خلاف کسی ثبوت کے نہ ہونے کی وجہ سے نہ صرف کسی کاروائی سے گریز کیا بلکہ ان کو معاف کر کے ان کے مناصب پر دوبارہ بحال بھی کر دیا یہاں تک کہ خود ان ضمیر فروشوں کے ہاتھوں اس کا اور اس کی اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا جس کے بعد قدرت نے خود ان ملت فروشوں سے اپنا انتقام لیا ان میں سے کوئی جذام کے مہلک مرض میں تڑپ تڑپ کر مرا کوئی پاگل ہو گیا اور کوئی اس حالت میں دنیا سے چل بسا کہ اس کی بے یارومددگار پڑی لاش کو بدبو وتعفن کی وجہ سے کتوں نے بھی اپنا منھ لگانا گوارہ نہیں کیا ان میں سے ایک بڑی تعداد اپنی بے وفائی کا پھل دنیا میں چکھ ہی نہیں سکی اور اس سے پہلے ہی یہاں سے رخصت ہو گئی غداروں کی ایک بڑی تعداد تو ان لوگوں پر مشتمل تھی جو فطری طور پر اپنے مذہبی پس منظر، ذاتی خباثت یا نسلی منافرت کی وجہ سے شروع سے سلطنت خداداد اور اس کے بانیوں کے خلاف رہی البتہ کچھ لوگ ان میں وہ بھی تھے جو ۱۷۹۲ء میں معاہدہ سری رنگا پٹنم کے مطابق سلطان کی آدھی سلطنت اس کے ہاتھوں سے چلے جانے کے بعد ذاتی مفادات اور

شخصی اغراض کیلئے سلطان کے سیاسی زوال کا یقین کر کے اس کے خلاف ہو گئے جن میں سر فہرست میر معین الدین اور میر قمر الدین وغیرہ تھے بعض غدار تو وہ تھے جن کی بے وفائی اور احسان فراموشی اظہر من الشمس تھی اور وہ پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی اگرچہ سلطان ٹیپو کو اس کا علم نہیں تھا لیکن سلطان کے بعض وزراء وافسران ایسے بھی تھے جن کے اعمال یا اقوال سے بعد والوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ انہوں نے اپنا فلاں کام سلطان کو دھوکہ دینے کے لئے کیا تھا یا ان کی فلاں رائے میں بدنیتی پوشیدہ تھی مثلاً بدر الزماں خان نائطہ وغیرہ جس کی چوتھی جنگ میں چتل درگ سلطان کے نہ جانے کی رائے کو خود سلطان نے تو قبول کیا لیکن بعض مؤرخین نے اس کو بعد میں اس کی بدنیتی پر محمول کیا کہ اگر سلطان چتل درگ نکل جاتا تو اپنی جان کم از کم بچا کر سلطنت کے کچھ حصوں پر ہی سہی اپنا قبضہ برقرار رکھ سکتا تھا

ذیل میں ہم سلطان ٹیپو اور اس کی سلطنت کے چند احسان فراموشوں کی تفصیلات دے رہے ہیں جن کا ایک اسلامی سلطنت کے زوال میں اہم رول تھا ابتداء سلطنت خداداد کے بانی نواب حیدر علی کے نمک خوار کھنڈے راؤ سے کرتے ہیں جو اپنے بعد والوں کیلئے نمونہ تھا ان باج گزار راجاؤں ونوابوں سے ہم ان صفحات میں بحث نہیں کرینگے جنہوں نے موقع پاکر سلطان کے خلاف کبھی بغاوت کی تھی اور جن کی سرکشی کو کچلنے کی وجہ سے وہ سلطان کے ذاتی دشمن بن گئے تھے اس لئے کہ ان کی دشمنی فطری تھی برخلاف ان لوگوں کے جو صرف حیدر علی یا سلطان ٹیپو کے ذاتی احسانات سے اعلی مناصب پر فائز رہے اور پھر بھی اپنے آقا و محسن سے انہوں نے غداری کی۔

۱) کھنڈے راؤ

نواب حیدر علی جب ابتداء میں میسور کے ہندو راجہ کی فوج میں ایک دستہ کے کمانڈر تھے تو یہ کھنڈے راؤ ان کا ذاتی محاسب یعنی پرائیویٹ سکریٹری تھا بعد میں میسور کے راجہ نے اس کو اپنا وزیر مالیات مقرر کر دیا جب میسور کی حکومت میں داخلی بغاوت پیدا ہو گئی اور حکومت کی باگ ڈور عملاً اس کے وزیر تندراج کے ہاتھوں میں آ گئی تو راجہ سے اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے حیدر علی نے اس کے وزیر تندراج کو اپنے ذاتی تعلقات کی بنیاد پر باعزت طریقہ پر حکومت سے علیحدہ ہونے پر راضی کر لیا اور اس کی جگہ اپنے سابق ذاتی محاسب کھنڈے راؤ کو راجہ سے سفارش کر کے اس کا وزیر اعظم مقرر کر دیا جسکے بعد یہ پوری سلطنت میں راجہ کے بعد سب سے بااختیار شخص بن گیا لیکن اس نے اپنے آقا حیدر علی کے اپنے اوپر احسانات کا بدلہ اس طرح دیا کہ ۱۷۶۱ء میں راجہ کی رانیوں سے مل کر خود حیدر علی کو ختم کرنے کی کوشش کی راجہ سے کہا کہ حیدر علی صرف آپ کی بدولت اس درجہ تک پہنچا ہے لیکن اب وہ آپ ہی کا ہمسر بننا چاہتا ہے مرہٹہ سردار مادھو راؤ سے اس سلسلہ میں فوجی مدد طلب کرتے ہوئے اس کو خط لکھا کہ ایک مسلمان میسور پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اگر آپ ہماری مدد کریں تو ہم آپ کو نقد پانچ لاکھ روپئے اور سالانہ دو لاکھ روپئے دینے کے لئے تیار ہیں جس کے بعد مرہٹہ سردار نے اس کی مدد کیلئے اپنے چالیس ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل سپاہی روانہ کئے جن کی پوری قیادت اس کا سپہ سالار و ساجی کرشنا پنڈت خود کر رہا تھا اس پوری سازش میں کھنڈے راؤ

کے ساتھ دوسرے وزراء وینکٹ ٹپیا، ویرنا چٹی وغیرہ بھی شریک تھے ایک دن منصوبہ کے مطابق ان لوگوں نے حیدر علی کو گرفتار کرنے کیلئے سری رنگا پٹنم کا محاصرہ کر لیا لیکن پیشگی اطلاع ملنے کے بعد حیدر علی راتوں رات وہاں سے بھاگ کر بنگلور پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور وہاں سے اپنی منتشر فوج کو جمع کر کے دار السلطنت پر حملہ کر دیا راجہ اور کھنڈے راؤ دونوں گرفتار ہوئے حیدر علی نے راجہ کو اپنے اوپر اس کے ذاتی احسانات کی وجہ سے نہ صرف معاف کر دیا بلکہ ایک لاکھ روپئے سالانہ آمدنی کا ایک علاقہ اس کو دے کر آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کی اجازت دی لیکن احسان فراموش کھنڈے راؤ کو ایک بڑے لوہے کے پنجرہ میں مقید کر دیا اور اسی میں اس کے کھانے پینے کا بھی نظم کر دیا حیدر علی جب بھی اس کو دیکھتا تو لوگوں سے مخاطب ہو کر کہتا یہ میرا طوطا ہے جو میں پال رہا ہوں اسی پنجرہ میں ایک سال کے بعد وہ گھٹ گھٹ کر مر گیا۔

۲) حیدر بخش

۱۷۸۶ء میں بادامی پر قبضہ کے بعد نظام و مرہٹوں کی افواج دھاڑوار کے مضبوط قلعہ پر قبضہ کیلئے جب آگے بڑھیں تو سلطان ٹیپو کی طرف سے مقرر دھاڑوار کے اسی قلعہ دار حیدر بخش نے مرہٹوں سے رشوت لیکر بغیر کسی مزاحمت کے پہلے ہی مرحلہ میں یہ سلطانی قلعہ دشمن کے حوالہ کر دیا تھا اور خود مع اہل و عیال کے پونا میں نانا فرنویس کے پاس جا کر پناہ لی تھی اس طرح یہ سلطان کی عتاب سے وقتی طور پر بچ گیا تھا۔

۴) کرشناراؤ

یہ ابتداء میں سلطان کے نہایت معتمد اور قابل بھروسہ افسران میں شامل تھا انگریزوں کے خلاف میسور کی تیسری جنگ میں بنگلور کے قلعہ کی حفاظت پر مامور تھا لیکن انگریزوں نے جب لالچ دے کر اس کو خرید لیا تو اس نے قلعہ کے اندر موجود سلطانی افواج میں کمی کردی تھی جسکے بعد دشمن آسانی کے ساتھ قلعہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے اس کی اسی سازش کی وجہ سے قلعہ پر انگریزوں کے حملہ میں ایک ہزار میسوری مجاہدین شہید اور تین سو کے قریب زخمی ہوئے تھے جس میں سلطان کے معتمد خاص سید حامد اور شیخ انصار بھی اول الذکر میں شامل تھے لیکن سلطان کی والدہ کو جب اسکا علم ہوا تو اس نے فوراً اس سلسلہ میں ٹیپو کو خط لکھا جس کے بعد میر معین الدین کے ذریعہ اسکو مع اس کے بھائیوں کے جو اس سازش میں اس کے ساتھ شریک تھے گرفتار کر کے قتل کردیا گیا کرشناراؤ نے قتل کئے جانے سے کچھ دیر پہلے اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ میری لگائی ہوئی فتنہ وسازش کی اس آگ کو ٹیپو کبھی بجھا نہیں سکے گا بعد کے حالات نے اس کی اس پیشگوئی کی تصدیق بھی کردی اس کی لاش کو پھانسی دینے کے بعد راستہ میں پھینک دیا گیا تھا تاکہ دوسرے لوگوں کو اس سے عبرت ہو انگریزوں نے اسکو ٹیپو کا تختہ الٹ کر سابق راجہ کے ہندو خاندان کی میسور کے تخت پر دوبارہ بحالی کی ذمہ داری سونپی تھی یہ انتہائی متعصب ہندو تھا اور ہندو اکثریت کے درمیان کسی اسلامی سلطنت کے وجود کو کسی بھی صورت میں برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں تھا اس لئے اس کی تمام سازشوں کا نشانہ ٹیپو کی ذات کے بجائے سلطنت خداداد میسور ہی تھی لیکن خود تو وہ

اس میں کامیاب نہیں ہوسکا البتہ بعد میں اس کے حواریوں نے اس کی اس دیرینہ خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جس کے نتیجہ میں ۹۹۷اء ٹیپو کی شہادت اور سقوط سری رنگا پٹنم کا سانحہ پیش آیا۔

۴) میر صادق

لفظ میر اس بد بخت انسان کے ساتھ کیسے جڑ گیا اسکی تحقیق مشکل ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ لفظ میر دراصل فارسی ہے جو عربی کے لفظ امیر کا مخفف ہے بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ برصغیر میں شیعوں کو سنیوں سے ممتاز کرنے کیلئے ان کے نام کے ساتھ یہ لفظ لگتا تھا ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ نسلاً ہندوستانی ہی تھا اور اس زمانہ میں یہاں لفظ میر سادات کیلئے استعمال ہوتا تھا اس طرح یہ عربی النسل تھا بہر حال اس کی نسل وطن اور خاندان میں تو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اس کی شقاوت بد بختی اور نمک حرامی میں مؤرخین کے درمیان کوئی اختلاف رائے نہیں اس کا نام برصغیر میں غداری و نمک حرامی کیلئے میر جعفر کے ساتھ ضرب المثل بن گیا ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے پوری ملت کی طرف سے اپنے اشعار میں اس کی یوں ترجمانی کی ہے

جعفر از بنگال صادق از دکن
تنگ آدم تنگ دیں تنگ وطن
ناقبول و ناامید و نامراد
ملتے از کار شاں اندر فساد

تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ:۔

الاماں از روح صادق الاماں

الاماں از صادقان ایں زماں

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ نظام حیدر آباد کے شیعہ وزیر میر عالم کا بھائی تھا کوئی بعید نہیں کہ دونوں میں خونی رشتہ بھی ہو اس لئے کہ نظام حیدر آباد کو سلطان ٹیپو سے دور رکھنے اور انگریزوں سے قریب کرنے میں میر عالم ہی کا نمایاں ہاتھ تھا اس طرح میر صادق کے ساتھ میر عالم نے بھی ایک طرح سے سلطنت خداداد کے زوال میں اہم کردار ادا کیا اس لئے کہ نظام کے تعاون کے بغیر انگریزوں کیلئے چوتھی جنگ میں فتح پانا خود ان کے مطابق مشکل تھا یہ اصلاً سلطنت خداداد کی تاسیس سے پہلے صوبہ سرا میں مقیم تھا جہاں سے پہلے اس نے ارکاٹ میں نواب محمد علی کے پاس ملازمت کی لیکن جب ارکاٹ کو فتح کر کے میسور میں داخل کیا گیا تو دیگر لوگوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوا لیکن اسکی خوشامد پر نواب حیدر علی نے اس کو معاف کر کے اپنا ملازم رکھا جہاں سے وہ ترقی کرتا ہوا پہلے افسر محاصل بنا پھر جلد ہی پورے ارکاٹ کا گورنر بنا دیا گیا حیدر علی کی وفات کے بعد سلطان ٹیپو کا چیف سکریٹری اور پھر حکومت کا ایک اہم وزیر بنا حالانکہ حیدر علی نے اس کو ملنے والی باوثوق اطلاع کے مطابق مرتے وقت ٹیپو کو وصیت کی تھی کہ میر غلام علی لنگڑا اور پورنیا کی طرح یہ بھی اندرونی طور پر سلطنت خداداد کے خلاف سازشوں میں شریک ہے اس لئے ان تینوں کو قتل کر دیا جائے لیکن سلطان کی فطری رحمدلی و نرم مزاجی سے یہ بچ گیا اور کسی ثبوت کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف نہ صرف کسی کاروائی سے گریز

کیا گیا بلکہ اس کو ترقی بھی ملی اور یہ پوری سلطنت میں ٹیپو کا نائب بن گیا ۱۷۸۷ء میں مرہٹوں سے صلح کے بعد جب ٹیپو دارالسلطنت واپس لوٹا تو عوام نے اس کی عدم موجودگی میں میر صادق کے ظلم و ستم رشوت ستانی اور سرکاری خزانہ میں خورد برد کی شکایت کی سلطان نے جب تحقیق کی تو اس کے گھر سے ایک لاکھ اشرفیاں دس لاکھ روپے نقد اور بے شمار قیمتی ہیرے جواہرات برآمد ہوئے جو اس نے سرکاری خزانہ سے چوری کئے تھے یا پھر عوام سے بطور رشوت لئے تھے سلطان نے فوراً اس کو معزول کر کے قید کر دیا اور اس کی جگہ مہدی علی خان نائطہ کو حکومت کا دیوان مقرر کر دیا لیکن یہ بڑا ہی چالاک و مکار تھا اس نے سلطان کے مزاج کو مسخر کرنے اور اپنے حق میں کرنے کیلئے میر حسین علی کرمانی کی روایت کے مطابق عملیات سے کام لینا شروع کیا اس کیلئے وہ سفلی عملیات کرنے والے عاملوں کی ہدایت پر روزانہ آدھا من سیاہ مرچ جلایا کرتا تھا[1] اسطرح اسنے پھر ایک بار جلد ہی سلطان کو منالیا اور نہ صرف قید سے رہا ہوا بلکہ سرکاری عہدہ پر دوبارہ بحال بھی کیا گیا یہاں تک کہ فروری ۱۷۹۲ء میں معاہدہ سری رنگا پٹنم کے مطابق انگریزوں کو اپنی آدھی سلطنت دینے کے بعد سلطان ٹیپو نے جب اپنی مملکت کی از سر نو تنظیم کی طرف توجہ دی اور رعایا کو بھی امور سلطنت میں شامل کرنے کیلئے پالیمان کی بناء رکھی اور جمہوریت کا قیام عمل میں آیا تو اسی نمک حرام کو اس پالیمان کا جس کا نام زمزمہ غم نباشد تھا صدر بنا دیا گیا جس کے بعد پھر ایک بار یہ پوری سلطنت میں سلطان کے بعد سب سے بااختیار شخص بن گیا سلطان کی وسعت قلبی اور اس کے

[1] نشان حیدری از میر حسین علی کرمانی

کلی اعتماد کے باوجود وہ اب بھی اپنی رذیل حرکتوں سے باز نہیں آسکا بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ سلطان کے خلاف اندرونی ریشہ دوانیوں میں مصروف رہا نظام اور انگریز کمپنی کو سلطان کی فوجی تیاریوں کی اطلاع بھی برابر پہونچاتا رہا چونکہ بڑا ہی چاپلوس تھا اور بات بات پر قرآن کی قسم کھاتا تھا اس لئے اس کی باتوں پر سلطان کو شبہ نہیں ہوتا تھا آخری زمانہ میں سلطان کے اہم خطوط کو بھی اس تک پہونچنے نہیں دیتا تھا سلطان کو دوبارہ اس کی غداری کا علم شہادت کے دن ہی ہوسکا لیکن وہ دشمنوں کے ساتھ برسرپیکار رہنے کی وجہ سے کر بھی کیا سکتا تھا اس نے اس سے مخاطب ہوکر صرف اتنا کہا کہ ایسا نہیں کہ مجھے تمہاری غداری کا علم نہیں تم اپنی اس بے وفائی کا مزہ جلد ہی چکھو گے اور قدرت کے انتقام کے اثرات تمہاری آئندہ آنے والی نسلوں میں بھی ظاہر ہونگے تمہارے ان سیاہ کارناموں کی نحوست سے وہ ایک ایک دانہ کے محتاج ہونگے شہادت سے کچھ گھنٹوں قبل جب سلطان نے انگریز سپاہیوں سے لڑتے ہوئے ڈوڈی دروازہ سے واپس شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی تو اسی بد بخت و منحوس نے ایک طے شدہ منصوبہ کے مطابق اس دروازہ کو بند کردیا تھا اور خود کمک لانے کے بہانہ قلعہ سے باہر نکل گیا تھا کڑپہ سے تعلق رکھنے والے سلطان کے احمد خان نامی ایک وفادار سپاہی سے یہ سب دیکھا نہیں گیا اس نے یہ کہتے ہوئے اسی وقت اپنی تلوار سے اس پر وار کردیا کہ سلطان کو دشمن کے حوالہ کرکے خود کہاں بچ کر جارہا ہے ایک ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا ہوگیا زمین پر اس کی لاش پڑی رہی اس کا پورہ حلیہ بگڑ گیا تھا بدبو تعفن کی وجہ سے کوئی اس کے قریب بھی نہیں جاتا تھا کتوں تک نے اس کی لاش کو منہ لگانا گوارہ نہیں کیا دو تین دن کے

بعد ایک گورے سپاہی نے بغیر کفن کے اسکی لاش کو ایک گڑھے میں دفن کردیا نہ تجہیز و تکفین ہوئی اور نہ غسل دیا گیا اور نہ ہی نماز جنازہ پڑھی گئی بعد میں جب بھی کوئی اس کی قبر پر سے گزرتا تو ضرور اس پر تھوکتا انگریز سپاہیوں نے فتح کی رات دارالسلطنت میں اپنی درندگی و ظلم ستم کے ننگے ناچ میں اس کے گھر کو بھی محفوظ نہیں چھوڑا خود اس کی بہو بیٹیوں کی عصمتیں لوٹیں گئیں غرض یہ کہ یہ ملت فروش اپنی غداری کا مزہ چکھنے یا پھل پانے کے لئے دنیا میں نہیں رہ سکا اور خود سلطان کی شہادت سے پہلے ہی قدرت نے اس ننگ دین و ننگ وطن سے انتقام لیکر اس کو دوسروں کیلئے نمونہ عبرت بنادیا۔

۶) ترمل راؤ

یہ سلطنت خداداد کی طرف سے میسور کے معزول راجہ کی رانیوں کا پردھان یعنی دیوان تھا انتہائی متعصب اور اسلام دشمن تھا ہمیشہ سابق ہندو حکمراں خاندان کی تخت میسور پر دوبارہ بحالی، ہندو راج کے قیام اور اسلامی حکومت کے خاتمہ کیلئے منصوبے بناتا رہتا تھا اس سلسلہ میں انگریز گورنروں اور مرہٹہ سرداروں سے اسکی خفیہ مراسلت اور گفتگو بھی ہوتی رہتی تھی ایک دفعہ نواب حیدر علی نے اس کی غداری کا علم ہونے کے بعد اسکو گرفتار بھی کرلیا تھا لیکن بعد میں اس کو معاف کرکے نواب عبدالحکیم شاہ نور کے دربار میں اپنا نمائندہ مقرر کردیا تھا لیکن ان سب احسانات کے باوجود اس نے آخر تک سلطنت خداداد کے خلاف غداری ہی کا ثبوت دیا میسور کی رانی سے اسکا معاہدہ ہوا تھا کہ ان کی حکومت کی دوبارہ بحالی کے

بعد اس کو دیوان بنایا جائیگا لیکن انگریزوں نے اس کے بجائے پورنیا کو اس عہدہ پر فائز کیا اور وظیفہ دے کر اس کو مدراس میں رکھا جہاں اس کا ۱۸۱۵ء میں انتقال ہوا۔

۷) پورنیا

یہ اصلاً ترچنا پلی کا رہنے والا تھا ۱۷۳۶ء میں وہیں پیدا ہوا ہندو برہمن تھا سلطان سے عمر میں تین چار سال بڑا تھا بچپن ہی میں ۱۷۵۵ء میں اس کے والد کرشنا اچاری کا انتقال ہو گیا اس لئے اس کی ماں لکشمی اماں بھیک مانگ کر اس کا پیٹ پالتی یا گھروں میں جاکر برتن وغیرہ مانجھ کر گذر اوقات کرتی تھی ۱۷۶۰ء میں یہ ایک بنیا کے توسط سے سری رنگا پٹنم میں ملازم ہو گیا جس کے بعد حیدر علی کے ہندو وزیر کرشنا راؤ کی سفارش پر اس کو سلطنت خداداد میں سرکاری ملازمت مل گئی پہلے اس کو باربرداری اور نقل حمل کے سرکاری شعبہ میں سکریٹری بنایا گیا یہاں تک کہ یہ ترقی کرتے ہوئے جلد ہی سلطان ٹیپو کے حلقہ خاص میں شامل ہو گیا اور وزیر مالیات بن گیا نواب حیدر علی کو اس کے متعلق اطمینان نہیں تھا اس لئے ٹیپو کو وصیت کی تھی کہ میر صادق اور غلام علی لنگڑا کی طرح اس کو بھی قتل کر دیا جائے لیکن رحم دل و نرم مزاج سلطان نے کسی ثبوت کے نہ ہونے کی وجہ سے نہ صرف اس کے خلاف کسی انتقامی کارروائی سے گریز کیا بلکہ ۱۷۹۲ء میں پارلیمان کے قیام کے بعد اس کو میر صادق کا نائب یعنی اپنے بعد پوری سلطنت کا تیسرے درجہ کا بااختیار شخص بنا دیا سلطان کی مذہبی رواداری اور فراخدلی کے باوجود اس کے مذہبی تعصب میں کوئی کمی نہیں آئی وہ رنگا سوامی کے مندر میں جاکر ہندو راج کے قیام کی اپنے دیوتاؤں کے

سامنے قسمیں کھاتا تھا ہمیشہ میسور میں سابق راجہ کی خاندان کی بحالی اور ہندو حکومت کے قیام کے لئے اندرونی طور پر کوشاں رہتا اس سلسلہ میں معزول راجہ کی رانیوں سے خفیہ طور پر اسکا برابر رابطہ تھا فرانسیسیوں اور سلطان ٹیپو کے درمیان ہونے والے فوجی معاہدہ کی نقل اسی نے میسور کی رانی لکشمی امانی کو پہنچائی تھی جس نے بعد میں اسکی اطلاع انگریز جنرل ہارس کو پہنچائی اعلیٰ سطح پر گورنر جنرل لارڈ کارنواس و ویلزلی سے بھی اسکے روابط تھے چوتھی جنگ میں سری رنگا پٹنم کے اندرونی حالات اور جنگی تیاریوں کی خفیہ اطلاعات پہنچانے میں یہ بھی میر صادق کے ساتھ برابر کا شریک تھا قلعہ کے شگاف کے پاس موجود سلطانی افواج کو تنخواہ کی تقسیم کے بہانے ہٹا کر مسجد اعلیٰ کے پاس لے جانے والا بھی یہی تھا جس کے بعد انگریز بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ کی فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے تھے سلطان کی شہادت کے بعد جب انگریزوں نے میسور کے تخت پر سابق معزول راجہ کے پانچ سالہ فرزند کرشنا راج سوم کو بٹھا دیا تو غداری کے صلہ میں اسی کو اس کا دیوان مقرر کیا گیا اور سالانہ تین لاکھ روپے آمدنی کی ایک جاگیر بھی اس کو دی گئی لیکن میسور کی یہ محدود سلطنت اب عملاً انگریزوں ہی کے ماتحت تھی اور یہ ہندو راجہ بھی کمپنی کا باج گذار تھا اس لئے اب اسکو وہ اختیارات نہیں تھے جو اسکو سابق میں سلطانی دربار میں تھے اس کا احساس خود اس کو ہو گیا تھا اور وہ عمر بھر میر صادق کو کوستا رہا کہ اسی کے ورغلانے پر اس نے اپنے آقا سے غداری کی لیکن اگر میر صادق اسکو نہ بھی ورغلاتا تو اس کا محسن کرشنا راؤ جس کی سفارش پر ہی اس کو سلطنت خداداد میں ملازمت ملی تھا اسکو ذہناً و فکراً اسلامی سلطنت کے خاتمہ کے لئے تیار کر چکا تھا اس لئے اس کا یہ

کہنا غلط تھا کہ اس نے یہ ذلیل حرکتیں میر صادق کے اشارہ پر کی تھیں ۱۸۱۱ء میں سری رنگا پٹنم ہی میں اس کا انتقال ہوا۔

۸) لکشمی امانی

یہ میسور کے سابق معزول راجہ کرشنا راج وڈیار کی بیوہ تھی شروع ہی سے میسور میں ایک اسلامی سلطنت کے قیام کی مخالف تھی میسور کے تخت پر اپنے خاندان کی دوبارہ بحالی کیلئے ہمیشہ سازشیں بھی کرتی رہتی تھی اس نے اپنے وکیل ترمل راؤ کے ذریعہ مدراس کے انگریز گورنر کو اس بات کا یقین دلایا تھا کہ اگر سلطان کے خلاف کمپنی اس کی حمایت کرے تو وہ اس کے عوض ان کو ایک کروڑ روپئے نقد اور تیس لاکھ روپئے سالانہ دینے کے لئے تیار ہے ۱۷۹۶ء میں اس نے انگریزوں کو یہ لکھکر اکسایا کہ سلطان ٹیپو نے ان کے خلاف فرانسیسیوں سے ایک فوجی معاہدہ کرلیا ہے اگر وہ ٹیپو کے خلاف فوری کاروائی کرتے ہیں تو اس کی طرف سے ان کو سامان رسد کے علاوہ جنگی اخراجات کیلئے ایک کروڑ روپئے پیشگی ادا کئے جائینگے اس نے اس سلسلہ میں گورنر جنرل لارڈ ولزلی سے بھی مسلسل مراسلت کی اور ان دونوں کے درمیان ایک معاہدہ بھی ہوا یہ ٹیپو کی شہادت کے بعد بھی زندہ رہی اور میسور کے تخت پر اپنے خاندان کی دوبارہ بحالی کے بعد انگریز گورنر جنرل کو بڑے اہتمام کے ساتھ شکریہ کا خط بھی لکھا اس میں تحریر تھا کہ چالیس سال کے وقفہ کے بعد ان کے خاندان میں حکومت کی دوبارہ بحالی پر وہ انگریزوں کی انتہائی مشکور ہے اس احسان کے بدلہ اس کا پورہ خاندان ہمیشہ کمپنی کا فرمانبردار و تابع رہیگا۔

۹) میر عالم

اس کا تعلق اگرچہ براہ راست سلطنت خداداد کے غداروں کے ساتھ نہیں ہے لیکن چونکہ ۱۷۹۹ء میں سقوط سری رنگا پٹنم انگریزوں سے نظام حیدر آباد کے فوجی تعاون و اشتراک کے بعد ہی ممکن ہوسکا تھا اور نظام کو ٹیپو کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دینے پر آمادہ کرنے میں اسی کا ذہن کام کررہا تھا اس لئے بلاواسطہ نہ سہی بالواسطہ ہی یہ سلطنت خداداد کے زوال میں شریک تھا اس کا پورہ نام تو ابوالقاسم مولوی ششتری تھا لیکن عام طور پر میر عالم کے نام سے مشہور تھا شیعہ تھا اور ایک روایت کے مطابق میر صادق کا بھائی بھی حیدر آباد میں نظام کی فوج کا سپہ سالار اور وزیر اعظم ہونے کی وجہ سے عملاً اختیارات کے اعتبار سے نظام کے بعد پوری سلطنت میں اس کا نائب تھا سلطان ٹیپو کی نظام کے ساتھ مصالحت و اتحاد کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے میں اسی کا ذہن کام کرتا تھا دربار میسور کی طرف سے دربار حیدر آباد میں کامیاب سفارت کے بعد بارہا ایسے مواقع آئے کہ نظام سلطان کی باتوں سے متاثر ہوکر انگریزوں کا ساتھ چھوڑنے پر راضی ہوگیا تھا لیکن یہ بدبخت انسان اس کو کسی نہ کسی بہانے سے ہمیشہ اس سے باز رکھتا انگریزوں نے اس کو لالچ دے کر خرید لیا تھا میسور کی چوتھی جنگ میں سلطان کے خلاف حیدر آبادی افواج کی کمان یہ خود سنبھالے ہوئے تھا لیکن فتح کے بعد انگریزوں نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا وہی اس کی خودکشی یا چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کیلئے کافی تھا انگریز اپنی فطرت کے مطابق مقبوضہ علاقوں کی برابری کی بنیاد پر اتحادیوں میں تقسیم کے

اپنے وعدہ سے مکر گئے اور نظام کو گرم کنڈہ بلاری کے چند علاقے ہی مل سکے ۹ کروڑ روپیے کے مال غنیمت میں میر عالم صرف دو تین لاکھ روپے نظام کے پاس حیدر آباد لے جاسکا جب اس نے اس سے زیادہ پر اصرار کیا تو انگریزوں نے سلطان کے محل کے پنجروں میں مقید چند خونخوار شیروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ چاہے تو ان شیروں کو مال غنیمت میں اپنے ساتھ حیدر آباد لے جاسکتا ہے لیکن جب میر عالم نے اس کو لینے سے انکار کیا تو اس کے سامنے ہی اسی وقت ان خونخوار شیروں کو گولیوں سے اڑا دیا گیا

ملت سے اس کی غداری کا قدرت نے اس کی زندگی ہی میں اس طرح انتقام لیا کہ اس کو جزام کی بیماری لاحق ہو گئی اور وہ لاعلاج ہو گیا اطباء نے مشورہ دیا کہ زہریلے سانپ سے اس کو ڈسوایا جائے تو شاید اس کی بیماری میں افاقہ ہو لیکن اس کا جسم اس قدر سڑ گیا تھا کہ زہریلے سانپ بھی اس کو ڈس کر اس کے اثر سے خود مر جاتے تھے اور اس کو اس سے کوئی فائدہ ہونے کے بجائے مزید تکلیف ہی ہوتی تھی اسی حال میں وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا آخری وقت میں خود اس کو اس کا احساس ہو گیا تھا کہ یہ سب اس کی ملت فروشی کا انجام ہے جو اس شکل میں قدرت کی طرف سے دیا جا رہا ہے لیکن اب وہ کر بھی کیا سکتا تھا اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور انگریز اپنا کام نکال کر اس سے منھ موڑ چکے تھے۔

۱۰) میر غلام علی لنگڑا

یہ سفارتی امور میں بڑا ماہر اور حاضر جواب تھا اپنی بات پر مخاطب کو قائل

کرنے کی اس میں غیر معمولی صلاحیت تھی یہی وجہ تھی کہ جب سلطان ٹیپو نے ۱۰ مارچ ۱۷۸۶ء کو قسطنطنیہ خلیفہ روم کی خدمت میں اپنا سفارتی مشن بھیجا تو اس وفد کا سربراہ میر غلام علی لنگڑا ہی کو مقرر کیا گیا ۱۷۹۲ء کی میسور کی تیسری جنگ کے بعد معاہدہ کے شرائط طے کرنے کے لئے بھی سلطان کے ذاتی نمائندہ کی حیثیت سے انگریزوں کے پاس اسی کو بھیجا گیا تھا مذہبا شیعہ اور ارکاٹ کا رہنے والا تھا ارکاٹ کو جب نواب حیدر علی نے فتح کر کے سلطنت میسور میں شامل کر لیا تو میر صادق اور دیگر بہت سارے لوگوں کی طرح یہ بھی میسوری فوج میں ملازم ہو گیا یہاں تک کہ ترقی کرتے ہوئے ٹیپو کے عہد میں تمام میسوری قلعوں اور افواج کا افسر اعلیٰ بنا دیا گیا حد درجہ مغرور تھا کسی کے سامنے جھکنا گوارہ نہیں کرتا تھا ایک روایت کے مطابق اس نے اپنے پیر کو ایک قسم کی دوا لگا کر مفلوج اور خشک کر لیا تھا کہ سلطان کے سامنے بھی تعظیماً اور مجبوراً جھکنا نہ پڑے پیر سے معذور ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ سلطان کے دربار میں چوکی میں بیٹھ کر حاضر ہوتا اسی لئے اس کو انگریز Gulam Of Silver Chair یعنی طلائی کرسی کا غلام کہتے تھے معاہدہ سری رنگا پٹنم کے بعد ۱۷۹۲ء میں سلطان ٹیپو نے جب اپنی بحری فوج کو از سر نو منظم کیا اور بائیس جنگی اور بیس تجارتی جہازوں کا اس کی فوج میں اضافہ ہوا تو اسی کو سلطنت خداداد کا پہلا وزیر بحریہ بنا دیا گیا اس کو اس سے پہلے اس کی بعض حرکتوں کے وجہ سے اس کے عہدہ سے معزول کر کے نظر بند بھی کیا گیا تھا اس کی تفصیل یوں ہے کہ ۱۷۸۸ء میں سلطانی وفد قسطنطنیہ کی ناکام سفارت سے واپس ہوا تو خلیفہ روم کی طرف سے ٹیپو کو بھیجے گئے بہت سارے قیمتی تحائف اس نے اپنے پاس رکھ لئے تھے وفد کے دوسرے ارکان کی

شکایت پر جب اسکی تلاشی لی گئی تو یہ سب چیزیں اس کے پاس سے برآمد ہوئیں جس پر سلطان ٹیپو نے اس کی اس خیانت پر ناراض ہو کر اس کو اس کے عہدہ سے نہ صرف معزول بلکہ نظر بند بھی کر دیا نظر بندی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سلطان کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس نے قسطنطنیہ میں متعین برطانوی سفیر سے تنہائی میں گفتگو کی تھی جس میں اس نے اس کو سلطان کی شاہ فرانس سے مراسلت کی تفصیلات کے علاوہ دیگر بہت سارے سلطان کے فوجی راز بھی بتا دیئے تھے چونکہ یہ بڑا چالاک تھا اس لئے فوراً سلطان سے معافی مانگ کر اس کو منانے میں کامیاب ہو گیا اور دوبارہ اپنے سابقہ عہدہ پر بحال ہو گیا سلطنت کا وزیر بحریہ ہونے کی وجہ سے سلطان کے مخصوص متعمدین میں شامل تھا جس کی وجہ سے سلطنت کے تمام چھوٹے بڑے راز سے بھی واقف تھا لیکن سلطان کی ان نوازشوں کی باوجود وہ سابق میں اپنی معزولی و نظر بندی کی توہین کو بھول نہیں سکا تھا اس لئے ہمیشہ سلطان سے اس کا انتقام لینے کی تاک میں رہتا تھا اخیر تک شاہی محل کی خفیہ خبریں دشمنوں کو فراہم کرتا رہا ۱۷۹۹ء میں انگریزوں نے سقوط سری رنگا پٹنم کے بعد جب سلطان کے شہزادوں کو دوبارہ میسور کے تخت پر برائے نام ہی سہی بحال کرنے پر غور کیا تو اسی نے ان سے کہا تھا

"افعی کشتن و بچہ رانگہ داشتن کار خردمنداں نیست"

کہ سانپ کو مار کر اس کے بچہ کو پالنا عقلمندی نہیں ہے یعنی سلطان کو تو ختم کر دیا اب اس کے لڑکوں پر بھروسہ کر کے یہ سمجھنا کہ وہ باپ کی توہین کا انتقام نہیں لینگے کہاں کی دانشمندی ہے ظاہر بات ہے کہ ان شہزادوں سے انگریزوں سے زیادہ خود اس کو خطرہ تھا ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریزوں نے دار السلطنت کی لوٹ مار میں اس کے گھر کو بھی تاراج کر دیا تھا جس کے بعد وہ مالی اعتبار سے کنگال ہو گیا تھا اس کی بے وفائی کا صلہ اس کو کمپنی کی طرف سے سالانہ صرف تین ہزار پگوڈا یعنی ۸/۱۰ ہزار روپے کی شکل میں ملا نئی حکومت میں اس کو کوئی معمولی عہدہ بھی نہیں ملا سقوط سری رنگا پٹنم کے بعد ۱۲/۱۰ سال تک زندہ رہا عام لوگوں کی اس سے نفرت کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کو راستہ میں گزرتے ہوئے ملتا تو وہ اس پر ضرور تھوکتا جب یہ مرا تو انگریزوں کو خطرہ تھا کہ عام لوگ اس کی لاش کو قبر سے نکال کر بھی اس کی بے حرمتی کر سکتے ہیں اسی لئے زنانہ وضع پر اسکی قبر بنائی گئی ایک روایت یہ بھی ہے کہ سری رنگا پٹنم کے بجائے جہاں اس کی وفات ہوئی تھی اس کی تدفین ویلور یا حیدر آباد میں ہوئی۔

۱۱) میر معین الدین

یہ سلطان کا خسر تھا ۱۷۹۵ء میں ٹیپو نے اپنی پہلی بیوی یعنی لالہ میاں کی دختر رقیہ بانو کے انتقال کے بعد اسی کی لڑکی خدیجہ زماں بیگم سے اپنا تیسرا نکاح کیا تھا لیکن زچگی کے بعد زچہ و بچہ دونوں کا انتقال ہو گیا تھا یہ رشتہ میں سلطان کا ماموں بھی تھا انگریز عام طور پر اس کو سید صاحب کہکر پکارتے تھے اور پورے میسور میں بھی اسی نام سے مشہور تھا سلطنت خداداد کے قیام سے پہلے نواب کرناٹک محمد علی کے پاس ملازمت کرتا تھا انگریزوں کے خلاف ۱۷۶۷ء کی پہلی جنگ میسور میں حیدر علی کی فتح سے متاثر ہو کر اس نے سلطنت خداداد میں سرکاری ملازمت اختیار کر لی تھی حیدر علی کی مرہٹوں کے ساتھ جنگ میں اس کو دشمنوں نے گرم کنڈہ کی جاگیر کا لالچ دے کر خرید لیا تھا بعد میں جب اس نے اس پر معافی مانگی تو حیدر علی نے اس کو اس

کے سابقہ عہدہ پر بحال کر دیا تھا یہاں تک ٹیپو کی حکومت میں یہ فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا ۱۷۹۹ء کی آخری جنگ میں دارالسلطنت کے قلعہ کی کمان اسی کے ہاتھ میں تھی لیکن اس جنگ میں بھی انگریزوں نے اس کو گرم کنڈہ کی جاگیر کا لالچ دے کر خرید لیا تھا چوتھی جنگ کے باقاعدہ آغاز سے کچھ دنوں قبل سلطان ٹیپو سداسیر کے مقام پر بمبئی سے آنے والی جنرل اسٹورٹ کی انگریز فوج کو شکست دے کر جنرل ہارس کے مقابلہ کیلئے جب دارالسلطنت واپس آیا تو اس نے میر معین الدین اور پورنیا ہی کو اپنا نائب بنا کر وہاں چھوڑا تھا اور ان کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ انگریزی فوج کو وہ کچھ دنوں تک راستہ ہی میں الجھائیں رکھیں لیکن طے شدہ منصوبہ کے مطابق میر معین الدین نے انگریزوں کی کوئی مزاحمت نہیں کی اور وہ بلا روک ٹوک آسانی کے ساتھ دارالسلطنت میں داخل ہو گئے سلطان کو تیاری کا موقع بھی نہیں مل سکا اور فوراً ان ہی نمک حرام وزراء کی سازش سے دشمنوں نے دارالسلطنت کا محاصرہ کر لیا اسی نے پورنیا کے ساتھ مل کر قلعہ کے شگاف کی حفاظت پر مامور سلطانی سپاہیوں کو تنخواہ کی تقسیم کے بہانے وہاں سے ہٹا دیا تھا جب یہ قلعہ پر قبضہ کیلئے انگریزوں کو اشارہ کر رہا تھا تو اس کی اس حرکت کو سلطان کے ایک جانباز سپاہی نے دیکھ لیا اور اس سے رہا نہیں گیا اس نے اسی وقت اس پر ایسا وار کیا کہ وہ قریب ہی موجود ایک خندق میں گر کر مر گیا انگریز میجر ڈالس نے اس کی لاش کو پالکی میں ڈال کر اس کے گھر بھیج دیا لیکن اس سے پہلے ہی اس کے گھر کو بھی انگریزوں نے لوٹ لیا تھا اس لئے پڑوس کے ایک گھر میں اس کی لاش رکھی گئی اس طرح آخری وقت میں بھی اس کے گھر نے اس کی منحوس لاش کو اپنے یہاں داخل ہونے نہیں دیا میجر آلن کا بیان ہے

کہ ان کے سپاہیوں نے میر قمرالدین کی طرح خود اس کے گھر کی خواتین کی بھی عصمتیں لوٹیں تھیں۔

۱۲) میر قمرالدین

یہ سلطان ٹیپو کا ماموں زاد بھائی تھا اس کے والد میر علی رضا کی حقیقی بہن سے نواب حیدر علی نے نکاح کیا تھا نشان حیدری میں سلطان کے معاصر میر حسین علی کرمانی کی ایک روایت کے مطابق یہ سلطان کی اکلوتی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا تھا لیکن سلطان اس پر راضی نہیں ہوا لہٰذا اس نے انتقام لینے کیلئے اس سے غداری کی لیکن یہ ایک بہانہ تھا اس کی بے وفائی شروع ہی سے عیاں تھی ۱۷۸۴ء میں اس نے سلطان کے خلاف نظام حیدر آباد سے بھی خط و کتابت کی تھی حیدر آباد میں اس نے اپنے لئے ایک شاندار مکان بھی بنوایا تھا سلطان کو جب اپنے برادر نسبتی برہان الدین کے ذریعہ اسکی اطلاع ملی تو اس کو نظر بند کر دیا گیا لیکن اپنے مزاج کے مطابق سلطان نے اس کو جلد ہی معاف کر کے دوبارہ اپنی فوج میں سپہ سالار کے عہدہ پر بحال کر دیا ۱۷۹۸ء میں نظام کے وزیر اعظم کو اس نے ایک خط لکھا کہ اگر وہ ایک بڑی نقد رقم کے علاوہ کڑپہ کا علاقہ ہمیشہ کیلئے اس کو دینے کا وعدہ کرے تو وہ سلطان ٹیپو کو نظام کے حوالہ کرنے تیار ہے لیکن جب اس کے عوض اس کو حیدر آباد کے وزیر اعظم کی طرف سے صرف دس لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا گیا تو بات زیادہ آگے نہیں بڑھ سکی میسور کی آخری جنگ میں سلطان نے اس کو انگریزوں کی پیش قدمی روکنے کیلئے فوج دے کر کورگ روانہ کیا تھا لیکن اس نے ایک سازش کے تحت

بغیر کسی مزاحمت کے انگریزی دستہ کو دارالسلطنت پہنچنے دیا ایک دفعہ جب سلطان نے ادھونی پر حملہ کیا تو اسی زمانہ میں ارکاٹ کے مفتی سراج محمد خان کا انتقال ہو گیا ان کا جنازہ جب بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سری رنگا پٹنم لایا گیا تو لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ یہ سلطان کا جنازہ ہے تو میر قمر الدین نے اس سے فائدہ اٹھا کر فوراً دارالسلطنت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی سلطان کو جب اس کی اس حرکت کا علم ہوا تو صرف دو سال تک اس کو قید رکھا گیا حالانکہ اس کے جرم کی سزا اس وقت قتل سے کم نہیں تھی سلطان کی شہادت کے بعد اس کو انگریزوں نے حسب وعدہ گرم کنڈہ کی جاگیر دی لیکن کڑپہ کے پٹھانوں نے اس سے سخت مزاحمت کی اور وہاں اس کے محل کو لوٹ لیا اور صرف خالی محل اس کے حوالہ کیا اس صدمہ سے وہ بیمار پڑ گیا بعد میں جذام کی بیماری بھی لاحق ہو گئی جس سے اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اس کے قریبی رشتہ دار بھی اس کے قریب جانے سے کتراتے تھے اسی حال میں بڑی کسمپرسی کے عالم میں اس کا چند ہی سال میں انتقال ہو گیا۔

۱۳) میر قاسم علی

یہ سری رنگا پٹنم کے قلعہ کا محافظ تھا ابتداء میں تو سلطان کا وفادار تھا لیکن بعد میں بعض حالات نے اس کو سلطان کا دشمن بنا دیا تھا مسلکاً شیعہ اور حیدر آباد کا رہنے والا تھا وقتاً فوقتاً چھٹیاں لے کر گھر جاتا رہتا تھا سلطان کے دل میں اس کی بڑی عزت تھی جس سے میر صادق و پورنیا دونوں اس سے حسد کرتے تھے اس کے بارے میں اس کی غیر موجودگی میں ایک دفعہ ان دونوں نے سلطان سے شکایت کی

کہ یہ سرکاری خزانہ سے بہت سارا مال لیکر اپنے گھر گیا ہے واپسی پر جب سلطان کے حکم پر اسکی تلاشی لی گئی تو بات غلط نکلی اور یہ واپس حیدر آباد چلا گیا سلطان کی اس حرکت کو وہ اپنی توہین سمجھتا تھا اسی لئے اس کے دل میں سلطان کے خلاف انتقام کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا ۱۷۹۹ء کی جنگ کے عین موقع پر یہ چھٹی لیکر حیدر آباد آرام کرنے کا بہانہ بنا کر چلا گیا سلطان نے اس کو باعزت طریقہ پر قیمتی تحائف دے کر رخصت کیا لیکن یہ بد بخت انسان حیدر آباد جانے کے بجائے انگریزوں کے پاس چلا گیا اور قلعہ کی تمام اندرونی تفصیلات سے دشمنوں کو آگاہ کر دیا سلطان کی شہادت کے وقت جب دشمن کی فوج قلعہ کی فصیل پر چڑھ کر اس پر قابض ہو گئی تو خود انگریزوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ان کی رہنمائی میر قاسم ہی نے کی تھی سقوط سری رنگا پٹنم کے بعد انگریزوں نے اس کو کوئی اہم عہدہ نہیں دیا اور یہ اپنے گھر میں ہی پڑا رہا لوگوں کے غصہ و نفرت سے بچنے کیلئے یہ اپنا زیادہ تر وقت گھر ہی میں گزارتا تھا۔

۱۴) ایاز خان

یہ نواب حیدر علی کا لے پالک اور ملیبار کی ہندو نائر قوم سے تعلق رکھنے والا نو مسلم تھا ۱۷۶۶ء میں حیدر علی کے ملیبار پر حملہ میں گرفتار ہو کر مسلمان ہو گیا تھا حیدر علی نے اس کو ۱۷۷۰ء میں چتل درگ کا اور ۱۷۷۹ء میں بدنور (حیدر نگر) کا گورنر بنایا تھا سلطان ٹیپو نے جب عنان حکومت سنبھالی تو اس کو معلوم ہو گیا کہ یہ سلطنت خداداد کے خلاف انگریزوں کے ساتھ مل گیا ہے اس لئے اس کو معزول کر کے لطف علی بیگ کو اس کی جگہ بدنور کا گورنر مقرر کر دیا لیکن اس سے پہلے کہ

لطف علی بیگ اس کی جگہ لیتا بمبئی سے جنرل میتھیوز کی قیادت میں آنے والی فوج کو اس نے بدنور د کوڑیال بندر (مینگلور) بغیر کسی مزاحمت کے اس شرط پر حوالہ کردیا کہ ان علاقوں پر بعد میں بھی اسی کی گورنری بحال رکھی جائے اور خود اس نے اپنا سامان سمیٹ کر سورت میں جاکر پناہ لی اس طرح یہ سلطان کے عتاب سے بچ گیا اور گجرات ہی میں آخر تک رہا۔

۱۵) محمد قاسم خان

یہ بھی ایاز خان کے ساتھ بدنور ہی میں تھا ایک زمانہ سے میسور کی فوج میں ملازمت کررہا تھا اخیر میں بدنور کے قلعہ کا محافظ بن گیا تھا ایاز خان کے ساتھ ملکر اس نے بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ انگریزوں کے حوالہ کردیا تھا لیکن جب بدنور پر حملہ کرکے سلطان ٹیپو نے اس پر دوبارہ قبضہ کرلیا تو دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوا اور اس کو بھی برسرعام پھانسی دی گئی محمد علی کمیدان سلطان کا ایک خاص معتمد تھا اس کے خلوص کی وجہ سے سلطان کے دل میں اس کیلئے بڑی عزت تھی حسن اتفاق سے قاسم خان کے ساتھ بھی اس کے پرانے تعلقات تھے اس نے سلطان سے قاسم خان کی موت کی سزا معاف کرنے کی درخواست کی لیکن سلطان محمد علی کی بار بار درخواستوں کے باوجود اس کو معاف کرنے کیلئے تیار نہیں ہوا اور اسکو پھانسی کی سزا دی گئی محمد علی اپنے ایک دوست کو سلطان سے بچانہ سکنے کو اپنی ذاتی توہین سمجھتا تھا اس لئے اس نے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کرلی حالانکہ سلطان کو محمد علی سے کوئی شکایت نہیں تھی لیکن جذبات میں بہہ کر اس نے اپنی حماقت کی

وجہ سے اپنی جان گنوادی۔

۱۶) عثمان خان کشمیری

نواب حیدر علی کے زمانہ ہی سے یہ میسوری فوج میں ملازم تھا ٹیپو کے زمانہ میں ترقی کرتا ہوا پائیں گھاٹ میں کرور کا قلعہ دار بنا ۱۷۸۳ء میں جب انگریزی افواج ترچناپلی سے کرنل لانگ کی قیادت میں کرور پر قبضہ کیلئے بڑھیں تو باوجود اس کے کہ قلعہ میں مدافعت کیلئے ایک بڑا فوجی دستہ تھا اور سامان رسد بھی بڑی مقدار میں موجود تھا عثمان خان کشمیری نے انگریزوں کی طرف سے اس کو دیئے گئے اس لالچ میں کہ اس کو ترقی دے کر اس علاقہ کا گورنر بنادیا جائیگا بغیر کسی مزاحمت کے یہ مضبوط قلعہ دشمنوں کے حوالہ کردیا لیکن بعد میں انگریز جنرل لانگ اور اس میں زیادہ دن تک نباہ نہیں ہوسکا اور یہ انگریزوں سے الگ ہوگیا ایک روز جب یہ سلطان کے فوجی افسر میر معین الدین کے ہاتھ لگا تو اس نے اس کو اسی وقت سب کے سامنے سلطان سے غداری کی پاداش میں پھانسی پر چڑھادیا۔

۱۷) مہدی علی خان

یہ مراد آباد کا شیعہ مسلمان تھا میسور کی تیسری جنگ کے بعد تک سلطان کا وزیر تھا لیکن اس کی انگریزوں کے ساتھ ملی بھگت کا جب سلطان کو علم ہوگیا تو اس کو اس کے عہدہ سے معزول کردیا گیا جس کے بعد انگریزوں نے اس کو اپنی کمپنی کی طرف سے ایران کے شہر بوشہر میں ریذیڈنٹ کے عہدہ پر فائز کردیا جب سلطان کی

درخواست پر والی کابل زمان شاہ انگریزوں کے خلاف اسکی مدد کیلئے ایک بڑی فوج لیکر ہندوستان کی سرحد پر پہنچ گیا تو انگریزوں نے اسی نمک حرام کے ذریعہ کابل میں شیعہ وسنیوں کے بیچ مذہبی منافرت کے بیج بوکر ایران اور افغانستان کو میدان جنگ میں پہنچا دیا تھا جس کی وجہ سے فوری زمان شاہ کو ہندوستان کی سرحد ہی سے واپس کابل جانا پڑا تھا۔

۱۸) راجہ خان

یہ مرہٹہ نو مسلم اور سلطان کا ذاتی ملازم تھا اسلام قبول کرنے سے پہلے اس کا نام راجہ راؤ تھا انگریزوں نے اسے بہت پہلے ہی سے خرید لیا تھا لیکن سلطان ٹیپو کو اس کی غداری کی بھنک آخر تک نہیں لگ سکی چوتھی جنگ کے آخری دن جب سلطان سید عبدالغفار کی شہادت کی خبر سن کر گھوڑے پر سوار ہو کر قلعہ کی فصیل کے پاس انگریزوں کے مقابلہ کے لئے نکلا تو یہ بھی سلطان کے ساتھ ہی تھا اس نے اس کے حکم پر اپنے ساتھ پانی کا ایک چھاگل بھی رکھ لیا تھا آخری وقت میں دشمن کی گولیوں سے زخمی ہونے کے بعد سلطان کی تشنگی گرمی کی سخت دھوپ اور دشمنوں سے مسلسل برسرپیکار رہنے کے وجہ سے لحہ لحہ بڑھ رہی تھی لیکن اسس ملعون نے تشنہ لب ہی سلطان کو شہید ہونے پر مجبور کر دیا اسی منحوس نے آخری وقت میں سلطان کو مشورہ دیا تھا کہ اب تو شکست یقینی ہے اس لئے اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالہ کرنے ہی میں عافیت ہے اس سے کم از کم سلطان کی جان تو بچ جائیگی اس پر سلطان نے پلٹ کر غصہ کے عالم میں مخاطب ہوتے ہوئے یہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو خاموش رہو میرے لئے شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔"

سلطان کی شہادت کے بعد اس کے گلہ سے موتیوں کا قیمتی ہار بھی اس نے چرایا تھا لیکن بعد میں دشمنوں کے حملہ میں خود بھی مجروح ہوا اور سلطان کی پالکی میں پڑا پایا گیا اسی نے انگریز افسران کیلئے اس جگہ کی نشاندہی کی تھی جہاں سلطان زخمی ہو کر شہید ہوا تھا یہ مردود سلطان کی شہادت کے بعد بھی زندہ رہا انگریزوں کی طرف سے اس کو اس کی غداری کے صلہ میں میسور کے راجہ کی محدود سلطنت میں بخشی کا عہدہ دیا گیا اس کے علاوہ کڑکولہ کی جاگیر بھی دی گئی ایک عرصہ کے بعد میسور ہی میں مرا۔

۱۹) شیخ شہاب الدین

یہ عام طور پر سادے بہیری کے نام سے مشہور تھا ملیبار سے اس کا تعلق تھا منگلور کی فتح کے بعد سلطان ٹیپو نے اس کو وہاں کے محکمہ مالیات کا افسر مقرر کیا تھا ۱۷۹۲ء میں جب انگریزوں کو نصف سلطنت دینے کا معاہدہ ہوا تو حد بندی کمیشن میں سلطان کا نمائندہ یہی تھا لیکن ہمیشہ مغربی ساحل پر انگریزوں کے مفاد کیلئے کام کرتا رہا اور سلطنت خداداد کو نقصان پہنچانے میں کمپنی کے ساتھ سازش میں ہمیشہ شریک رہا سقوط سری رنگا پٹنم کے بعد کمپنی نے اس کو میسور کے راجہ کی حکومت میں بخشی کا عہدہ دیا اور کچھ زمین بھی غداری کے صلہ میں دی لیکن جلد ہی بیمار پڑ گیا اور میسور سے ارکاٹ جاتے ہوئے راستہ ہی میں مر گیا بعد میں میسور لا کر اس کو دفن کر دیا گیا۔

اٹھارواں باب

چند جانثاران ٹیپو جنھیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی

چند جانثاران ٹیپو جنھیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی

سلطنت خداداد کے زوال میں جس طرح ملت فروشوں اور احسان فراموشوں نے اہم رول ادا کیا اسی طرح آخر وقت تک اس کو بچانے اور سلطان ٹیپو پر اپنی جانیں نثار کرنے والے چند ایسے سر فروش بھی تھے جو ناامیدی کی فضاء میں ٹیپو کے شانہ بشانہ امید کی شمع بن کر دشمنوں سے برسر بیکار تھے گویا غداروں کی کثرت میں وفاداروں و سر فروشوں کی قلت بھی نہیں تھی تاریخ میسور یا سوانح ٹیپو میں ان سب کا سرسری تذکرہ آتا ہے حالانکہ ان میں سے ہر ایک کی قربانی ایسی تھی کہ مستقل ان پر کتابیں لکھی جاتیں جس طرح میسور کے محترم ڈاکٹر شفیع احمد شریف نے شہید آزادی کے نام سے سلطان کے ایک مخلص وفادار ملک جہاں کی سوانح حیات پر ایک مستقل کتاب لکھ کر اس کے کارہائے نمایاں کو ملت کے سامنے پیش کیا ہے اسی طرح دیگر سر فروشوں کے کارناموں کو بھی پوری انسانیت کے سامنے لایا جانا چاہیے ذیل میں ہم طوالت کے خوف سے صرف ان چند جانثاروں کے حالات مختصراً بیان کر رہے ہیں جو اس باب کی پوری فہرست میں سب سے زیادہ ممتاز و نمایاں کہے جاسکتے ہیں۔

١) برہان الدین

نواب حیدر علی کے بھائی سید شہباز کی لڑکی کا بیاہ ۱۷۵۴ء میں لالہ میاں شہید چرکوٹی کے ساتھ ہوا تھا بعد میں اسی لالہ میاں کی صاحبزادی اور برہان الدین کی بہن

رقیہ بانو سے سلطان ٹیپو کا نکاح ہوا اس طرح یہ سلطان کا برادر نسبتی تھا ٹیپو کے عہد میں میسور کی فوج میں سپہ سالار کے عہدہ پر فائز تھا اور سلطان کے رازداروں و چند قریبی لوگوں میں شامل تھا اسی نے ۱۷۸۴ء میں سب سے پہلے میر قمرالدین کی ٹیپو کے خلاف نظام حیدر آباد سے خط و کتابت کا راز فاش کیا تھا اس کے خلوص اور وفاداری سے سلطانی دربار کے ملت فروش بھی واقف تھے اسی لئے سلطنت خداداد کے خلاف ہونے والی خفیہ ریشہ دوانیوں میں اس کو شامل کرنے کی کبھی کوشش بھی نہیں کی گئی سلطان اپنے اس بردار نسبتی کا نکاح سلطنت کے ایک معزز قبیلہ اہل نوائط کی لڑکی اور اپنے وزیر بدرالزماں خان نائطہ کی صاحبزادی سے کرنا چاہتا تھا لیکن کسی وجہ سے یہ نکاح نہیں ہوسکا اسی کو بنیاد بنا کر بعد میں اہل نوائط کو سلطان کی نظروں میں معتوب کرنے کی کوشش کی گئی کہ اہل نوائط نے اپنے عالی نسبی کے گھمنڈ میں اس رشتہ کو منظور نہیں کیا حالانکہ خود سلطان ٹیپو کی ایک بیوی کے علاوہ اس کے دادا فتح محمد کی بیوی بھی اہل نوائط ہی سے تعلق رکھتی تھی اس طرح جب اس شاہی گھرانہ کا نسبی تعلق پہلے ہی سے اس قبیلہ سے تھا تو صرف اس کو بنیاد بنا کر بدرالزماں خان کے اس رشتہ کو منظور نہ کرنے کی کوئی وجہ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی

یہ بڑا ہی بہادر و جری افسر تھا شاہ نور میں سلطانی افواج کی فتح کے بعد اسی کی قیادت میں سلطانی افواج نے مصری کوٹ اور بنکاپورہ پر قبضہ کیا تھا ۱۷۸۹ء میں جب کلکتہ سے آنے والا انگریزی دستہ وانمباڑی کی طرف بڑھ رہا تھا تو ان کا مقابلہ کرنے کیلئے سلطان نے برہان الدین ہی کی قیادت میں ایک فوجی دستہ روانہ کیا تھا

جس نے چند ہی دنوں میں ساڑھے تین سو انگریزوں کو گرفتار کیا جب جنرل میڈوز اپنی شکست خوردہ فوج کی مدد کیلئے یہاں پہنچا تو اس کا بھی برہان الدین نے ناک میں دم کردیا اور اس کو ترچنا پلی فرار ہونے پر مجبور کردیا لیکن اس معرکہ میں رات کے اندھیرے میں جب سلطانی افواج انگریزوں کا تعاقب کررہی تھیں تو دشمن کی ایک گولی برہان الدین کو لگی جس سے اسی وقت اس جانباز سلطانی سپاہی کی شہادت ہوگئی اس وقت سلطان ٹیپو بدنور (حیدر نگر) میں تھا اس کی لاش کو جب پالکی میں ڈال کر سلطان کے پاس لایا گیا تو سلطان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے اور اس حادثہ پر اسکے تاثر و شدت غم کا یہ عالم تھا کہ اپنے بعض افسران کے مشورہ واصرار کے باوجود اس نے دشمنوں کے مزید تعاقب سے منع کیا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی افواج آسانی کے ساتھ مدراس پہنچنے میں کامیاب ہوگئی اور برہان الدین کی شہادت پر سلطان کے صدمہ سے سلطانی افواج فتح کے قریب پہنچتے پہنچتے رہ گئی۔

۲) سید عبدالغفار

یہ پہلے مدراس میں انگریز کمپنی میں فوجی ملازم تھا فروری ۱۷۸۲ء میں چند انگریزوں کے ساتھ گرفتار ہوا لیکن جلد ہی اس کو سلطان نے رہا کروادیا جس کے بعد اس نے سلطان کی ملازمت اختیار کرلی اور آخر تک اس کا وفادار رہا میسوری افواج میں سپہ سالار کے عہدہ پر فائز تھا وزارت دفاع کا سب سے اعلیٰ خطاب میر میراں پوری سلطنت میں سلطان کی طرف سے اسی کو ملا اس نے اپنی زندگی میں ایسے غیر معمولی کارنامے انجام دیئے کہ سلطان کو اس سے غیر معمولی تعلق ہوگیا تھا انگریزوں

اور مرہٹوں کی افواج کی مدافعت کیلئے عام طور پر اسی کی قیادت میں میسوری فوج روانہ کی جاتی تھی شہادت سے چند روز پہلے دارالسلطنت کے قلعہ میں پڑنے والے شگاف کے متعلق سلطان کو سب سے پہلے اطلاع دینے والا یہی تھا اور اسی کو سلطان نے شگاف کے قریب دشمنوں کی مدافعت کیلئے ایک دستہ دے کر رکھا تھا پہلے تو دیگر سپاہیوں کے ساتھ اس کو بھی پورنیا نے وہاں سے ہٹا کر مسجد اعلیٰ کے پاس بھیجنے کی کوشش کی لیکن یہ جب اس پر تیار نہیں ہوا تو میر صادق نے اس سے کہا کہ فوراً سلطان کے پاس جاکر دشمن کے حملہ کی اطلاع دے جب یہ اطلاع دے کر واپس آیا تو میر معین الدین نے اس پر گرمی کے بہانہ چھتری کا سایہ کیا گویا یہ انگریزوں کے لئے منصوبہ کے مطابق اشارہ تھا کہ یہی سید عبدالغفار ہے اس کو فوراً نشانہ بنایا جائے پھر کیا تھا توپ خانہ کا رخ اس کی طرف ہوا ایک گولہ اس کے جسم پر لگا اور وہ وہیں قلعہ کے جنوب مغربی حصہ میں جہاں سے فوج اندر داخل ہوئی تھی شہید ہو گیا سلطان کو جب اس کی شہادت کی اطلاع دی گئی تو اس سے رہا نہیں گیا وہ کھانا کھا رہا تھا ہاتھ میں لقمہ تھا اس کو وہیں چھوڑا اسی وقت اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کی طرف چل پڑا اور خود بھی اپنے ایک وفادار و مخلص رفیق کے ساتھ چند ہی گھنٹوں میں شہید ہو گیا۔

۳) محمد رضا خان

یہ نواب حیدر علی کے ماموں ابراہیم علی خان صاحب کا بیٹا تھا سلطانی فوج میں آتش خانہ کا کمانڈر اور وزارت دفاع (کچہری میر میراں) کا اعلیٰ افسر تھا اس کو

بنکی نواب بھی کہا جاتا تھا بڑا ہی بہار اور جانباز فوجی تھا مارچ ۱۷۹۹ء کی آخری جنگ میں کورگ کے محاذ پر ملولی (گلشن آباد) میں انگریزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے گولی لگ کر شہید ہوا اس وقت اس کا فرزند بھی دارالسلطنت میں دشمنوں کے ساتھ مصروف جنگ تھا

۴) غلام خداداد

سلطان کے ذاتی حفاظتی دستہ کا افسر تھا اصلاً پنجابی لیکن ایک زمانہ سے سلطنت میسور میں مقیم تھا بڑا ہی جانثار و مخلص تھا آخر تک سلطان کے ساتھ سایہ کی طرح چمٹا رہا اور سلطان کو بچانے کی برابر کوشش بھی کرتا رہا سلطان کی شہادت سے صرف نصف گھنٹہ قبل اسی جگہ شہید ہوا جہاں سلطان کی شہادت ہوئی تھی[1]

۵) ملک جہاں خان

اس جانباز سپاہی کی تفصیلات پچھلے صفحات میں مرہٹہ بھگوڑے کا قبول اسلام کے عنوان کے تحت گزر چکی ہیں یہ چنگیری شہر کا رہنے والا نو مسلم مرہٹہ سپاہی تھا اسلام قبول کرنے سے پہلے اس کا نام ڈھونڈیا واغ تھا ۱۷۸۰ء سے ہی سلطانی فوج میں شامل تھا لیکن ۱۷۹۲ء کو میسور کی تیسری جنگ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ کچھ سامان لے کر لکشمی ور بھاگ گیا جہاں بعد میں اس نے اپنے ساتھ چار سو سپاہیوں کو

[1] صحیفہ ٹیپو سلطان

بھی جمع کرلیا دھاڑوار پر مرہٹوں کے قبضہ کے بعد اس نے وہاں لوٹ مار شروع کردی پونا سے دو ہزار مرہٹہ سپاہی اس کے مقابلہ کیلئے بھیجے گئے جن کے سامنے اس کو پسپا ہونا پڑا اور اپنے دو سو ساتھیوں کے ساتھ ۱۷۹۵ء کو سلطان ٹیپو کی خواہش اور معافی کی پیش کش کے بعد اسکی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی اطاعت قبول کرلی جب سلطان نے اس کی جرات و بہادری کے پیش نظر اس کو اپنی فوج میں کمانڈر کے عہدہ پر متعین کردیا تو وہ اس کے اخلاق سے متاثر ہوکر اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہوگیا سلطان نے اس کا نام شیخ احمد رکھا لیکن یہ اپنے آپ کو ملک جہاں خان کہلانا پسند کرتا تھا بعد میں اسی نام سے اس نے شہرت بھی پائی سلطان کے دل میں اس کی بڑی عزت تھی جس سے میر صادق وغیرہ اس سے حسد کرتے تھے ایک دفعہ میر صادق نے اس پر سلطان کے خلاف بغاوت کا جھوٹا الزام لگا کر اس کو قید کروایا سلطان اس کو رہا کرنا چاہتا تھا لیکن پورنیا و میر صادق کے اصرار پر وہ اس کو رہا نہیں کرسکا اس کو سلطان نے اخراجات کیلئے روزانہ تین روپیئے دینے کا حکم بھی دیا اور ایک وزارت کی سربراہی بھی اس کے سپرد کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن اس کے حاسدوں نے اس پر مزید نئے الزامات لگا کر اس کو بدستور مقید ہی رکھا ملک جہاں خان اپنی اس قید و نظر بندی کیلئے سلطان کو بے قصور سمجھتا تھا اسی لئے سقوط سری رنگا پٹنم کے بعد وہ کسی طرح وہاں سے بھاگ نکل کر کاری گھاٹ کی پہاڑی میں موجود سلطان کے بڑے شہزادہ فتح حیدر علی سے ملنے میں کامیاب ہوگیا اور اس نے اس شہزادہ کو جنگ جاری رکھنے پر آمادہ کرنے کی بھی بہت کوشش کی لیکن اس کے اصرار کے باوجود فتح علی حیدر نے بعض مصلحتوں کے پیش نظر دارالسلطنت آکر ہتھیار ڈالنے ہی میں عافیت سمجھی لیکن اس نے دریائے تنگبھدرا کے آس پاس انگریزوں کے خلاف اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا جلد ہی اس کی قیادت میں دوبارہ سلطان کے وفادار سپاہی پھر اکھٹا ہونے لگے اور ان کی تعداد دیکھتے ہی دیکھتے پچیس ہزار تک پہنچ گئی مرہٹوں سے بھی اس نے جم کر مقابلہ کیا مریج کے مرہٹہ سردار پرسورام اور گھوکھلے کو ختم کردیا اب انگریز کمپنی کو خطرہ ہوگیا کہ کہیں سلطنت خداداد کا دوبارہ حصول ان سرفروشوں کا نصب العین نہ بن جائے چنانچہ گورنر جنرل لارڈ ولزلی نے ۱۸۰۰ء میں اپنے بھائی کرنل ویلزلی کی کمان میں اس کی سرکوبی کیلئے ایک فوجی دستہ روانہ کیا جس نے اسی سال میسور کے شمالی علاقہ میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس کی فوج میں شامل کڑپہ و کرنول کے پٹھانوں کی غداری کی وجہ سے ایک خونریز معرکہ میں کوٹھال بھنوار کے مقام پر حب الوطنی کی اس آخری نشانی کو بھی شہید کردیا[1] اس کے متعلق مزید تفصیلات کیلئے ڈاکٹر شفیع احمد شریف میسور کی کتاب شہید آزادی کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

۶) شیخ اسماعیل

یہ سلطانی افواج کے گیارہ سپہ سالاروں میں سے ایک تھے سقوط سری رنگا پٹنم کے دن یعنی ۴/ مئی کو جب سلطان کے وفادار و جانثار افسر سید عبدالغفار کی دوپہر کے وقت قلعہ کے شگاف کے پاس شہادت ہوئی تو اس کے بعد قلعہ میں مغربی گوشہ کی کمان سلطان نے ان ہی کے سپرد کی تھی لیکن چند ہی گھنٹوں میں بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے کئی انگریز سپاہیوں کو ختم کرکے یہ بھی شہید ہوگئے تھے۔

---

[1] شہید آزادی از ڈاکٹر شفیع احمد شریف

۷) محمد علی

یہ شروع سے ہی نواب حیدر علی کی فوج میں شامل تھا بعد میں ٹیپو نے اس کو ترقی دے کر سپہ سالار کے عہدہ پر فائز کیا سلطان کا نہایت ہی وفادار و جاں نثار تھا اپنی بہادری و ذہانت کی وجہ سے اس نے اس کے دل میں اپنے لئے ایک خاص مقام پیدا کر دیا تھا۔ طبیعتاً کچھ ضدی قسم کا تھا اس لئے نواب حیدر علی نے اس کو ایک دفعہ معزول بھی کر دیا تھا لیکن اپنی وفاداری و خلوص کی وجہ سے جلد ہی دوبارہ اپنے عہدہ پر بحال ہو گیا فطرت میں بڑی سادگی و فقیر پروری تھی جنگ میں اپنے حصہ میں آنے والے مال غنیمت کو اسی وقت غریبوں میں تقسیم کر دیتا تھا جب حیدر علی کی وفات کے بعد انچے شامیا نے سلطان ٹیپو کے خلاف بغاوت کر کے اس کا تختہ الٹنا چاہا تو اسی نے اپنی ذہانت و حکمت سے اس کو گرفتار کر کے قید کر دیا تھا بدنور (حیدر نگر) میں نواب حیدر علی کے لے پالک ایاز خان نے جب انگریزوں کے ساتھ مل کر بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ بمبئی کی فوج کے حوالہ کر دیا تو دوبارہ اسی کی قیادت میں سلطانی سپاہیوں نے اس پر قبضہ کیا تھا حیدر نگر کے قلعدار محمد قاسم خان کو اس کی سازش کی وجہ سے جب سلطان نے پھانسی کی سزا سنائی تو اس نے اس سے اپنے قدیم تعلقات کی وجہ سے ایک طرف سلطان سے اس کو معاف کرنے کی درخواست کی تو دوسری طرف اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے جلادوں کو اس کے قتل سے روک دیا اس کی اس حرکت پر اس کو کچھ دن نظر بند رکھا گیا تو اس نے اسی دوران خودکشی کر لی سلطان کو اپنے اس وفادار کی موت پر نہایت افسوس ہوا اس نے اس کی بیوہ و یتیم بچوں کی سرکاری خرچ پر پرورش کا بھی انتظام کیا سلطان کو زندگی بھر اس کا احساس رہا کہ اس نے اپنی وفاداری کے حق کو ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی صرف اس کی ضد و ہٹ دھرمی نے اس کو مارا انگریز مؤرخین اپنی کتابوں میں اس کا شمار سلطان کے غداروں میں کرتے ہیں اگر واقعی ایسا ہی تھا تو محمد قاسم خان کے ساتھ اس کو بھی پھانسی کیوں نہیں دی گئی اور سلطان نے اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد کی پرورش کا ذمہ کیوں لیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی ٹیپو کا خیر خواہ ہی تھا اور سلطان بھی اس کو اپنا مخلص ہی سمجھتا تھا قاسم خان کو بچانے کی اس کی کوشش محض اس سے اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے تھی ورنہ اس کی کسی بد نیتی کا اس میں قطعاً کوئی دخل نہیں تھا۔

۸) سید حامد

یہ سلطان ٹیپو کے ان مخصوص فوجی افسران میں شامل تھے جن پر اس کو غیر معمولی اعتماد تھا انگریزوں نے بھی ان کو کبھی خریدنے کی کوشش نہیں کی یہ ہمیشہ جنگوں میں سلطان کے ساتھ رہے ۱۷۸۳ء میں قلعہ بل (منظر آباد) کے راجہ کی بغاوت کو کچلنے میں بھی یہ سلطان کے دست راز تھے ۱۷۹۲ء میں میسور کی تیسری جنگ میں دار السلطنت کی مدافعت کرتے ہوئے اپنے چار سو ساتھیوں کے ساتھ شہید ہوئے ان کی قبر سلطان کے مقبرہ کے برآمدہ میں سری رنگا پٹنم ہی میں موجود ہے۔

۹) لالہ مہتاب رائے سبقت

یہ سلطان کا ذاتی منشی اور اس کا خاص متعمد تھا اردو فارسی میں اس کو دسترس حاصل تھی ملک و بیرون سربراہان مملکت کے نام ٹیپو کے خطوط کے مسودات عام

طور پر بھی تیار کرتا تھا ہمیشہ جنگوں میں بھی سلطان کے ساتھ ہی رہتا آخر تک سلطان کا وفادار ہی رہا۔ قادر الکلام شاعر بھی تھا ٹیپو کی مدح میں اس نے کئی قصیدے بھی لکھے تھے۔

۱۰) نواب حسین علی خان

ان کا پورا نام حسین علی خان بن قطب الدین خان تھا انتہائی خوبصورت اور بہادر سلطانی سپاہیوں میں ان کا شمار ہوتا تھا یہ بھی فوج میں سپہ سالار کے عہدہ پر فائز تھے پندرہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک فوجی دستہ ہمیشہ ان کی قیادت میں کسی ہنگامی حالات کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہتا تھا ان کا نکاح سلطان کے ایک معتمد شیخ عمرو کی اکلوتی لڑکی سے سقوط سری رنگا پٹنم سے صرف دو دن قبل یعنی ۲/ مئی ۱۷۹۹ء کو دار السلطنت کے دشمنوں کے محاصرہ کے دوران ہی شاہی محل میں سلطان کی موجودگی میں ہوا تھا لیکن ان کی نئی نویلی دلہن بھی ان کو سلطان کے دفاع کے لئے میدان جنگ میں کودنے سے باز نہیں رکھ سکی ۴/ مئی کی صبح انگریزوں کے ساتھ مقابلہ میں ان کے پیر میں ایک گولہ لگا جس سے انکا پورا بدن چھلنی ہو گیا اور یہ اسی وقت شہید ہو گئے ان کی یاد میں ان کی ایک دن کی بیوی نے بھی اپنی پوری زندگی بیوگی ہی میں گزاری اور ساری عمر ۴/ مئی کے اس ناگہانی سانحہ کو یاد کر کے روتی رہی یاد رہے کہ سلطان ٹیپو کے اکلوتے داماد کا نام بھی حسن اتفاق سے حسین خان ہی تھا جن کا انتقال ۱۸۱۰ء میں ہوا بعض لوگ غلطی سے دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

۱۱) شیخ میراں

یہ بھی سلطان کی فوج کے ایک نڈر افسر تھے ۱۷۹۰ء میں سلطان کے شانہ بشانہ انگریزوں کے ساتھ لڑتے ہوئے ستی منگل کے محاذ پر شہادت پائی ان کی قبر سری رنگا پٹنم ہی میں موجود ہے۔

۱۲) محمد امام الدین

سلطانی افواج میں سپہ سالار کے عہدہ پر فائز تھے آخری دم تک سلطان کے وفادار رہے ۱۷۹۹ء کی چوتھی جنگ میں دار السلطنت کے محاصرہ سے قبل ۶/ مارچ کو سداسیر کے مقام پر انگریزوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شدید زخمی ہوئے اس کے باوجود سلطان کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ۴/ مئی کو سلطان کے ساتھ لڑتے ہوئے قلعہ ہی میں شہید ہوئے۔

۱۳) خواجہ آفتاب خان

فوج میں ایک اہم افسر تھے میسور کی تیسری جنگ کے پہلے مختصر دور میں ۴/ ستمبر ۱۷۹۰ء کو سلطان کے ساتھ انگریزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ستی منگل میں شیخ میراں کے ساتھ شہید ہوئے ان کا مقبرہ سری رنگا پٹنم میں سلطان ٹیپو کی آخری آرام گاہ کے برآمدہ ہی میں ہے

۱۴) محمد جہاں گیر خان

یہ بھی موخر الذکر سلطان کے دو جانثاروں کی طرح فوج کے ایک افسر تھے اور

ان دونوں کے ساتھ ہی ۱۷۹۰ء میں انگریزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ستی منگل کے محاذ پر شہید ہوئے ان کا مزار بھی سری رنگا پٹنم ہی میں ہے۔

بدر الزماں خان نائطہ خیر خواہ یا بد خواہ فیصلہ خدا پر

اس کا تعلق اہل نوائط سے تھا سلطنت خداداد میں پہلے بدنور (حیدر نگر) کا گورنر تھا بعد میں سلطان ٹیپو کا وزیر بنا سلطان کے دل میں اس کی بڑی عزت تھی جس سے میر صادق اس سے حسد کرتا تھا ایک دفعہ اس نے اس کے متعلق سلطان سے غلط شکایت کر کے اس کو کچھ دنوں کیلئے نظر بند کر دیا تھا لیکن بعد میں جب پوری حقیقیت معلوم ہو گئی تو نہ صرف اس کو رہا کیا گیا بلکہ سلطان نے اس کو ترقی بھی دی اس کی مختلف حرکتوں اور سلطان کو اس کی طرف سے دیئے جانے والے بعض مشوروں سے بعد میں لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ بھی سلطان کا بد خواہ ہی تھا ورنہ علی الاعلان اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی تھی جو اسکو سلطان کا بے وفا ثابت کرتی اس کے متعلق الزامات کو نقل کرنے والے مؤرخین نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کیلئے کسی معقول یا مضبوط حوالہ کے بجائے صرف اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے پر اکتفا کیا ہے مشہور ہے / کہا جاتا ہے / مقامی روایت ہے ظاہر بات ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ و جملوں سے تاریخی طور پر کوئی چیز ثابت نہیں کی جاسکتی اسس طرح کی غیر مصدقہ روایات کو نقل کرنے والے سب سے پہلے نشان حیدری کے مصنف میر حسین علی کرمانی تھے ہم یہ تو نہیں کہتے کہ سلطان کے معاصر کرمانی اس کے بد خواہ یا ایک اسلامی و عربی قبیلہ کو بدنام کرنے کی سازش

میں انگریزوں سے ملے ہوئے تھے لیکن اتنا ضرور ہے کہ خود کرمانی کے مطابق انہوں نے نشان حیدری جو سلطان شہید کے حالات زندگی سے متعلق کسی بھی زبان میں لکھی جانے والی پہلی کتاب تھی سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں کے حکم و اصرار پر کلکتہ میں اپنی نظر بندی کے دوران لکھی تھی اس طرح لازمی طور پر انگریزوں کی منشاء و خواہش کے مطابق اس میں بعض غیر مصدقہ روایات و واقعات کو جگہ مل گئی ان ہی غیر معتبر روایات کو بنیاد بنا کر بعد میں محمود خاں بینگلوری نے اپنی کتاب سلطنت خداداد کے اندر پورے اہل نوائط کو سلطان اور ایک اسلامی سلطنت کا دشمن اور اس کے زوال کا اصل محرک ثابت کرنے کی کوشش کی چونکہ نشان حیدری فارسی میں تھی اور بعد میں اس کی دوبارہ طباعت و اشاعت کا کوئی معقول نظم بھی نہیں تھا اس لئے سلطنت خداداد میسور ہی بعد میں سلطان ٹیپو سے متعلق لکھی جانے والی اکثر کتابوں کا ماخذ و مرجع رہی اس لئے غیر شعوری طور پر بعد کی تمام کتابوں میں بھی اس کتاب کے حوالہ سے ان غیر مصدقہ روایات کو جگہ مل گئی محمود بینگلوری نے اہل نوائط کو سلطان ٹیپو کے حوالہ سے تمام مسلمانوں کی نظر میں معتوب کرنے کے لئے جس شخص کی کتابوں و تحریروں کا حوالہ دیا ہے وہ انگریز مصنف کرنل ولکس ہے جس کا تعصب اور اس کی اسلام دشمنی اظہر من الشمس ہے خود محمود بینگلوری کا یہ نظریہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال حرکتوں اور غلطیوں کا ذاتی طور پر ذمہ دار ہے اس کے لئے اس کے پورے خاندان یا قبیلہ کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا؎ اگر بالفرض بدر الزماں خاں نائطہ یا مہدی علی خاں نائطہ کی غداری و بے وفائی کو تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کے لئے پوری ملت

اسلامیہ کے سامنے اس کے قبیلہ کو معتوب وملعون کرنا کہاں کی دیانت داری ہے اہل نوائط سے متعلق اکثر الزامات کے حوالے مقامی روایات ہیں مثلاً محمود بینگلوری اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جب انگریزوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا تو اہل نوائط کے گھروں سے انگریز افسران کو پلاؤ اور مٹھائی تقسیم کی جارہی تھی اور خود کہتے ہیں کہ یہ مقامی روایت ہے جس کا کوئی حوالہ نہیں دیا جاسکتا اگر انسانی واسلامی تاریخ کی تدوین وترتیب میں مقامی روایات ہی کو ماخذ مان لیا جائے تو تاریخ پر سے لوگوں کا اعتماد ہی اٹھ جائے گا انہوں نے اپنی کتاب سلطنت خداداد میں اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی لکھا ہے کہ سلطان ٹیپو بدر الزماں خاں کی لڑکی سے اپنے برادر نسبتی برہان الدین کا نکاح کرنا چاہتا تھا لیکن اس لڑکی نے اس رشتہ کو غیر اہل نوائط سے ہونے کی وجہ سے اپنی توہین سمجھ کر اسی رات خود کشی کو ترجیح دی ٹیپو کی پوری سیرت پر نظر رکھنے والوں کے لئے اس واقعہ پر یقین کرنا بہت مشکل ہے اس لئے کہ اہل نوائط شاہی خاندان کو اپنے لئے غیر کفو ونا موزوں سمجھتے تھے ایسا ممکن ہی نہیں ہے سلطان ٹیپو کے دادا فتح محمد کی بیوی اور خود اس کی ایک بیگم بھی اہل نوائط ہی سے تعلق رکھتی تھی اس کے چچا سید شہباز کی لڑکی کا نکاح بھی نواب حیدر علی نے تربیت علی خاں نائط کے لڑکے کے ساتھ ہی کر دیا تھا اور یہ سب رشتے سلطان کے عنان حکومت سنبھالنے سے پہلے ہی ہو چکے تھے اس طرح جب پہلے سے ہی ٹیپو کا اہل نوائط سے نسبی وسسرالی رشتہ موجود تھا تو اب اہل نوائط اسی شاہی خاندان کے کسی فرد سے رشتہ قائم کرنے کو اپنی توہین سمجھتے ہوں بعید از قیاس بات ہے صحیح

[1] سلطنت خداداد صفحہ ۵۹۳

تاریخی روایات کے مطابق اہل نوائط کی طرح خود ٹیپو کا خاندانی سلسلہ بھی عربوں کے سب سے شریف اور معزز قبیلہ قریش سے ہی ملتا تھا سلطان کو اگر مجموعی طور پر اس قبیلہ کے لوگوں پر بھروسہ نہیں ہوتا تو وہ اپنی حکومت کے اعلیٰ فوجی ومذہبی مناصب پر انہیں کیسے بحال رکھتا

چوتھی جنگ میں جب فرانسیسیوں نے دار السلطنت کے انگریزوں کے محاصرہ کے بعد سلطان ٹیپو کو چتل درگ جانے کا مشورہ دیا تو بدر الزماں خان نے یہ کہکر سلطان کو روک دیا کہ اس وقت آپ کے جانے سے پوری فوج میں بددلی پھیل جائے گی اس لئے فوجی حکمت عملی کے تقاضہ کے تحت آپ کی موجودگی بے حد ضروری ہے اس کے اس مشورہ کو ہم کیوں کر اس کی بدنیتی پر محمول کر سکتے ہیں جو رائے اس نے پیش کی وہ حقیقت پر مبنی تھی اور خود سلطان نے بھی اس مشورہ کو مخلصانہ سمجھ کر چتل درگ جانے کے اپنے ارادہ کو منسوخ کر دیا لیکن ہم ان سب چیزوں کے باوجود اس کا بھی فیصلہ نہیں کرتے کہ بدر الزماں خان واقعی ذاتی طور پر اپنے دل سے بھی سلطان کا مخلص اور خیر خواہ تھا لیکن جب تک اس کے متعلق غداری کے واضح ثبوت ہمیں نہیں ملتے اس کو ہم بے وفا ثابت کرنا دیانت داری و انصاف کے اسلامی اصولوں کے منافی سمجھتے ہیں جہاں تک سوال ہے اس کی ایک دفعہ نظر بندی کا تو جیسا کہ معلوم ہوا کہ یہ سب کھیل میر صادق نے اس سے اپنی ذاتی دشمنی کی بناء پر کیا تھا جس طرح اس نے ملک جہاں خان کو غلط الزامات لگا کر سلطان کی شہادت تک مقید رکھا تھا اس طرح کی ذلیل حرکتیں اپنے عہدہ ومنصب کا ناجائز فائدہ اٹھا کر میر صادق کسی سے اپنی ذاتی دشمنی نکالنے کیلئے کرنے کا ہمیشہ عادی تھا

اس لئے صرف اس کی نظر بندی کو بنیاد بنا کر اس کی سلطان سے بے وفائی یا غداری کو ثابت کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔

اگر بالفرض اس کو بے وفا یا غدار سلطنت ثابت کر بھی دیا جائے تو اس کے حوالہ سے اس کے پورے قبیلہ کو مورد الزام ٹھہرانا کہاں کی دیانت داری و انصاف پسندی ہے۔

انیسواں باب

سقوط سری رنگا پٹنم

پس منظر اسباب و محرکات اور شہادت ٹیپو کے ہندوستان و عالم اسلام پر مرتب ہونے والے اثرات

سلطنت خداداد کے زوال کے اسباب و محرکات

سلطان ٹیپو نے ظاہری طور پر اگرچہ ۱۷۹۹ء میں انگریزوں کے ساتھ شکست کھائی اور وہ بظاہر ناکام بھی رہا لیکن اس کی شکست و ناکامی اس کی عظمت کو کم نہ کر سکی سلطنت خداداد کے زوال کی صورت میں اسلامی تاریخ کا جو عظیم سانحہ پیش آیا اس کا اثر نہ صرف ہندوستانی سیاست پر پڑا بلکہ پوری عالمی سیاست میں بالعموم اور عالم اسلام میں بالخصوص اس کے اثرات محسوس کئے گئے ٹیپو کی شہادت کے بعد ہی انگریزوں کی زبان سے پہلی دفعہ یہ الفاظ نکلے کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے ورنہ اس سے پہلے ملک کے ہزاروں مربع کلومیٹر علاقوں پر قبضہ کے باوجود ان کو جرات نہیں ہو سکی کہ وہ ہندوستان کو اپنا کہہ سکیں لیکن کسی بھی مورخ کیلئے جو ملک کی از سر نو تاریخ مرتب کرے یا سلطان ٹیپو پر مزید کسی تحقیقی کام کا بیڑہ اٹھائے اس کی اس شکست کے ان اسباب و محرکات کا پتہ لگانا بے حد ضروری ہے جس کی بناء پر یہ عظیم سانحہ پیش آیا ذیل میں ہم سقوط سری رنگا پٹنم کے پس منظر میں جا کر ان ہی اسباب کا پتہ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں جس سے سلطان ٹیپو کی ہزیمت اور انگریزوں کی فتح کو سمجھنے میں قارئین کو مدد ملیگی اس میں ہم نظام و مرہٹوں کے انگریزوں سے فوجی اشتراک وغیرہ کے خارجی عوامل کے بجائے صرف داخلی اسباب و محرکات کا جائزہ لینگے۔

۱) اپنوں کی غداری

عام طور پر مورخین سلطنت خداداد کے زوال کے اسباب میں سب سے زیادہ اہمیت اسی کو دیتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عنصر نے بھی سلطان ٹیپو کی شہادت میں اہم رول ادا کیا اور سقوط سری رنگا پٹنم کیلئے اس سبب کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا انگریزوں کیلئے اپنی فتح کو یقینی بنانے کیلئے سب سے زیادہ اہمیت اسی پہلو کی تھی چنانچہ مشہور مورخ محب الحسن صاحب کی تحقیق کے مطابق گورنر جنرل لارڈ ولزلی نے ایک کمیشن اسی کام کیلئے قائم کیا تھا جس کے ارکان کیپٹن مالکم، کیپٹن میکالے، کرنل کلوز اور کرنل ایگنو وغیرہ تھے اس کمیشن کا کام ٹیپو کے وزراء و افسران کو خریدنا مال و دولت اور اقتدار کا لالچ دے کر ان کو اپنا طرفدار بنانا اور عام مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کر کے سلطان کے متعلق ان کے دلوں میں بددلی پیدا کرنا تھا اس کے علاوہ میسور کے سابق ہندو حکمراں خاندان کے ارکان سے بھی اس سلسلہ میں رابطہ کی ذمہ داری کمیشن کو سونپی گئی تھی کمیشن نے ٹیپو کی طرف سے جلاوطن کئے گئے مہدویوں کو بھی اپنی سوار فوج میں بھرتی کر لیا تھا بے وفائی و غداری، سازش و نمک حرامی، احسان فراموشی اور ضمیر فروشی کی ان تمام تفصیلات کا ہم پچھلے صفحات میں جائزہ لے چکے ہیں اس لئے اب اس پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲) نرم دلی اور ماتحتوں پر حد سے زیادہ اعتماد

اپنے والد نواب حیدر علی کے مقابلہ میں سلطان ٹیپو نسبتاً رحمدل تھا اس کی اسی نرم دلی اور اپنے وزراء و درباریوں پر حد سے زیادہ اعتماد ہی نے اس کو یہ دن دکھائے اور دشمن بآسانی اپنی چال میں کامیاب ہوگئے اس کی اسی فراخدلی سے اس کے دشمنوں نے فائدہ اٹھایا، میر صادق پورنیا میر قمرالدین اور میر معین الدین میں سے ہر ایک کی بدنیتی کا اس کو مختلف مواقع پر اندازہ ہوگیا تھا اور ان میں سے کئی ایک بطور سزا اپنے عہدوں سے معزول بھی کردئے گئے تھے لیکن ان کی چرب زبانی اور مکاری و عیاری کو وہ شاید سمجھ نہیں سکا اور جب ان لوگوں نے معذرت کی اور کسی طرح سلطان کو خوش کرنے میں کامیاب ہوگئے تو اس نے ان کی پچھلی ناقابل معافی غلطیوں کو بھول کر ان کے سابقہ مناصب پر بحال کردیا حالانکہ اعلیٰ سطح پر ۲/۴ اس کے وزراء و افسران کو چھوڑ کر تمام لوگوں کو انگریزوں نے دولت و اقتدار کا لالچ دے کر خرید لیا تھا اسطرح دشمنوں کی خبریں اور ان کی سازشوں کی اطلاعیں پہلے کی طرح ان ضمیر فروشوں کی وجہ سے سلطان کو سب سے اخیر میں ملیں اپنے انتقال کے وقت نواب حیدر علی نے اس کو وصیت کی تھی کہ میر صادق اور پورنیا وغیرہ اپنی بعض حرکتوں کی وجہ سے ناقابل معافی بن گئے ہیں اس لئے سلطنت خداداد کی بقاء کیلئے ان کا خاتمہ ناگزیر ہے لیکن سلطان اپنی اصول پسند طبیعت کی وجہ سے کسی کے خلاف کاروائی الزام کے پایہ ثبوت کو پہنچے بغیر نہیں کرتا تھا میر صادق و پورنیا کے خلاف کاروائی میں بھی اس کی یہی اصول پسندی مانع تھی اگر یہ لوگ پہلے ہی ٹھکانے لگادئے جاتے تو شاید دوسروں کیلئے عبرت ہوتی اور اتنی جلد سقوط سری رنگا پٹنم کا سانحہ شاید پیش نہیں آتا ان ہی غداروں

کے بہکاوے میں آکر اس نے ان کے غلط الزامات اور جعلی شہادتوں و گواہیوں کے بعد اپنے بعض وفادار و مخلص لوگوں کو اپنی ملازمت سے نکال کر نئے لوگوں کو بھرتی کردیا تھا مثلاً مرہٹہ نو مسلم ملک جہان خان وغیرہ اگر یہ لوگ سلطان کے ساتھ ہوتے تو شاید کچھ دن اور سلطنت باقی رہتی ۱۷۹۲ء میں معاہدہ سری رنگا پٹنم کے بعد سلطان نے رعایا کو نظم حکومت میں شامل کرنے کیلئے پارلیمان قائم کی تھی جس کے بعد سلطنت کے اکثر اختیارات اس کے وزراء کی طرف منتقل ہوگئے تھے سلطان اکثر اپنے خالی اوقات عبادات و وظائف میں گزارتا تھا جس کی وجہ سے عوامی شکایات کا بھی اس کو بہت کم علم ہوتا تھا۔

۳) مردم شناسی کی کمی

نواب حیدر علی اپنی ناخواندگی کے باوجود مردم شناس تھے لیکن سلطان میں اپنے والد کے مقابلہ میں اس کی کمی تھی حیدر علی نے پورنیا و میر صادق کی نیتوں کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا اس لئے انتقال کے وقت ان کو ٹھکانے لگانے کا حکم بھی دیا تھا سلطان نے نہ صرف ان کو معاف کیا بلکہ آستین کے دوسرے سانپوں کو بھی وہ پہچان نہیں سکا کسی کی چرب زبانی سے حیدر علی قطعاً متاثر نہیں ہوتے لیکن سلطان میں یہ کمزوری تھی کہ وہ لوگوں کی ظاہری باتوں ان کی بار بار کی قسموں وغیرہ سے جلد متاثر ہوجاتا اور ان کو نہ صرف درگزر کرتا بلکہ ان کو ان کے عہدوں میں ترقی بھی دیتا۔

۴) فوجی حکمت عملی کی ناکامی

سلطان ٹیپو اگرچہ اپنے ناخواندہ والد کے مقابلہ میں تعلیم یافتہ اور اصول سیاست سے زیادہ واقف تھا لیکن ناخواندگی کے باوجود جنگی مہارت و فوجی حکمت عملی حیدر علی کو حاصل تھی ٹیپو میں نسبتاً اس کی بھی کچھ کمی تھی مثلاً حیدر علی نے اپنی فوج میں سوار سپاہیوں پر زیادہ توجہ دی تھی اس کے پاس چوبیس ہزار سواروں کے مقابلہ میں صرف پندرہ ہزار پیدل سپاہی تھے ٹیپو نے جب عنان حکومت سنبھالی تو اس نے پیدل فوج میں تو اضافہ کر کے اس کو پچاس ہزار تک کر دیا لیکن سوار دستہ میں کمی کر کے اسں کو صرف بیس ہزار ہی رکھا انگریزوں کی جنگی چال کو دیکھتے ہوئے اور سابقہ تجربات کی بناء پر سوار فوج کو گھٹانا اس کا غلط حکمت عملی پر مشتمل فیصلہ تھا ۱۷۹۹ء میں دارالسلطنت کے محاصرہ کے موقع پر قلعہ میں ۲۱۸۳۹ سلطانی سپاہی تھے لیکن وہ سب کے سب پیدل ہی تھے حالانکہ قلعہ نہایت مستحکم تھا اس کے باوجود دشمنوں نے آسانی کے ساتھ اس پر قبضہ کر لیا اسی طرح فوجی حکمت عملی کے تحت سلطان کو چاہیئے تھا کہ وہ دشمنوں کے دارالسلطنت کے محاصرہ کو مزید طول دیتا جیسا کہ وہ تیسری جنگ میں اس کا کامیاب تجربہ کر چکا تھا لیکن اس پر اس نے توجہ نہیں دی حالانکہ بعد میں خود انگریزوں کا کہنا تھا کہ اگر ان کا محاصرہ طویل ہوتا تو ان کیلئے مسائل پیدا ہوتے اور اتنی جلد دارالسلطنت پر قبضہ ان کیلئے ممکن نہ ہوتا مزاحمت نہ کرنے کے ٹیپو کے غداروں کے یقین دلانے پر انگریزوں نے سری رنگا پٹنم کے آس

پاس کے راستوں کی ناکہ بندی نہیں کی تھی اخیر میں سلطان کو اس کا علم بھی ہو گیا تھا اگر پوری سلطنت میں مختلف جگہوں پر پھیلی ہوئی اپنی پونے دولاکھ فوج میں سے دو تہائی فوج کو بھی دارالسلطنت کی طرف بڑھنے کا فوراً حکم بھیجتا تو انگریزوں ونظام کی فوج کا چاروں طرف سے محاصرہ کیا جا سکتا تھا جس کے بعد دشمنوں کی توجہ بٹ جاتی اور وہ جارحیت کے بجائے اپنے دفاع ہی پر بس کرتے اور ان کی توجہ سری رنگا پٹنم پر حملہ کے بجائے اب اس محاصرہ کو توڑنے ہی پر مرکوز ہوتی لیکن سلطان نے اس پر بھی توجہ نہیں دی۔

۵) دشمنوں کا اتحاد اور ٹیپو کی تنہائی

نواب حیدر علی کو متحدہ دشمنوں سے کبھی مقابلہ کی نوبت پیش نہیں آئی میسور کی پہلی جنگ میں نظام کی افواج حیدر علی کی طرف سے پچاس ہزار روپے کی پیشکش کے بعد انگریزوں سے الگ ہو گئی تھیں دوسری جنگ میں فرانسیسی اس کے حلیف تھے نظام غیر جانب دار تھا اور مرہٹہ خود انگریزوں سے برسرپیکار تھے برخلاف ٹیپو کے کہ اس کے دشمن متحد تھے نظام چوتھی جنگ میں انگریزوں کے ساتھ شانہ بشانہ شریک تھا مرہٹہ اگرچہ اپنے پڑوس میں ایک مضبوط اسلامی سلطنت کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتے تھے لیکن ان کی کچھ اپنی مجبوریاں بھی تھیں جس کی وجہ سے وہ اس جنگ میں بظاہر غیر جانب تھے فرانسیسیوں کی جانب سے بھی اس کو کوئی بڑی مدد نہیں مل سکی حیدر کے ساتھ جنگ میں انگریزوں کے پاس سوار فوج نہیں تھی نظام کی ان کے ساتھ شمولیت کی وجہ سے ہی ان کو سوار دستے مل گئے تھے جس کے بعد کچھ دستے

خود انہوں نے بھی تیار کر لئے تھے اس طرح ٹیپو کو یہ آخری وفیصلہ کن جنگ اپنے متحدہ دشمنوں سے تنہا ہی لڑنی پڑی اگر ٹیپو کے مقابلہ میں انگریز تنہا بھی ہوتے تو شاید جنگ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میسور کی پہلی اور دوسری جنگ میں حیدر علی کی فوج دشمنوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی لیکن آخری جنگ میں معاہدہ سری رنگا پٹنم کے مطابق آدھی سلطنت کھونے کے بعد ٹیپو کی فوجی قوت میں بھی نمایاں کمی آگئی تھی۔

۶) انگریزوں کی فوجی تنظیم

سلطان ٹیپو کی ۱۷۹۲ء کی تیسری جنگ میں شکست اور معاہدہ کے مطابق نصف سلطنت انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کو دینے اور تین کروڑ روپے تاوان جنگ کی ادائیگی کی وجہ سے اس کے وسائل اب محدود ہو گئے تھے جبکہ انگریز دن بدن منظم و مسلح ہو رہے تھے انہوں نے اپنی فوج کی تنظیم پر از سر نو توجہ دی سوار دستوں میں اضافہ کیا اور ٹیپو کے ان مقبوضہ علاقوں سے جہاں اس کے اسلحہ سازی کے کئی کارخانے تھے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلحہ و گولہ بارود کا زبردست ذخیرہ جمع کر لیا فوجی و سیاسی اعتبار سے بھی ان کو ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ پہلے ہندوستان میں انگریز گورنر جنرل کسی بھی فوجی کاروائی کیلئے لندن سے حکم کا منتظر رہتا تھا لیکن بعد میں اپنی اس پالیسی میں تبدیلی کر کے انہوں نے ملک میں اپنے گورنر جنرل کو کسی بھی کاروائی کیلئے مکمل اختیارات دے دیئے تھے پہلی اور دوسری میسور کی جنگ تک گورنر جنرل اور کمانڈر ان چیف کے عہدہ پر الگ الگ لوگ فائز ہوتے جس کی وجہ سے

اختیارات تقسیم ہو جاتے تھے لیکن تیسری اور آخری جنگ میں ایک ہی شخص کو ان دونوں عہدوں پر فائز کیا گیا پہلے مدراس و بمبئی میں مقیم انگریز کمپنی کے گورنر براہ راست وزیر اعظم برطانیہ ہی کے تابع تھے لیکن اس ضابطہ میں تبدیلی کر کے ان دونوں عہدیداروں کو بھی گورنر جنرل ہی کے ماتحت کر دیا گیا اس طرح اب ہندوستان میں گورنر جنرل بروقت فیصلے کرنے کا مجاز تھا جس سے انگریزوں کو مختلف فوری کاروائیوں میں بڑی مدد ملی۔

۷) مذہبی رسومات پر پابندی سے عوام کی خفگی

بحیثیت ایک سچے مسلمان کے سلطان ٹیپو نے اپنی سلطنت میں رائج محرم کے تعزیوں اور مریدی کی بعض غلط تجارتی رسومات وغیرہ کو ممنوع قرار دیا تھا جس سے ان جاہلی رسم و رواج کے ٹھیکیداروں کی آمدنی بھی بند ہو گئی تھی چونکہ مسلم عوام کی اکثریت ناخواندہ تھی اور یہ سلسلہ ان کے اندر ایک زمانہ سے چلا آرہا تھا اور ان سب چیزوں کو مذہبی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اس لئے جہالت کی وجہ سے کچھ لوگ ہی سہی ان مذہبی اصلاحات کی وجہ سے سلطان سے ناراض ہو گئے تھے ان کی اسی ناراضگی سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے ان کو سلطان کے خلاف مزید بھڑکایا اور ان کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کر دیا یہاں تک کہ انگریزوں نے شریف مکہ کا فتویٰ بھی سلطان کے خلاف شائع کر کے پوری سلطنت میں پھیلا دیا ان سب کی تفصیلات پچھلے صفحات میں گزر چکی ہیں۔

۸) فرانسیسیوں سے آخری وقت تک غیر ضروری رابطہ

فرانسیسیوں سے سلطان کے حد سے زیادہ روابط نے بھی انگریزوں کو اس کے خلاف بھڑکانے میں اہم رول ادا کیا اس لئے کہ انگریز عالمی سطح پر فرانسیسیوں کے سیاسی حریف تھے حالانکہ بار بار کوششوں کے باوجود اس کو فرانس سے انگریزوں کے خلاف کوئی باقاعدہ فوجی مدد نہیں مل سکی لیکن وہ آخر تک پر امید ہی رہا اور ان سے اس سلسلہ میں برابر رابطہ بھی رکھا جس کی خبریں انگریزوں کو جاسوسوں کے ذریعہ برابر مل رہی تھیں اس طرح ان فرانسیسیوں سے اس کو کوئی فوجی مدد تو نہیں ملی بلکہ انکے ساتھ اس کے بے فائدہ تعلقات نے انگریزوں کو جنگ کا بہانہ فراہم کر دیا یہ الگ بات تھی کہ کچھ فرانسیسی جو اس وقت ہندوستان میں مقیم تھے سلطان کی فوج میں ذاتی طور پر ملازم تھے لیکن براہ راست فرانس سے یا ہندوستان میں مقیم ان کی کمپنی سے اسکو کوئی باقاعدہ مدد نہیں مل سکی۔

ٹیپو کے زوال کا ہندوستانی سیاست پر اثر

۱۷۹۹ء میں ٹیپو کی شہادت اور سلطنت خداداد کے زوال کے بعد انگریزوں کے مقابلہ کیلئے پورے ہندوستان میں کوئی بڑی طاقت نہیں رہ گئی تھی ملک میں ان کے توسیع پسندانہ عزائم کی راہ میں ٹیپو ہی سب سے بڑی رکاوٹ تھا اس کی شہادت کے بعد ہی ان کی زبان سے پہلی دفعہ یہ معنی خیز جملہ نکلا کہ آج سے ہندوستان

ہمارا ہے ٹیپو کی زندگی میں خود ان کے مطابق ان کی زبان سے ان الفاظ کی ادائیگی بے معنی تھی ۱۸۰۰ء میں نظام حیدر آباد سے اپنا مطلب پورہ کر لینے کے بعد اس کی بھی رہی سہی خود مختاری چھین لی گئی اس کو دیے گئے تمام مقبوضات ایک ہی سال کے اندر واپس لے لئے گئے اور وہ بھی اب ان کا عملاً محکوم بن کر رہ گیا پہلی ہی دھمکی میں خود اس نے اپنے نئے مقبوضات بڑی بے شرمی سے ان کے حوالہ کر دیئے ادھر پونا میں مرہٹہ سردار نانا نے جب ٹیپو کی شہادت کی خبر سنی تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا کہ "ٹیپو کیا ختم ہو گیا برطانوی طاقت میں اضافہ ہو گیا اب پورہ ہندوستان ان کا ہے" ایک اور مرہٹہ سردار نے کہا کہ ٹیپو کا مارا جانا میرے داہنے بازو کے کٹ جانے کے برابر ہے ناگپور کے مدھوجی بھونسلے پونا کے نانا فرنویس اندور کے تکوجی ہلکر اور سندھیا وغیرہ کی افواج ملکر بھی جو مجموعی طور پر ٹیپو کی افواج سے کہیں زیادہ تھیں کمپنی کا مقابلہ نہیں کر سکی ۱۸۰۳ء میں فرخ آباد کے مقام پر ہلکر کی افواج کو انگریزوں نے شکست فاش دی ۱۸۰۳ء میں دہلی کے آس پاس موجود تمام مرہٹہ سرداروں سندھیا اور بھونسلے وغیرہ کی افواج کو کمپنی نے شکست دے کر آگرہ و علی گڑھ میں ان کے مقبوضات پر بھی قبضہ کر لیا بڑودہ و گجرات پر قبضہ کے بعد انگریزوں نے پونا میں پہلے اپنا ریذیڈنٹ مقرر کیا اور پھر ۱۸۱۸ء میں اس پر قبضہ بھی کر لیا ادھر میسور کے نو عمر ہندو راجہ نے بھی چند ہی دنوں میں اپنے تمام علاقے کمپنی کے حوالہ کر کے برائے نام ہی میسور کے تخت پر فائز رہنا گوارہ کیا دہلی کا شاہ عالم بھی انگریزوں کی پناہ میں آ گیا اور اس کی حیثیت بھی عملاً کمپنی کے باج گزار کی بن گئی ۱۸۳۵ء میں اس کا نام سکوں سے بھی خارج کر دیا گیا ۱۸۴۳ء میں انگریزوں نے

سندھ کو بھی اپنے مقبوضات میں شامل کرلیا ۱۸۵۶ء میں اودھ کی برائے نام حکومت بھی ختم کردی گئی سکھوں کے ساتھ دو لڑائیوں کے بعد ۱۸۴۹ء میں ہی ان کی حکومت چلی گئی تھی شاہ عالم کے بعد اکبر شاہ دوم اور بہادر شاہ ظفر بھی ۱۸۵۷ء تک صرف لال قلعہ ہی پر حکمرانی کرتے رہے اور انگریزوں کی طرف سے ملنے والے وظیفوں پر ہی ان کا انحصار رہا ۲۲/ ستمبر ۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں سینکڑوں سالوں سے چلی آرہی اسلامی سلطنت اور مغلیہ حکومت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کو بھی انگریزوں نے قید کرکے رنگون جلاوطن کردیا جہاں اس کا ۱۸۶۲ء میں اسی حالت میں انتقال ہوگیا غرض یہ کہ ٹیپو کی شہادت کے اثرات ہندوستان کی سیاست میں صرف اٹھاون سال میں ہی ظاہر ہوگئے اور پورے ملک پر ان کا قبضہ ہوگیا اور ان کی شمالی سرحدیں درخیبر تک پھیل گئی۔[1]

سلطنت خداداد کے زوال کا اثر عالم اسلام پر

۱۷۹۹ء میں ٹیپو کی شہادت اور سلطنت خداداد کے زوال کا جو اثر عالم اسلام پر پڑا وہ تاریخ کے کسی بھی طالبعلم کیلئے اظہر من الشمس ہے ۱۶۲۵ء میں پہلی دفعہ مغل بادشاہ جہانگیر کے زمانہ میں انگریز باضابطہ سفارتی مشن پر ہندوستان آئے حالانکہ ۱۶۱۵ء ہی میں تھامس راؤ بھی ہندوستان اپنی حکومت کا سفیر بن کر آچکا تھا لیکن اس سے انگریزوں کے ہندوستان سے باقاعدہ سفارتی تعلقات قائم نہیں ہوسکے تھے ۱۷۹۹ء تک اپنی تجارت وسیاست کے پونے دوسو سال کے دوران انھوں نے

[1] انسائیکلوپیڈیا آف تاریخ عالم از ولیم ایل لینگر

ہندوستان کے مختلف علاقوں پر قبضہ کرلیا بمبئی مدراس اور بنگال میں کمپنی کے مقبوضات فوجی وجغرافیائی اہمیت کے اعتبار سے کسی طرح بھی میسور کے مقابلہ میں کم نہیں تھے دہلی کے شاہ عالم حیدرآباد کے نظام اور کرناٹک کے نواب محمد علی ان کی بساط سیاست کے مہرے بن گئے تھے جس کے بعد ان کے علاقے بھی عملاً انگریزوں ہی کے ماتحت تھے ان سب کے باوجود ان کے اطمینان نہیں تھا اور وہ ہندوستان کو اپنا نہیں کہہ رہے تھے میسور میں ان کے خطرناک عزائم کو بھانپنے والا تنہا ٹیپو ہی ان کیلئے بدستور خطرہ تھا یہی وجہ تھی کہ اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں ان انگریزوں نے پورے ہندوستان سے اپنی پوری توجہ کو سمیٹ کر صرف میسور پر مبذول کردیا برطانیہ کا وزیر اعظم بذات خود ہندوستان میں کمپنی کی سیاسی سرگرمیوں کی نگرانی کررہا تھا ۱۷۹۹ء میں ملک میں آزادی کی شمع جب بجھ گئی اور ٹیپو شہید ہوا اور سلطنت خداداد میں صرف سری رنگا پٹنم پر ہی انگریزوں کا قبضہ ہوا تو سرجان تھروتر نے گورنر جنرل لارڈ ولزلی کو مبارکباد دیتے ہوئے لکھا کہ سقوط سری رنگا پٹنم ہماری تاریخ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے ویلزلی نے خود کہا کہ اب ٹیپو کی شہادت کے بعد کوئی حکمران ہمارے خلاف کچھ کرنے کی جرات نہیں کرسکیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا صرف ۵۸ سال کے اندر پورے ملک میں ان کا پرچم لہرانے لگا اور ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کی گیارہ سو سالہ قدیم اسلامی حکومت کا بھی بہادر شاہ ظفر کی رنگون جلاوطنی کے ساتھ خاتمہ ہوگیا ٹیپو کی شہادت سے پہلے عالم اسلام کے مختلف مسلم ممالک کے پاس دنیا کے جملہ رقبہ میں ۱۷٪ تناسب کے ساتھ ایک کروڑ، ۵۰ لاکھ مربع میل رقبہ تھا حالانکہ اس وقت بھی مغربی سامراج کی مسلم ممالک پر قبضہ کیلئے

ریشہ دوانیاں جاری تھیں لیکن اس وقت اسلامی دنیا کا سب سے بڑا ملک ہندوستان تھا اور ہندوستان میں بھی ان کیلئے سب سے بڑی رکاوٹ ٹیپو ہی تھا اس لئے اس کے ہوتے ہوئے ان کو اپنے ناپاک مقاصد میں خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی جب یہ دیوار ان کے راستہ سے ہٹ گئی تو انہیں اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں دیر نہیں لگی صرف نصف صدی کے اندر پہلے تو پورے برصغیر پر ان کا قبضہ مکمل ہوا اس کے بعد عالم اسلام کے مختلف سولہ ممالک ایشیاء کے دس، ملیشیا، برونی عراق قطر عمان مالدیپ کویت بحرین متحدہ عرب امارات اور اردن اور افریقہ کے چھ یعنی مصر سوڈان نائجیریا یوگینڈا تنزانیہ اور گمبیا پر ان کا قبضہ ہو گیا آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس کے نتیجہ میں ٹیپو کی شہادت کے صرف پچاس ساٹھ سال کے اندر عالم اسلام کا رقبہ ۱۷٪ سے گھٹ کر صرف ۵٪ یعنی ایک کروڑ، ۵ لاکھ مربع میل کے بجائے صرف ۵۴ لاکھ مربع میل ہو گیا جو دوسرے الفاظ میں پوری تیرہ سو سالہ اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا سیاسی زوال تھا اگر ٹیپو کچھ اور سال زندہ رہتا تو اتنی جلد شاید انگریزوں کو ہندوستان سے فرصت ہی نہیں ملتی اور ان کیلئے اس کے بعد عالم اسلام کے دوسرے حصوں پر توجہ دینے کی نوبت بھی نہیں آتی اس طرح ٹیپو کی شہادت اور سلطنت خداداد کے زوال کا عالم اسلام کو بحیثیت ایک مبلغ اسلام نہ صرف دینی نقصان ہوا بلکہ بحیثیت ایک مسلم حکمران اسکی شہادت سے عالم اسلام کی سیاست پر بھی غیر معمولی اثرات مرتب ہوئے گویا ٹیپو کا انگریزوں کے مقابلہ میں وجود ہی ان کی توجہ کو اسلامی دنیا کے دوسرے علاقوں پر بانٹنے سے روکے ہوئے تھا۔

بیسواں باب

ٹیپو بحیثیت انسان ومذہبی روادار

مذہبی رواداری

مغربی مؤرخین اور خود ہندوستان کے بعض متعصب ہندو مصنفین کی طرف سے بھی سلطان ٹیپو پر عام طور پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ انتہائی متعصب تھا اس نے اپنی حکمرانی کے دوران ہندوؤں اور عیسائیوں پر ظلم کیا مندروں کو ڈھا کر اس کی جائیدادیں ضبط کیں غیر مسلموں کا اجتماعی ختنہ کروایا اور جبراً بے شمار لوگوں کو مسلمان بنایا چنانچہ مشہور انگریز مؤرخ لیون بی بورنگ سلطان کے مذہبی جوش سے متعلق اپنے نوٹس میں لکھتا ہے کہ وہ تعصب کے اعتبار سے نادر شاہ، محمود غزنوی اور علاء الدین خلجی کا ہمسایہ تھا ان سب کی شہرت اس لئے ہے کہ ان کے حکم سے بے شمار مشرکین قتل کئے گئے[1] کرک پیٹرک نے اس کو عدم روادار قرار دیا ہے ولکس تاریخ میسور میں اس کو کٹر متعصب کہتا ہے[2]

ان الزامات کا حقیقت سے کتنا تعلق ہے اس کے لئے صرف ایک مثال کافی ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ ٹیپو کو بدنام کرنے کیلئے ان لوگوں نے کس حد تک تکذیب و مبالغہ آرائی اور علمی خیانت سے کام لیا ہے ایک انگریز مؤرخ نے لکھا ہے کہ سلطان نے صرف کورگ شہر میں ۷۰ ہزار لوگوں کو مسلمان بنایا تھا حالانکہ تاریخ میسور کا ایک معمولی طالبعلم بھی اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ عہد ٹیپو میں کورگ کی جملہ آبادی ۳۰/۲۵ ہزار سے زیادہ نہیں تھی اس میں بھی کئی ہزار مسلمان اور عیسائی شامل تھے خود ایک ہندو مؤرخ رام چندر راؤ پنگنوری کا کہنا ہے کہ کورگ پر سلطان کے قبضہ کے بعد وہاں کے صرف پانچ سو لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا وہ

[1] سوانح ٹیپو سلطان از امجد علی اشہری [2] تاریخ ٹیپو سلطان از محب الحسن

بھی اس وقت جب ان ہندوؤں کو جو ہندومت کی نسلی تفریق سے تنگ آکر عیسائیت قبول کرنے والے تھے اس نے یہ حکم دیا کہ وہ اپنا آبائی مذہب بالکل نہ چھوڑیں اگر ان کو کسی وجہ سے اس پر اصرار ہی ہے تو اپنے بادشاہ کا مذہب یعنی اسلام اختیار کریں چنانچہ اس موقع پر سریندر ناتھ سین نے سلطان کو یہ کہکر بچانے کی کوشش کی کہ وہ متعصب تو نہیں تھا البتہ جبراً اس نے لوگوں کو جو مسلمان بنایا اس کا مقصد مذہبی نہیں سیاسی تھا اور اس کی پشت پر سیاسی محرکات کارفرما تھے مہاتما گاندھی نے بھی سلطان پر لگائے جانے والے اس الزام کو صاف جھوٹ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ٹیپو کے اپنی ہندو رعایا کے ساتھ تعلقات نہایت ہی دوستانہ تھے اور وہ ہندو مسلم اتحاد کا محرک تھا یہ بات اگرچہ صحیح ہے کہ سلطان نے بعض ہندوؤں کے ساتھ سختی کی مثلاً کرشنا راؤ اور ان کے بھائیوں کو پھانسی کی سزا دی اور بعض دوسرے لوگوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن یہ سزائیں ان کو ہندو ہونے کی وجہ سے نہیں دی گئیں بلکہ اس کا سبب ان کی نمک حرامی و غداری تھی اس طرح کا انتقام اس نے خود بعض مسلمانوں سے بھی لیا مثلاً انگریز سپاہیوں کے ساتھ زنا کرنے کی وجہ سے بعض مسلم خواتین کو قتل کر دیا محمد قاسم کو غداری کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیا عثمان خان کشمیری کو پھانسی کی سزا دی تو کیا کوئی ان مسلمانوں سے سلطان کی سختی کی وجہ سے یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہے کہ وہ خدانخواستہ اسلام دشمن بھی تھا جہاں ایک طرف ہندو مرہٹوں اور راجہ ٹراونکور سے اس کی جنگیں ہوئیں تو دوسری طرف مسلم حکمرانوں سے بھی اس کی کئی معرکہ آرائیاں ہوئیں مذہبی تعصب و تشدد کا الزام اس پر اس وقت صحیح ہوتا جب وہ غداری و بغاوت کی سزائیں

مسلمانوں کو تو معاف کر دیتا اور ہندوؤں وعیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ذیل میں سلطان کی مذہبی رواداری کی بعض ایسی مثالیں بھی ہم پیش کر رہے ہیں جس کے سلسلہ اسلامی نقطہ نظر سے بحیثیت ایک مسلم حکمران کے سلطان ٹیپو کیلئے اس کے جواز پر بحث بھی کی جاسکتی ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ مذہبی رواداری میں بعض مواقع پر اسلامی حدود سے بھی آگے بڑھ گیا تھا۔

اعلیٰ مناصب پر ہندو افسران

ہندو برہمن پورنیا سلطان کی شہادت تک پوری سلطنت خداداد کا وزیر خزانہ اور اختیارات کے اعتبار سے وزیر اعظم میر صادق کے بعد سلطان کا نائب دوم تھا لالہ مہتاب رائے سبقت جو ہندو برہمن تھا سلطان کا ذاتی منشی اور خاص معتمد تھا یہ اردو و فارسی کا قادر الکلام شاعر بھی تھا ہمیشہ سلطان کے ساتھ ہی رہتا حتیٰ کے میدان جنگ میں بھی شاہی کیمپ ہی میں اس کا قیام ہوتا فارسی میں بادشاہوں کے نام ٹیپو کی طرف سے لکھے جانے والے اکثر خطوط یہی تیار کرتا تھا شاہ ایران کے نام سلطان کے طویل فارسی مراسلہ کا مسودہ بھی اسی نے تیار کیا تھا اس نے سلطان کی مدح میں بعض قصیدے بھی کہے تھے سلطان کے ہندو معتمدین میں سے جو چند لوگ آخر تک اس کے وفادار رہے اس میں یہ بھی تھا اس کے علاوہ ہری سنگھ میسور کی سوار فوج کا افسر اعلیٰ تھا اس کا بھائی نرسنگا راؤ بھی حکومت کا ایک اعلیٰ عہدیدار تھا کورگ کا فوجدار ایک برہمن تھا سری نواس راؤ اور اپاجی رام کو عام طور پر ٹیپو اپنا نمائندہ بنا کر سفارتی مشن پر بھیجتا تھا رامار اؤ ایک سوار دستہ کا کمانڈر تھا ملیبار میں

نائروں کی بغاوت کو کچلنے کے لئے سلطان نے سری پت راؤ ہی کو بھیجا تھا ایک دوسرے مرہٹہ سردار سیواجی کی کمان میں تین ہزار سپاہیوں کی ایک مستقل فوج بھی رہتی تھی سلطان کے دربار میں سرکاری خطوط لکھنے والے کئی منشیوں میں ایک منشی ہندو نرسیا بھی تھا دیہاتوں کی پنچایتوں میں اکثر سرکار کی نمائندگی ہندو ہی کرتے تھے کیرالا میں ساگوان کی لکڑی کی کٹائی کا ٹھیکہ پہلے ایک ماپلہ مسلمان کو دیا گیا تھا بعد میں یہ ٹھیکہ اس کی جگہ ایک برہمن کو دیا گیا ہندوؤں کے مذہبی تہوار دسہرہ میں سلطان اپنے تمام اعلیٰ افسران کے ساتھ نہ صرف شریک ہوتا بلکہ حکومت کے خزانہ سے اس کے اخراجات کے لئے ایک بڑی رقم بھی فراہم کرتا تھا ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاتفریق مذہب اس کو مسلمانوں کی طرح اپنی غیر مسلم رعایا پر بھی اعتماد تھا اسی لئے حکومت کے اعلیٰ مناصب وعہدوں پر ہندو بھی فائز تھے تمام غیر مسلموں کو بغیر کسی دباؤ کے اپنے مذہب پر عمل کی مکمل آزادی حاصل تھی ایک دفعہ ایک شخص نے پورنیا کی بدنیتی کا ذکر کے پورے ہندو برہمن طبقہ کو غدار کہا تو سلطان نے یہ آیت پڑھی۔ لا عدوان الا علی الظالمین کہ کسی ایک کی غلطی سے اس کی پوری قوم کو ملامت نہ کیا جائے۔

مندروں اور اس کے سوامیوں کا احترام

سلطان کے دل میں ہندوؤں کے مندروں اور اس کے سوامیوں کا بڑا احترام تھا ۱۷۹۱ء میں مرہٹہ درا ندازوں نے رگھوناتھ راؤ کی قیادت میں سلطنت خداداد پر حملہ کے دوران سرنگیری کے مندر کی بے حرمتی کی اس کی قیمتی املاک کو لوٹ لیا

سونے سے بنی قیمتی پالکی اور جانوروں وغیرہ کو بھی لے گئے سارہ دیوی نام کی مورتی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر باہر پھینک دیا کئی برہمنوں کو بھی اس حملہ میں پکڑ کر قتل کیا گیا یہاں تک کہ مندر کے سوامی اور متولی شنکر گرواچاریہ وہاں سے بھاگ کر قریب کے شہر کارکل میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے وہاں سے انہوں نے ٹیپو کو ایک شکایتی خط لکھا اور مندر کی بے حرمتی کی تفصیلات سے اس کو آگاہ کر کے مالی امداد کی درخواست کی اس پر ٹیپو کی طرف سے جو جواب شنکر گرواچاریہ کو موصول ہوا وہ خط میسور کے محکمہ آثار قدیمہ کے ڈائرکٹر راؤ بہادر نرسمہا اچاریہ کو ۱۹۱۶ء میں سرنگیری کے مندر میں ملا تھا اس خط میں ٹیپو نے خلاف معمول گروجی کا نام پہلے اور اپنا نام بعد میں لکھا ہے اور اس کو اس میں بڑے احترام اور ادب کے ساتھ مخاطب کیا ہے اس کے اس مہذب و پر تعظیم لہجہ سے اس کے دل میں ہندوؤں کے سوامیوں کے لئے موجود احترام و ادب کا بڑی آسانی کے ساتھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس خط کا مضمون کچھ یوں ہے

"جو لوگ مقدس و متبرک مقامات کی توہین و بے حرمتی کرتے ہیں وہ اس دنیا ہی میں بداعمالیوں کا بدلہ پائیں گے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے کہ لوگ گناہ تو ہنس ہنس کر کرتے ہیں لیکن اس کا بدلہ رو رو کر بھگتے ہیں مندر کے سوامیوں کے ساتھ بدسلوکی کرنا خود اپنی نسل کی تباہی کو دعوت دینا ہے جو لوگ ہماری سلطنت میں داخل ہو کر ہماری رعایا کو ستا رہے ہیں ان سے ہم خود نپٹ رہے ہیں آپ کی شخصیت قابل احترام اور دنیا سے بے نیاز ہے آپ ہماری سلطنت کی بقاء و حفاظت اور دشمنوں کی ہلاکت کیلئے دعا کیجئے آپ کو حسب ضرورت ہمارے

زیر قبضہ دیہاتوں سے کسی بھی چیز کے لینے کا اختیار ہے" اسی خط کے ساتھ اس علاقہ کے گورنر کو سلطان نے یہ حکم بھی بھیجا کہ وہ شنکراچاریہ کی خدمت میں فوراً اس کی طرف سے دو سو اشرفیاں مع غلہ پیش کرے اور سرکاری مصارف پر سارا دیوی نام کی مورتی کو احترام کے ساتھ دوبارہ اس کی جگہ نصب کرے اور اس تقریب کے موقع پر ایک ہزار فقراء کو کھانا بھی کھلایا جائے[1] سلطان کی اس وسعت قلبی سے متاثر ہو کر گروجی نے سلطان کو ایک شال بطور شکریہ روانہ کی جس کے جواب میں سلطان نے سارا دیوی مورتی کو پہنانے کیلئے ایک قیمتی کپڑا اور خود گروجی کیلئے بھی ایک جوڑی شال بھیجی ایک دفعہ اس علاقہ کے گورنر سید محمد کو خط لکھا کہ وہ فوراً اس کی طرف سے دیوی کیلئے ایک پالکی گروجی کی خدمت میں پیش کرے اور مزید کسی ممکنہ حملہ سے مندر کو بچانے کے لئے سپاہیوں کو بھی مقرر کر دے کچھ دنوں کے بعد جب گروجی پونا کے مرہٹہ سردار پرسورام بھاؤ کے پاس اپنی لوٹی ہوئی اشیاء کا مطالبہ کرنے کیلئے گئے اور ان کی واپسی میں دیر ہو گئی تو سلطان نے خط لکھا کہ آپ فوراً واپس آجائیں اس لئے کہ آپ کی ہماری سلطنت میں موجودگی سے خدا کی رحمتیں برستی ہیں اور فصلیں اچھی ہوتی ہیں ایک دفعہ ان کو دارالسلطنت آنے کی خصوصی دعوت بھی دی تھی لیکن وہ کسی وجہ سے نہیں آسکے یہ تو صرف ایک شہر کے ایک مندر پر سلطان کی عنایتوں کا حال ہے جس کو دھاڑوار کے محمد غوث مجاور صاحب نے سرنگیری مٹھ اور ٹیپو سلطان کے نام سے اپنی پچاس صفحات کی ایک کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اس کے علاوہ محب الحسن محمود خان اور امجد علی اشہری وغیرہ نے بھی اپنی کتابوں میں اس کی تفصیلات درج کی ہیں۔

---

[1] ٹیپو سلطان اور سرنگیری مٹھ از محمد غوث مجاور دھارواڑ بشکریہ ماسٹر ملا صاحب دھارواڑ

مندروں کو نذرانے

تعلقہ ننجن گڑھ کے ایک گاؤں کلالے کے لکشمی کانتھ مندر میں چاندی کے چار پیالے ایک پلیٹ اور ایک اگلدان اب بھی موجود ہے جو ٹیپو نے اس مندر کو نذر کئے تھے اسی شہر کے سری کنٹیشور مندر کو سلطان نے ایک ایسا مرصع پیالہ بھی دیا تھا جس کے نچلے حصے میں پانچ قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے میلکوٹ کے نرائن سوامی مندر کو بھی قیمتی جواہرات سے جڑے کچھ برتن ایک نقارہ اور بارہ ہاتھی اس نے روانہ کئے تھے خود سری رنگا پٹنم کے رنگناتھ مندر میں ایک کافور دان اور چاندی کے سات پیالے اس کے دئے ہوئے اب بھی موجود ہیں ڈنڈیگل کے قلعہ پر جب سلطانی افواج نے حملہ کیا تو اس نے ان کو حکم دیا کہ چونکہ سامنے راجہ کا مندر موجود ہے اس لئے پیچھے سے گولہ باری کی جائے ملیبار میں گرداور پر قبضہ کے دوران جب مسلمان سپاہیوں نے وہاں کے مندر کو آگ لگانے کی کوشش کی تو اس نے ان کو نہ صرف سزائیں دیں بلکہ اسی وقت مندر کی مرمت بھی کروادی ۱۷۸۰ء میں نواب حیدر علی نے کانجی ورم میں ایک مندر کی بنیاد رکھی تھی لیکن وہ اس کو مکمل نہیں کرسکا تھا ۱۷۹۱ء میں جب ٹیپو وہاں گیا تو اس نے اس مندر کی تکمیل کیلئے اپنی طرف سے دس ہزار روپیے کا عطیہ دیا خود وہاں انکے مذہبی تہوار میں شرکت کی اور اس موقع پر ہونے والی آتش بازی کے مصارف بھی خود برداشت کئے ۱۷۸۹ء میں جب وہ ٹراونکور میں تھا تو تریکور میں اپنے قیام کے دوران فوجیوں کا کھانا پکانے کیلئے کچھ برتن وڑکوناتھن مندر سے عاریتاً منگوائے تھے ان برتنوں کو واپس کرتے وقت اس نے اس مندر کو ایک بڑا شمعدان بھی

نذر کیا میل کوٹ نامی شہر کے ایک مندر میں مذہبی رسومات کی ادائیگی کے سلسلہ میں خود ہندوؤں کے دو فرقوں واڈگلائی اور ٹنکلائی میں جب اختلاف ہوگیا تو خود اس نے وہاں کے ہندوؤں کی خواہش پر ثالثی کے فرائض انجام دئے بعد میں مندر کے منیجر کے نام حکم جاری کیا کہ وہ ذاتی طور پر اس کی نگرانی کرے کہ بھجن آئندہ سے دونوں طریقہ سے گایا جائے اور دونوں فرقوں کے ساتھ برابر انصاف ہو۔

شاہی محل کے قریب مندر

بچپن میں ایک درویش کی طرف سے اس کے حق میں کی گئی پیش گوئی کے پورہ ہونے کے بعد جب سلطان تخت میسور کا وارث بنا تو اس نے اس درویش سے کئے گئے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے محل کے قریب مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا چونکہ محل کے قریب سری رنگناتھ کا مندر پہلے سے موجود تھا اس لیے اسی سے متصل مسجد کی تعمیر کے لئے اس نے سب سے پہلے ہندو سوامیوں اور عوام سے اس کی اجازت حاصل کی ان کی مرضی کے بغیر اس جگہ مسجد کی تعمیر کو وہ صحیح نہیں سمجھتا تھا ان سے اجازت ملنے کے بعد اس نے اس جگہ مسجد اعلیٰ کی بنا رکھی اگر وہ چاہتا تو اپنی طاقت کے بل بوتے پر بادشاہ ہونے کی وجہ سے ان کی اجازت کے بغیر ہی اس جگہ مسجد بنا سکتا تھا مسجد اعلیٰ سے متصل رنگناتھ مندر کے علاوہ جو اس کے محل سے صرف ایک سو گز کے فاصلہ پر تھا قلعہ میں نرسمہا اور گنگادھریسوا نام کے دو اور مندر بھی موجود تھے جہاں سے روزانہ صبح وشام گھنٹیوں کی آواز سلطان کے محل میں پہنچتی تھی لیکن اس نے کبھی ان کے ان مذہبی اعمال کی ممانعت نہیں کی خود بنگلور میں سلطان کے محل سے متصل بھی ایک مندر موجود تھا۔

مندروں کو جائیدادیں

ڈاکٹر سی کے کریم کی کتاب KERALA UNDER TIPU کے حوالہ سے محمد عبداللہ بنگلوری نے اپنی کتاب ٹیپو کے تذکرے مختلف ادوار میں لکھا ہے کہ صرف کیرالا کے جنوبی ضلع کے ایک تعلقہ کے ساٹھ مندروں کو سلطان نے سرکاری خزانہ سے سالانہ وظیفے جاری کئے تھے گرویاریا کے مندر کو ہی چھ سو ایکڑ قابل کاشت زمین بطور انعام دی گئی تھی[1]

ملیبار کے مندروں و برہمنوں کو جو زمینیں بغیر سرکاری لگان کے ٹیپو نے دی تھیں اس کی جو تفصیلات محب الحسن صاحب نے اپنی کتاب تاریخ ٹیپو سلطان میں نقل کی ہے وہ کچھ اس طرح ہے

۱) کالی کٹ کے قصبہ اسوم کے تریکنٹیشورو ٹاکوام کنعاؤ مندر کیلئے ۱۹۵ ایکڑ زمین

۲) پونانی کے گورویاور مندر کیلئے ۵۰۴ ایکڑ زمین

۳) چیلم برا تعلقہ اراند کے مانور مندر کیلئے ۳،۷ ایکڑ زمین

۴) پونانی کے تروانچکسولم مندر کیلئے ۲۱۲ ایکڑ زمین

۵) پونانی کے نمودری پد مندر کیلئے ۱۳۵ ایکڑ زمین

سلطنت کے وزیر خزانہ پورنیا کا خود کہنا تھا کہ سرکاری خزانہ سے مندروں کو سالانہ ۱۹۳۹۵۹ پگوڈا مالی امداد دی جاتی تھی جبکہ مساجد و مزاروں کے لئے یہ امداد اس

[1] ٹیپو کے تذکرے مختلف ادوار میں از محمد عبداللہ بنگلوری

سے بہت کم تھی[1]

پشپاگیری کے سوامی کو گولاپلی کے مواضعات کی مال گزاری وصول کرنے کا حق دیا گیا تھا گانجی گوڑ کے انجانیا سوامی مندر کے رام چار نامی شخص کو کڑپہ میں ایک بڑی جاگیر دی تھی اس کے علاوہ ۹۴ء میں قلعہ بل کے ایک برہمن مہاراجہ بری پا کو اس نے بطور انعام ایک بڑی قطعہ اراضی بھی دی تھی[2]

ہندوؤں کی سماجی اصلاح

سلطان نے اگرچہ پوری سلطنت میں اپنی تمام رعایا کو اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دے رکھی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ غیر انسانی و غیر فطری اعمال و رسومات پر عمل کرنے کیلئے کسی کو بھی آزادی دینے کا قائل نہیں تھا اس کے لئے اس نے جہاں مسلمانوں میں پائی جانے والی بدعات و خرافات پر روک لگائی وہیں ہندوؤں میں بھی پائی جانے والی بعض غلط چیزوں پر بھی جو فطرت سے میل نہیں کھاتی تھیں سختی سے روک لگادی مثلاً اس وقت سلطنت خداداد میں بعض ہندو عورتوں کے پاس بیک وقت چار چار شوہر ہوتے تھے اور ان کے بچے ماں کی طرف منسوب ہوتے تھے اس پر پابندی لگادی گئی مالابار کی عورتیں سینہ کھلا رکھ کر بازاروں میں بلاتکلف آتی جاتی تھیں اس نے اس کی سختی سے ممانعت کردی بعض مندروں میں خاص کر میسور کے کالی مندر میں دیویوں کو خوش کرنے کیلئے انسانی بھینٹ چڑھائی جاتی تھی اس پر پابندی لگادی گئی ہندوؤں میں غلامی کا رواج

[1] تاریخ ٹیپو سلطان از محب الحسن [2] صحیفہ ٹیپو سلطان از محمود خان

تھا بڑے بڑے شہروں میں ہندو عورتوں کی فروخت کیلئے منڈیاں لگتی تھیں قحبہ گری کے لئے لونڈیوں کو گھروں میں رکھنے کا رواج تھا ایک شاہی فرمان جاری کر کے غلامی ہی کو غیر قانونی قرار دیا باعزت گھرانوں میں ناجائز اولاد کی شادی کی ممانعت کردی گئی کورگ میں ہندو عورتوں میں رواج تھا کہ ایک گھر کے تمام بھائیوں میں سے صرف بڑا بھائی کسی ایک عورت سے شادی کرتا جو سب بھائیوں کی بیوی ہوتی اس غیر فطری عمل پر بھی اس نے روک لگادی ہندوؤں کی ایک قوم لنگایت میں مندروں کے اندر عضو تناسل کی پرستش ہوتی تھی اس بداخلاقی کی بھی اس نے سختی سے ممانعت کردی ہندو کسان شادی بیاہ کے موقع پر غیر ضروری رسومات میں بے جا اسراف کے عادی تھے اس نے ان کو پابند کیا کہ کوئی شخص اپنی جملہ آمدنی کا ایک فیصد سے زائد حصہ شادی بیاہ پر خرچ نہیں کرسکتا ان سب اصلاحات کی خلاف ورزی پر اس نے سزائیں بھی مقرر کردی تھیں لیکن انگریزوں کو مذہبی معاملات میں ٹیپو کی مداخلت کا بہانہ بنا کر مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کو اس کے خلاف بھڑکانے میں کامیابی نہیں ملی اور خود ہندوؤں کی اکثریت نے یہ محسوس کیا کہ ٹیپو کی طرف سے یہ سب اصلاحات خود ان کی اصلاح و ترقی کیلئے کی جارہی ہیں۔

ہندو رعایا کی سلطان سے عقیدت و محبت

مجموعی طور پر سلطان کی ہندو رعایا نے اس کے ساتھ محبت و عقیدت کا جو سلوک کیا اس کی مثال ملک کے کسی دوسرے مسلم حکمران کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے ہندوؤں کی اکثریت نے آخری وقت تک اسکے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا

۴ مئی ۱۷۹۹ء میں شہادت کے دن سلطان کی لاش کے آس پاس سینکڑوں ہندو خواتین کی لاشیں ملیں جس میں بعض نوجوان لڑکیاں بھی پائی گئیں خود انگریز افسران نے جب یہ ماجرا دیکھا تو ہندو رعایا کے دلوں میں بھی اپنے مسلم حکمران کیلئے عقیدت کے یہ جذبات دیکھ کر انہیں خود حیرت ہوئی جب سلطان کا جنازہ اٹھا تو راستہ میں ہندو عورتیں ماتم کرتی ہوئیں اپنے سروں پر مٹی ڈال رہی تھیں محاصرہ دارالسلطنت پر کئی برہمنوں نے سلطان کی فتح کیلئے اپنی مذہبی رسومات کے مطابق دن بھر کا روزہ رکھا تھا اگر سلطان کا سلوک ان ہندوؤں کے ساتھ اچھا نہیں ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں ہندو ایک مسلم حکمران کیلئے اپنی جانیں تک قربان کرتے اگر اس کے خلاف عام ہندوؤں میں ناراضگی پائی جاتی تو انگریزوں یا مرہٹوں کیلئے اپنے مقاصد کے خاطر ہندو مذہب کے حوالے سے ان سب کو سلطان کے خلاف اجتماعی بغاوت کیلئے اکسانا بہت آسان تھا لیکن پوری سلطنت خداداد کی تاریخ میں اس قسم کا کوئی واقعہ کسی متعصب انگریز مؤرخ کی کتاب میں بھی نہیں پایا جاتا یہی وجہ ہے کہ سلطان کے غداروں کی فہرست میں ہندوؤں کی تعداد سلطنت میں اکثریت میں ہونے کے باوجود ان کی آبادی کے تناسب سے مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔

عیسائی رعایا کے ساتھ برتاؤ

عام طور پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ٹیپو نے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ ظلم کیا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کی طرح ان کے ساتھ بھی اس نے فیاضانہ سلوک کیا

اگر ان میں سے کسی سے اس نے انتقام بھی لیا تو ان کے مذہب کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کی باغیانہ روش کی وجہ سے جس کا بار بار ان کی طرف سے اس کو سامنا کرنا پڑتا تھا ۱۷۸۲ء کی میسور کی دوسری جنگ میں جنوبی کنارہ (منگلور) کے عیسائیوں نے انگریزوں کی خفیہ حمایت کی بدنور پر قبضہ کیلئے جنرل میتھوز کا ساتھ دیا اور اسکی اس سلسلہ میں مالی مدد بھی کی، بڑی تعداد میں عیسائی مغربی ساحل سے فرار ہو کر انگریزوں سے جا ملے جنرل کیمبل نے جب منگلور کا محاصرہ کیا تو ان ہی عیسائیوں کی طرف سے انگریزوں کو چاول کے ایک ہزار بورے دئے گئے اس پر ٹیپو نے ان کو سخت سزائیں دیں سازش میں ملوث اکثر لوگوں کو کوچین اور بعض کو گوا جلاوطن کیا گیا کچھ کو قیدی بنا کر سری رنگا پٹنم اور چتل درگ میں رکھا گیا اور ان میں جو سرغنہ تھے ان کو قتل کر دیا گیا قیدی عیسائیوں کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی اس نے نہ صرف اجازت دی بلکہ ان کی رہنمائی کیلئے کچھ پادریوں کو بھیجنے کیلئے گوا کے وائسرائے کو خط لکھا بعض عیسائیوں نے اس دوران سلطان کے حسن سلوک اور اخلاق کو دیکھ کر اسلام بھی قبول کیا اس جنگ میں جن گرجا گھروں کو نقصان پہنچا تھا سرکاری اخراجات پر اس کی مرمت کروائی اور جن قیدیوں نے معافی مانگی ان کو رہا بھی کر دیا لیکن سلطان کا بحیثیت ایک عالم دین ذاتی خیال تھا کہ اس وقت کے عیسائی خود حضرت عیسی علیہ السلام کی تعلیمات پر بھی عمل پیرا نہیں ہیں اسی لئے ان سب کو وہ بے دین نصرانی کہتا تھا چنانچہ جب انگریز ایڈمرل بریگیڈ جنرل مکلوڈ نے بینگلور پر حملہ کیا اور سلطان ٹیپو کو مقابلہ کیلئے میدان میں آنے کی دعوت دی تو سلطان نے اس کو جو خط لکھا وہ کچھ اس طرح تھا

"مستند کتابوں سے ظاہر ہے کہ آپ جو اپنے آپ کو مسیح علیہ السلام کا پیرو کہتے ہیں صحیح نہیں ہے یہ دعویٰ آپ کا غلط ہے کیونکہ اصلی انجیل میں تثلیث کی پرستش کی ہدایت نہیں ہے یہ تو صرف مشرکین کا رویہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا تھا تم لوگوں نے انجیل کی تعلیم کے خلاف شراب پینا خنزیر کا گوشت کھانا اور سود کھانا شروع کر دیا ہے اور ہر وہ کام جو نہ صرف مذہبی بلکہ انسانی نقطہ نظر سے بھی ممنوع ہے آپ نے اختیار کیا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام برگزیدہ لوگ تم سے نفرت و کراہت کرتے ہیں اس لئے تم سے لڑنا ہم پر واجب ہے اگر میں نے جو کچھ کہا ہے اس کے متعلق تم کو شک ہو تو خشکی پر آؤ اور مجاہدین اسلام کی شمشیر زنی کا مزہ چکھو اس طرح کہ سپاہی سے سپاہی اور افسر سے افسر اپنے پسندیدہ ہتھیار لے کر لڑے فیصلہ ہو جائے گا کہ خدا کے نزدیک کون بہتر ہے[1]

ان سب کے باوجود اس کی وسعت قلبی کا یہ عالم تھا کہ اس نے آرمینیہ کے عیسائی تاجروں کو اپنی سلطنت میں آکر کاروبار کرنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ ان کی مالی پشت پناہی بھی کی خود اپنی فوج میں بھی فرانسیسی عیسائیوں کو ملازم رکھا ۱۷۹۲ء میں آدھی سلطنت کھونے کے بعد گوا سے تارکین وطن عیسائیوں کو

---

[1] صحیفہ ٹیپو سلطان از محمود خان

واپس بلا کر اپنی سلطنت میں دوبارہ بسایا البتہ یہ بات صحیح ہے کہ اس نے غیر ملکی عیسائی مشنریوں کو سلطنت خداداد میں تبلیغ سے منع کیا تھا اور سختی سے تاکید کرتے ہوئے ہندوؤں کے نام پوری سلطنت میں یہ فرمان جاری کر دیا تھا کہ وہ اپنے مذہب کی ذات پات کی تفریق سے تنگ آکر اپنا آبائی مذہب ترک نہ کریں اگر ان کو اس پر اصرار ہی ہو تو اپنے آقا کے مذہب یعنی اسلام کو اختیار کریں اس کا مقصد ان کو تبلیغ کی آڑ میں رعایا کو اس کے خلاف اکسانے اور دولت کا لالچ دے کر جبراً عیسائی بنانے سے روکنا تھا۔

مہدیوں کے ساتھ سختی اور اسکے اسباب

سلطنت خداداد میں ایک فرقہ مہدوی نام کا بھی تھا جو اپنے آپ کو مسلمان تو کہتا تھا لیکن سید محمد جونپوری کو مہدی موعود بھی کہتا تھا بنیادی عقائد میں اہل سنت سے بنیادی فرق کی وجہ سے ٹیپو ان کو غیر مسلم ہی تصور کرتا تھا اگرچہ اس فرقہ کے بہت سارے لوگ حکومت کے اعلیٰ مناصب پر بھی فائز تھے لیکن سلطان کی اس وسعت ظرفی کے باوجود یہ فرقہ سلطان کا ہمیشہ بے وفا ہی رہا چوتھی جنگ میں ٹیپو کی شکست میں ان کا بھی دخل تھا انھوں نے ٹیپو کے خلاف خفیہ طور پر ہمیشہ انگریزوں کا ساتھ دیا یہ فرقہ بڑی آواز سے ذکر کا قائل تھا جس سے پاس پڑوس کے لوگوں کو ہمیشہ ان سے شکایت رہتی تھی ایک دفعہ ۱۷۹۱ء میں فوجی کیمپ میں ان کے سپاہیوں نے سلطان کے منع کرنے کے باوجود بڑی آواز سے رات بھر ذکر کر کے تمام لوگوں کو پریشان کیا اور سلطان کی کھلم کھلا حکم عدولی کی اس پر ناراض

ہو کر سلطان نے دوسرے دن اس فرقہ کے تمام لوگوں کو جن کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں تھی جلاوطن کر دیا ذکر بالجہر تو صرف ایک بہانہ تھا ورنہ اس کی اصل وجہ ان کی مسلسل بغاوت و بے وفائی تھی جس کی سزا کیلئے سلطان کو کسی بہانہ کی تلاش تھی گویا مہدویوں کے ساتھ ٹیپو کے سخت سلوک کی وجہ بھی مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہی تھی نتیجہ اس جلاوطنی کا یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی اس توہین کا کھلم کھلا انتقام لیا اور چوتھی جنگ میں ٹیپو کے خلاف انگریزوں کے ساتھ شانہ بشانہ شرکت کی۔

اکیسواں باب

ٹیپو بحیثیت مسلمان و مبلغ اسلام

ٹیپو بحیثیت مسلمان و مبلغ اسلام

سلطان صرف ایک حکمران و سیاستدان ہی نہیں تھا بلکہ بحیثیت انسان و مسلمان اس کے اندر چند ایسے اوصاف و کمالات بھی پائے جاتے تھے جو اس کو نہ صرف دوسرے حکمرانوں بلکہ عام انسانوں اور مسلمانوں سے بھی ممتاز کرتے تھے اور یہ سب اس کے خاندانی پس منظر اس کی خصوصی تربیت اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت و نوازش کا نتیجہ تھا ورنہ ایک عام حکمران یا بادشاہ وقت میں ان روحانی و دینی اوصاف کا پایا جانا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے ان سب کی کچھ تفصیلات جو ہماری اس پوری کتاب کا سب سے اہم موضوع اور امتیاز ہے اگلے صفحات میں دی جا رہی ہیں۔

اتحاد اسلامی کا جذبہ

سلطان اگرچہ ایک طرف سچا محب وطن تھا لیکن دوسری طرف وہ اسلام کا ایک مخلص سپاہی بھی تھا وطن کی آزادی اور اسلام کی خدمت کے دونوں جذبات واحساسات، بیک وقت یکساں طور اس کے اندر موجود تھے وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ انگریز اسلام اور ہندوستان دونوں کیلئے خطرہ ہیں ان کے وجود کو وطن کی سرزمین سے پاک کرنا اسلام اور وطن دونوں کی سب سے بڑی خدمت ہے اس لیے انگریزوں کو وہ نہ صرف اپنے مذہب کا بلکہ اپنے وطن کا بھی دشمن سمجھتا تھا اس کی تمام مساعی اور پوری زندگی ان ہی کے خلاف لڑنے کیلئے وقف تھی اس کا اندازہ صرف اس ایک

خط سے لگایا جاسکتا ہے جو اس نے اس وقت کے دہلی کے حکمران مغل بادشاہ شاہ عالم کو لکھا تھا۔

بخدمت شاہ عالم شہنشاہ ہند دہلی ۲۳ / جون ۱۷۸۵ء

جناب والا کا گرامی نامہ موصول ہو کر باعث صد عزت ہوا آپ نے جو تحائف راؤ بال مکن داس کے ذریعہ ارسال کئے ہیں اس سے آپ کی نوازشوں کا ثبوت ملتا ہے اور ہماری عزت و توقیر ہمارے برابر والوں میں بڑھتی ہے ہم اس کے عوض آپ کی اطاعت کا یقین دلاتے ہیں یہ خادم اسلام دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں نصرانیوں کی سرکوبی میں مصروف ہے جنہوں نے اس کی سرزنش کی تاب نہ لاکر ایک ذلیل صلح کرلی ہے[1] یہ معاملہ اس قدر مشہور ہے کہ تفصیلات لکھنے کی ضرورت نہیں خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اس خادم دین محمدی کی خواہش ہے کہ دشمنان دین سے جنگ کرے اور ان کو مٹادے اس اخلاص و وفاشعاری کے ثبوت کیلئے جو اس خادم دین کو آپ کی ذات سے ہے بطور نذر ایک سو اکیس طلائی مہر ارسال خدمت ہیں انہیں قبول فرما کر عزت افزائی فرمائیں

امید کہ حضور والا اپنے احکام سے وقتاً فوقتاً سرفراز فرماتے رہینگے[2]

والسلام

ٹیپو سلطان

toobaa-elibrary.blogspot.com

[1] غالباً صلح نامہ منگلور ۱۷۸۴ء کی طرف اشارہ ہے "الیاس" [2] صحیفہ ٹیپو سلطان

ایک دفعہ دہلی میں اپنے ایک خاص آدمی کو خط لکھا کہ وہ نظام دکن کو لکھے کہ اسلام کی ترقی کیلئے سب متحد ہوجائیں اس لئے کہ نظام مرہٹوں کا ساتھ دے کر ہم سے جنگ کررہے ہیں بحیثیت پیشوائے دین ہم پر لازم ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو تقویت حاصل ہو۔

محمد بیگ نامی ایک اعلیٰ سرکاری افسر کو جو دہلی میں مغل دربار سے وابستہ تھا اسی طرح کا ایک خط لکھا۔

بنام محمد بیگ خان ہمدان ۲ / اگست ۱۷۸۶ء

اگرچہ آپ کے اور ہمارے درمیان اب تک کوئی خط و کتابت نہیں ہوئی لیکن دہلی میں مقیم ہمارے نمائندے بالکن داس کے ذریعہ آپ کے اوصاف حمیدہ خوش اخلاقی جوانمردی اور سیاسی بصیرت معلوم کرکے آپ سے دوستانہ تعلقات بڑھانے کی خواہش سے یہ خط لکھا جاتا ہے آپ نے سنا ہوگا کہ آپ کے اس دوست نے کس طرح حال ہی میں بے دین نصرانیوں کی سرکوبی کی ہے شک نہیں کہ اس کی تفصیلات آپ تک پہنچ گئی ہوگی اب فی الوقت بعض مسلمان رئیسوں (غالباً نظام دکن و نواب کرناٹک کی طرف اشارہ ہے) کی سرزنش کررہا ہوں جو شریعت اسلام کے خلاف نصرانیوں کے ساتھ اتحاد کرچکے ہیں جس کی وجہ سے حال ہی میں میں نے خدا کے احکام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث (غالباً تحفۃ المجاہدین و مؤید المجاہدین کی طرف اشارہ ہے) قلمبند کرکے تمام ملک میں تقسیم کیے ہیں اس کی ایک نقل آپ کی خدمت میں بھی ارسال ہے ہمارے اپنے دین پاک کی مدد کیلئے ضروری ہے کہ تمام مسلمان متحد ہوجائیں اور نصرانیوں کی سرکوبی کو اپنی زندگی کا

مقصد سمجھیں تاکہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم دن بدن ترقی پر ہو مسلمانوں پر جو برا وقت آیا ہے اس کا بڑا سبب سلطنت ہند دہلی کی کمزوری ہے اگر مسلمان اب بھی متحد ہو جائیں تو ماضی کی شان وشوکت پھر عود کر آسکتی ہے اور اس وقت پھر ان نصرانیوں کو کہیں پناہ نہیں مل سکے گی لہٰذا امیرانِ اسلام کو کوئی ایسی کاروائی نہیں کرنی چاہیئے کہ حشر کے روز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمسار ہونا پڑے" [1]

۲۱/ ڈسمبر ۱۷۸۶ء کو سید احمد نامی ایک بزرگ کو خط لکھتے ہوئے اس میں یوں تحریر کیا کہ آپ سے درخواست ہے کہ اسلام کی ترقی اور دشمنوں کی تباہی کے لئے دعا کریں۔

اتحاد اسلامی کے اسی جذبہ کے تحت اس نے نظام حیدر آباد و نواب کرناٹک محمد علی سے ہمیشہ مصالحت کی کوشش کی نواب محمد علی نے تو اپنی خود غرضی ومفاد پرستی کی وجہ سے ٹیپو کی دشمنی اور انگریزوں کی وفاداری کی گویا قسم کھالی تھی لیکن وہ نظام سے کبھی ناامید نہیں ہوا اس کے ساتھ کئی جنگوں کے باوجود آخری زمانہ میں بھی اس کے پاس دوستی کیلئے قیمتی تحائف دے کر اپنے سفیر بھیجے مسلسل اس سے خط وکتابت بھی کی ایک دفعہ اس کو لکھا کہ انگریز اپنی مکاری سے آپ کو مجھ سے ملنے نہیں دیتے اگر میری اور آپ کی طاقت ایک جگہ مل جائے تو مرہٹوں کی کیا مجال کہ وہ ہماری طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکیں اس نے اس کیلئے نظام کے مقبوضہ علاقوں کو بھی واپس کرنے کی پیشکش کی ایک مرتبہ اس نے دونوں خاندانوں میں شادی کی تجویز بھی پیش کی تاکہ عام مسلمانوں کو دونوں مسلم حکومتوں کے متحد ہونے

---

[1] مجلہ بصائر کراچی ۱۹۶۳ء ٹیپو سلطان نمبر

کا یقین ہو جائے نظام کے پاس اس سلسلہ میں اپنے خاص سفیر محمد غیاث الدین کو بھی بھیجا لیکن نظام کو اس کے حواریوں نے یہ کہکر رشتہ کی اس تجویز سے باز رکھا کہ ٹیپو نائیک خاندان سے تعلق رکھتا ہے جو نظام کے خاندان سے بہت ہی کم درجہ کا ہے حالانکہ نائیک کسی قبیلہ کا نام نہیں تھا بلکہ میسور کی فوج میں ایک عہدہ تھا جو شروع میں حیدر علی کو ملا تھا ہندوستان میں اس وقت کے مسلم حکمرانوں سے جب وہ ناامید ہوا تو اس نے بین الاقوامی سطح پر مسلم سربراہوں سے رابطہ قائم کیا تاکہ عالم اسلام کو متحد کیا جاسکے قسطنطنیہ کی سفارت بھی اسی مقصد کیلئے روانہ کی گئی تھی تاکہ اس کے نمائندے وہاں جاکر سامراجی عزائم سے خلیفہ روم کو آگاہ کر سکیں جب خلیفہ روم سے انگریزوں کے خلاف فوجی مدد طلب کی تو اس میں بھی اسلام ہی کا حوالہ دیا اس نے سلطان سلیم کو لکھا کہ ہم اس ملک میں نصاریٰ کے خلاف برسرپیکار ہیں اس جہاد میں آپ کی تائید مطلوب ہے ان کے قلع قمع کیلئے ہمیں بندرگاہوں کی ضرورت ہے اگر آپ بصرہ کی بندرگاہ اس مقصد کیلئے ہمیں کرایہ پر دیں تو اس سے اسلامی ممالک کے درمیان تجارت کو فروغ ملیگا اور دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تقویت ملے گی لیکن اس وقت ترکی کے حالات ایسے تھے کہ خلیفہ اس پر توجہ نہیں دے سکا اس لیے کہ اس وقت ترکی کے وجود کو ہی روس سے خطرہ لاحق تھا بالآخر اس نے شاہ ایران اور والی کابل سے اس سلسلہ میں مراسلت کی اور یہ خط وکتابت بھی اپنی ذات و سلطنت کی حفاظت سے زیادہ ایک اسلامی سلطنت کی بقاء کیلئے تھی اس نے ان خطوط میں لکھا کہ ان کی مدد ہندوستان میں اسلام کی خدمت اور اسکی بقاء و حفاظت کی ضمانت فراہم کریگی عالم اسلام کی ہمدردی و خیر خواہی کا یہی وہ جذبہ تھا

جس کے تحت اس نے ۱۷۸۶ء میں ایک فرمان جاری کر کے ہندوستان میں انگریزوں کے مقبوضہ علاقوں میں آباد مسلمانوں کو نہ صرف اپنی سلطنت میں آنے کی اجازت دی بلکہ ان کو اس کی دعوت بھی دی اس فرمان میں تحریر تھا کہ مسلمان ملحدین کے ممالک کو چھوڑ دیں تاکہ سلطان ان ذلیل کفار کو یا تو مسلمان بنائے یا پھر جزیہ دینے پر مجبور کرے اس لئے کہ ان انگریزوں نے مسلمانوں کو ذلیل و کمزور کر دیا ہے اس کا ارادہ ہے کہ اس قوم سے جہاد کرے انشاء اللہ ہمارے علاقوں میں آنے والے مسلمانوں کی حالت ان کی سابقہ حالت سے اچھی ہوگی ہم نے اس مقصد کیلئے سلطنت میں احکام جاری کر دیے ہیں مسلمانوں میں اسلامی جہاد کے جذبات کو پیدا کرنے کیلئے اس نے جمعہ و عیدین کے پچاس سے زائد خطبوں پر مشتمل فارسی میں ایک کتاب مؤید المجاہدین کے نام سے تیار کر کے نہ صرف اپنی پوری سلطنت میں بلکہ بنگال حیدر آباد و دہلی وغیرہ میں بھی پھیلا دی تھی اس میں جہاد کی آیات واحادیث شامل تھیں جہاد کے مسائل فضائل اور آداب وغیرہ پر بھی اس نے ایک کتاب فتح المجاہدین لکھوائی تھی مسجد اعلیٰ کی جب تعمیر مکمل ہوئی تو اس کی دیواروں پر بھی جہاد کی آیات واحادیث ہی نقش کروائی وہ اپنی فوج کو میسوری یا سلطانی فوج کے بجائے لشکر مجاہدین کہلانا پسند کرتا تھا امامی نام کا اس نے ایک سکہ اپنی سلطنت میں جاری کیا تھا اس کی ایک پشت پر اس طرح کندہ تھا

دین احمد در جہاں روشن از فتح حیدر است

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین دنیا میں حیدر کی فتوحات سے روشن ہوا غرض یہ کہ وہ پوری دنیا میں اسلام کی سر بلندی کیلئے فکر مند رہا وہ ہمیشہ یہ دعا

کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی سرخروئی کا اس کو ذریعہ بنائے۔

مذہبی سختی

سلطان ٹیپو ہندوستانی حکمرانوں میں مذہبی سختی کے معاملہ میں بھی دیگر لوگوں سے ممتاز تھا چنانچہ اس کی سلطنت میں شراب و منشیات کی خرید و فروخت اور اس کے استعمال پر بلا تفریق مذہب ہر ایک کے لئے ممانعت تھی حتیٰ کہ اس کی فوج میں شامل غیر ملکی سپاہیوں کو بھی شراب کے استعمال کی اجازت نہیں تھی اس کے لئے اس نے کھجور کے علاوہ ان تمام پھلوں کے درخت بھی اپنی سلطنت میں کٹوا دیئے تھے جس سے عام طور پر شراب بنائی جاتی تھی حالانکہ اس سے اس وقت سالانہ ایک کروڑ روپے کی سرکاری آمدنی میں کمی ہوئی لیکن اس نے اس خسارہ کو بھی برداشت کیا[1] بحیثیت ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے اس نے دربار میں عوام وافسران کو اس کے لئے سجدہ تعظیمی سے منع کر دیا تھا اس لئے کہ وہ خدا کے علاوہ کسی کے آگے جھکنا جائز نہیں سمجھتا تھا حتیٰ کہ اس کے دربار میں کسی کو جھک کر سلام کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی وہ اپنے لئے احتراماً لوگوں کا کھڑا ہونا بھی پسند نہیں کرتا تھا اسی لئے اس نے مسجد اعلیٰ سے متصل اپنے محل سے مسجد آنے کیلئے ایک خصوصی دروازہ بنوایا تھا تاکہ مسجد میں اس کے آنے کی کسی کو اطلاع بھی نہ ہو اور اس کو دیکھ کر لوگ کھڑے نہ ہوں وہ اپنی تمام مسلم رعایا کو غلط عقائد جاہلی رسومات وبدعات سے پاک رکھنا چاہتا تھا اس لئے کہ سینکڑوں سالوں سے ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی تہذیب نے مسلمانوں پر گہرا اثر ڈالا تھا اور غیر شرعی

[1] سوانح ٹیپو سلطان از امجد علی اشہری

رسومات کے ہندوؤں کی طرح مسلمان بھی غیر شعوری طور پر عادی ہو گئے تھے اس سلسلہ میں ۳ / مئی ۱۷۸۶ء کو اس نے سلطنت کے مختلف گورنروں اور قلعہ داروں کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جو احکام مسلمانوں کو دیئے گئے تھے بعد کے مسلمان بادشاہوں نے انہیں بھلا دیا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ضعف پیدا ہو گیا ہے اس لئے ہم خدا کی تائید سے ان احکام کو اپنے دستخط اور مہر سے دوبارہ جاری کرتے ہیں جو اس خط کے ساتھ ملفوف ہیں آپ کا عہدہ اور حیثیت ایسی ہے کہ آپ بہترین طریقہ سے اپنے ماتحتوں میں ان احکام کی اشاعت کرتے ہوئے تمام مسلمانوں کو اس سے آگاہ کر سکتے ہیں خدائے پاک آپ کو اس کا اجر دے گا آپ کو چاہیئے کہ اس کی بے شمار نقلیں تیار کر کے مسلمانوں میں تقسیم کریں اور قاضیوں کو بھی اس کی اشاعت کے متعلق ہدایات دیں اس فرمان کو جاری کرنے کے بعد اس نے پوری سلطنت میں تاجرانہ قسم کی پیری مریدی اور درگاہوں میں نذرانوں وغیرہ پر پابندی لگادی اس کے عوض اس نے سجادہ نشینوں کیلئے سرکار کی طرف سے وظیفے جاری کر دیئے سلطنت میسور میں احمد نگر اور بیجاپور کی حکومتوں کے زمانہ سے رائج محرم کی رسومات اور تعزیوں وغیرہ پر بھی روک لگادی گئی مسلمانوں میں شادی بیاہ کے موقع پر رائج بے جا رسومات و اسراف کو بھی اسی نے سختی سے منع کر دیا چنانچہ اس نے اس سلسلہ میں ایک فرمان جاری کیا جو اس طرح تھا

"مسلمانوں کی شادی بیاہ میں غیر مسلموں کی رسومات شامل ہو گئی ہیں جیسے ہلدی، تیل، کنگن وغیرہ اس موقع پر گانے والی عورتیں بھی شامل ہو جاتی ہیں کچھ غیر

مستحسن نام بھی ان کی زبانوں پر آتے ہیں ان سب رسومات کو ممنوع قرار دے کر ہلدی کے بدلے مہندی تیل کے بدلے عطر وغیرہ مقرر کی جاتی ہے تاکہ مسلمانوں کی شادی کی تمام رسمیں شرع کے موافق ہوں اس سلسلہ میں قاضی سید حاجی مسکین کو نکاح کے امور میں سرکار کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے"

اس فرمان کے جاری ہونے کے بعد سلطنت میں کسی کے لئے اپنی آمدنی کا ایک فیصد سے زائد حصہ شادی میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں تھی اس زمانہ میں غلاموں اور لونڈیوں کا رواج تھا جس کو وہ انسانیت کی روح کے منافی سمجھتا تھا چنانچہ ایک شاہی فرمان جاری کر کے اس کو غیر قانونی قرار دیا گیا ناجائز اولاد کا باعزت گھرانوں سے رشتہ بھی اس نے ممنوع قرار دیا تھا اس نے پوری مملکت میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو لوگ اپنی تنگ دستی کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے ان کے اخراجات حکومت کی طرف سے ادا کیے جائینگے نواب حیدر علی نے اپنی سلطنت میں رائج سکوں کی پشت پر ہندو دیوی دیوتاؤں کی تصویریں کو برقرار رکھا تھا لیکن ٹیپو نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد ان سکوں کو ہٹا کر دوسرے سکے رائج کیے جس پر ایک طرف اسد اللہ الغالب اور دوسری طرف دین احمد در جہاں روشن از فتح حیدر راست نقش ہوتا تھا سرکاری اخراجات پر یتیم خانے قائم کئے گئے تھے جہاں ہندو بچوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کیلئے مسلمان اساتذہ مقرر تھے

کورگ کے ہندو باشندوں میں تمام بھائیوں کی ایک مشترکہ بیوی نائر قوم میں ایک عورت کے پاس کئی شوہروں کی موجودگی کیرالا کی ہندو عورتوں کی اپنے سینوں کو کھلا رکھ کر باہر نکلنے کی عادت دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کیلئے انسانی بھینٹ چڑھانے وغیرہ کے غیر

فطری اعمال پر بھی اس نے سختی سے پابندی لگادی تھی اور اس کی خلاف ورزی پر ان کیلئے سزائیں بھی مقرر تھیں اس کی ان مذہبی اصلاحات سے خود مسلمانوں کا ایک طبقہ اس کا مخالف بن گیا تھا انگریزوں نے اسی کا حوالہ دے کر ان کو مزید برانگیختہ کیا انگریز جنرل کارنواس کی طرف سے اس کی فوج میں شامل مسلمان سپاہیوں کیلئے محرم کی رسومات وخرافات کی نہ صرف اجازت تھی بلکہ کمیٹی کی طرف سے اس کیلئے مالی مدد بھی کی جاتی تھی انہوں نے ۱ محرم سے ۱۰ محرم تک جنگ بندی اور مسلم سپاہیوں کیلئے رخصت اور اس ماہ کی دوگنی تنخواہ کا اعلان کرکے جاہل عوام کی مزید بے وقوف بنایا اور سلطان کے خلاف ان کو اپنے ساتھ ملایا لیکن عوام کی ناراضگی کے باوجود وہ اس سلسلہ میں دوبارہ کوئی چھوٹ دینے کیلئے تیار نہیں تھا اور اخیر تک اپنے ان فیصلوں پر قائم رہا ایک دفعہ کسی درگاہ کے متولی وسجادہ نشین نے اس سے تجارتی پیری مریدی اور مزاروں میں نذرانوں کے قبول کرنے کی ممانعت کے فیصلہ پر نظر ثانی کی درخواست کی تو اس نے اس کو یوں خط لکھا

بنام بنی شاہ بنگلور ۱۴/دسمبر ۱۷۸۶ء

تم نے درخواست کی ہے کہ تم کو جاہلی رسوم جاری کرنے اور نذرانے لینے کی اجازت دی جائے

اطلاع دی جاتی ہے کہ اس معاملہ میں ہم نے جو مناسب سمجھا ہے وہ احکام پہلے ہی جاری کردئے ہیں اب اس پر نظر ثانی نہیں ہو سکتی

اسلامی معاشرہ کے قیام کی کوشش

سلطان اپنی سلطنت میں ایک مثالی اسلامی معاشرہ کا قیام چاہتا تھا وہ عام

مسلمانوں کو اسلامی شریعت کی پابندی کے ساتھ جس حالت میں دیکھنا چاہتا تھا اس کا ایک ہلکا سا خاکہ ذیل میں دیئے جارہے سلطان کے اس حکم نامہ میں آگیا ہے جو اس نے اپنی سلطنت کے تمام قاضیوں کے نام بڑے اہتمام کے ساتھ جاری کیا تھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از سلطنت خداداد سلطان ٹیپو

یہ حکم نامہ شہر بنگلور اور اس کے ماتحت علاقوں کے تمام موجودہ اور آنے والے قاضیوں اور خطیبوں کے لئے ہے

۱) آپ کو منصب قضاء اور ایک شرعی عہدہ پر مقرر کیا گیا ہے چاہیئے کہ آپ خود نماز روزہ کی پابندی کریں اور نواہی سے اجتناب کریں

۲) کسی کی رعایت اور طرفداری نہ کریں

۳) رشوت نہ لیں

۴) لوگوں کو طاعات کی ترغیب دیں

۵) نشہ آور چیزوں کے استعمال سے منع کریں

۶) زانیوں اور شرابیوں کو سزائیں دیں

۷) نماز جمعہ وعیدین میں جمہور مسلمین کو جمع کریں

۸) اہل دنیا ودین بوڑھے جوان اور بچوں کو دینی ودنیاوی علوم وفنون سکھائیں

۹) مردوں اور عورتوں کی ان کی مرضی معلوم کرنے کے بعد ہی شادی کریں

۱۰) مساجد کو آباد کریں ان میں اذان ونماز کا پوری طرح اہتمام کریں

ان تمام کاموں میں جزء سے لیکر کل تک کسی کام میں اس قانون اعظم کے مطابق جس کا نام شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کسی حالت میں بھی رعایت و تعطل نہ ہو ان نیک کاموں کو بجالانا افضل طاعات ہے

اہل دین ودنیا کا حال ومال درست کرنا اس دولت خداداد کی ترقی وپائیداری کا باعث ہوگا اسی بناء پر خلق اللہ کی بہتری وبہبودی کیلئے بعض احکام ذیل میں لکھے جاتے ہیں انہیں بغیر کسی کوتاہی کے فوراً عمل میں لائیں آپ کی گزر اوقات کیلئے سرکار سے معاش مقرر ہے لہذا آپ کو سرکاری احکام کے مطابق اپنے کام میں ہمیشہ مستعد وسرگرم رہنا چاہیئے

۱) مسجد کے استاد کو چاہیئے کہ تمام اہل اسلام کے بچوں کو جمع کر کے ہر روز سبق دے اور مشق کرائے

۲) تمام مسلمان بچوں کے نام مع ولدیت اور ان کتابوں کی تفصیلات کے ساتھ جو وہ پڑھتے ہیں حضوری میں بھیج دئے جائیں

۳) اگر کوئی بچہ ناغہ کرے یا پڑھنے نہ آئے تو استاد اس کی اطلاع دے اور اس علاقہ کا تعلقہ دار بچوں کو طلب کر کے استاذ کے حوالہ کردے

۴) اس قسم کے مدارس تمام مساجد اور دوسری جگہوں پر قائم کئے جائیں

۵) بچوں کو پہلے پہاڑے اور پھر حساب سکھائے جائیں

۶) اگر خود استاد حساب سے ناواقف ہو تو پہلے وہ خود کسی محاسب سے اس کو سیکھے پھر بچوں کو سکھائے

۷) اس کے بعد بچوں کو علم انشاء اور لکھنا پڑھنا سکھائے

۸) مسجدوں کے خطیب اور مؤذن اپنے مقررہ کام سے فراغت کے بعد بچوں کو درس دیں

۹) پانچ آدمیوں کو ختم قرآن کیلئے جمعہ کے روز مقرر کریں جو ایک دن ورات میں پورہ قرآن ختم کریں ختم قرآن کے بعد جمعہ کی شب میں وہ مملکت کی ترقی اور اس کے دشمنوں کی شکست کیلئے دعا کریں

قاضی کو چاہیئے کہ جمعہ کے دن تمام اہل اسلام کو اعلان کے ساتھ نماز کیلئے طلب کرے اگر کوئی بلاوجہ حاضر نہ ہو تو اس پر ایک روپیہ جرمانہ عائد کرے اگر وہ جرمانہ کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو حدیث شریف کے مطابق اس پر جو سزا مقرر ہے اس کے مطابق اس پر حد شرعی جاری کرے

۱۱) قاضی کو چاہیئے کہ اس امر کا پورہ اہتمام کرے اور تاکید کرے کہ کوئی بھی شخص زنا جیسے فعل شنیع کا مرتکب نہ ہو کیونکہ اس کی وجہ سے شہروں اور ملکوں پر بلائیں اور آفتیں آتی ہیں اولاد ناجائز پیدا ہوتی ہیں اور مختلف قسم کے مذموم فعل لوگوں میں پھیل جاتے ہیں کیونکہ زنا وشراب نوشی ام الخبائث ہے۔ اور افعال شنیعہ میں سب سے بدتر ہیں اگر خود قاضی ان کاموں سے لوگوں کو منع کرنے اور ان چیزوں کو بند کرنے کا اہتمام نہ کرے تو شریعت کے مطابق خود اس کو بھی سزا دی جائے گی

۱۲) قاضی اپنے علاقہ کی مردم شماری کرائے جس میں مکانات مردوں وعورتوں اور بچوں مع ان کے مشاغل کی پوری تفصیلات ہوں پھر اس سے سرکار کو مطلع کرے اور اس کی ایک نقل اپنے پاس بھی رکھے

۱۳) اگر کسی مسلمان کے گھر بچہ پیدا ہو تو قاضی کو چاہیے کہ وہ اس کو اپنے سامنے طلب کرے اس کا نام رکھے چار سال چار ماہ بعد اس کی بسم اللہ خوانی بھی کرائے

۱۴) ماہ رمضان المبارک میں سرکار کی طرف سے مفت کھانا پکوا کر محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کیا جائے اس کیلئے ایک شخص کو اس جگہ ذمہ دار بھی مقرر کیا جائے ان تمام اخراجات کیلئے ایک محاسب بھی ہو جو پورا حساب کتاب رکھے اور اس کی اطلاع کے بغیر ایک آنہ بھی خرچ نہ کیا جائے

۱۵) قاضی کو چاہیئے کہ ہر ماہ خطیب، ملّا اور استاذ قرآن وغیرہ کی حاضری کی کیفیت سے سرکار کو مطلع کرے

۱۶) اگر قاضی چوری، زنا، رشوت اور شراب وغیرہ کے باب میں شرعی حدود کو جاری نہ کرے تو اس کو عہدہ قضاء سے معزول کیا جائیگا

۱۷) اگر قاضی خود رشوت لے یا ناانصافی کا مرتکب ہو تو وہ بھی جہنم کی وعید میں داخل ہے اس پر اس کو منصب قضاء سے معزول کر کے اسکی جگہ دوسرے کو مقرر کیا جائیگا اسی طرح اگر وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کردے تو وہ کافر گردانا جائیگا

۱۸) قاضی کو چاہیے کہ اپنے علاقہ کے تمام اہل اسلام کے کسب اور ذریعہ معاش کی پوری تحقیق کرے اگر کوئی شخص تجارت کر سکتا ہو لیکن اپنی ناداری کی وجہ سے تجارت نہ کرے تو اس کو سرکار کی طرف سے پچاس سے سو روپے تک دلائے جائیں

۱۹) زراعت پیشہ لوگ اگر تنگ دستی کی وجہ سے کاشتکاری نہ کرتے ہوں تو ہر ایک کو دو ہل اور بیلوں کے علاوہ بالائی خرچ کیلئے بیس سے تیس روپے سرکار کی

طرف سے دیئے جائیں اس علاقہ کا عامل اس کو قابل کاشت جگہ بھی دے اور بیج بھی اس کو بقدر ضرورت فراہم کیے جائیں اگر دو سال بعد اس کی حالت اچھی ہو تو وہ سرکار کا قرض قسط وار ادا کرے ان کاموں کیلئے جو روپیہ عامل سے لیا جائے اس کی رسید خود قاضی اپنی دستخط و مہر کے ساتھ اس کو دے

۲۰) قاضی کو چاہیئے کہ مساجد و عبادت گاہوں کو گرد و غبار سے پاک رکھے سفیدی کرائے فرش صاف رکھے صحن مسجد کو جھاڑ دے اس کو خس و خاشاک سے پاک رکھے مختلف قسم کے پھول کے درخت لگا کر مساجد کو مزین و منور رکھے تاکہ اس سے نہ صرف مسلمانوں کو ترغیب ہو بلکہ غیر مسلموں کیلئے بھی یہ مساجد کشش کا باعث بنیں قاضی خود مسلمانوں کی عبادات کی نگرانی کرے اس طرح کہ وہ ضلالت و گمراہی کے طریقوں کو چھوڑ کر شریعت دین ہدی کی طرف رجوع ہوں

۲۱) قاضی ہمیشہ غیر مسلم مردوں و عورتوں کی خبر گیری رکھے ان سے ہمدردی کا اظہار کرے پند و نصیحت اور شیریں کلام سے ان کے دلوں کو مسخر کرے اور بالکل رازداری سے اس طور پر کہ ان کے گھر والوں کو بھی خبر نہ ہو ان کو اسلام کی دعوت دے اور جو لوگ مسلمان ہونا چاہیں ان کو اسلام میں داخل کرے اگر تالیف قلب کیلئے ان نو مسلموں کو قرض کی بھی حاجت ہو تو سرکار کی طرف سے اس کا بندوبست کرے جو نو مسلم تجارت کر سکتا ہو اس کو پچاس سے سو روپے دئے زراعت میں دلچسپی رکھنے والوں کو دو ہل اور بیل اور بالائی خرچ کیلئے بیس سے تیس روپے تک اور زراعت کیلئے بیج کے علاوہ قابل کاشت زمین کا بھی انتظام کرے

۲۲) اگر قاضی خود کو اپنے منصب کا اہل نہ پائے یا امر و نہی کے احکام جاری

کرنے میں تغافل سے کام لے تو حکومت کو اس سے آگاہ کرے

۲۳) بچوں کی تعلیم کیلئے ہر گھر سے ماہانہ پاؤ فلم (سکہ) وصول کیا جائے

۲۴) نکاح خوانی بسم اللہ خوانی اور بچوں کا نام رکھنے کیلئے بھی ایک ایک روپیہ وصول کرے

۲۵) ہر مسلمان کے گھر سے قاضی سالانہ ایک فلم وصول کرے

۲۶) قاضی کی طرف سے گائے کو ذبح کرنے کیلئے پاؤ فلم اور بکرے کیلئے ایک آنہ لیا جائے[1]

تحریر فی التاریخ، ۱ ماہ ہاشمی ۱۱۹۹ھ

نبی مالک

تقویٰ و دینداری

ذاتی طور پر اس کی دینداری و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جنگوں میں مسلسل مصروف رہنے کے باوجود بلوغ کے بعد اس کی کوئی نماز قضاء نہیں ہوئی جنگ کے ایام ہوں یا امن کے اس نے فجر بعد کی تلاوت کا کبھی ناغہ نہیں کیا عام حالات میں ایک گھنٹہ قرآن مجید کی تلاوت کیلئے خاص تھا اس نے فوج میں بھی مسلمان سپاہیوں کیلئے نماز باجماعت کا حکم جاری کر دیا تھا خود ہمیشہ باوضو رہنے کا عادی تھا سر پر سرخ عمامہ رہتا تھا لیکن اخیر میں علماء کے کہنے پر اس نے سبز عمامہ پہننا شروع کر دیا تھا جہاں

[1] صحیفہ ٹیپو سلطان از محمود بنگلوری

تک چہرہ پر داڑھی کا سوال تھا خود اس کے معاصر نشان حیدری کے مصنف میر حسین علی کرمانی کا کہنا تھا کہ اس کے چہرہ پر بال نہیں تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا خاص کر حضرت علی سے بڑی عقیدت تھی اپنے تمام ہتیاروں پر ان کا نام اسد اللہ الغالب کندہ کروایا تھا انبیاء کرام سے بھی بڑی محبت تھی حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے نام پر دو جہاز خضری والیاسی بنوا کر اپنے بحری بیڑہ میں شامل کر دیئے تھے اپنی حکومت کو سلطنت حیدری یا سلطانی کے بجائے سرکار احمدی یا سرکار اسد اللّٰہی اور زیادہ تر سلطنت خداداد کہتا تھا اس کا عقیدہ تھا کہ اس کو یہ سلطنت اس کی کسی ذاتی صلاحیت یا قابلیت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملی ہے اپنے کو تواضعاً سلطان کے بجائے نبی مالک یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت والا کہتا تھا اور اخیر میں لفظ ٹیپو کے بجائے نبی مالک کے نام کے ساتھ ہی دستخط بھی کرتا تھا تمام سرکاری خطوط و فرامین کے اوپر خود اپنے ہاتھ سے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھتا تھا علم تصوف سے بھی بڑی دلچسپی تھی کھانے کے اس کے دستر خوان پر وقت ضائع کرنے کے بجائے کوئی مذہبی کتاب ہمیشہ پڑھی جاتی تھی اس کی زبان سے کبھی کسی نے کوئی فحش کلمہ نہیں سنا اس کے دشمنوں نے خود گواہی دی کہ اس نے کبھی ناحق کسی کا خون نہیں کیا سادگی کا یہ عالم تھا کہ ۱۷۹۲ء میں انگریزوں کے ہاتھوں اپنی شکست کے بعد چارپائی پر سونا چھوڑ دیا تھا اور شہادت تک زمین پر سادہ ٹاٹ بچھا کر سوتا رہا اس وقت پورے ہندوستان میں یہ رواج تھا کہ بادشاہ مسجد میں آتا تو وہاں بھی لوگ اسکی تعظیم میں کھڑے ہوتے تھے

اس نے اس سے بچنے کیلئے ہی ایک الگ دروازہ اپنے محل سے مسجد آنے کیلئے بنوایا تھا تاکہ مسجد میں اس کی آمد کا لوگوں کو علم بھی نہ ہو ہر سال سرکاری مصارف پر سینکڑوں لوگوں کو حج بیت اللہ پر روانہ کیا جاتا تھا مکہ و مدینہ جاکر عمرہ کرنے والوں کیلئے بھی سال بھر بحری جہازوں کے سہولتیں فراہم کی گئی تھیں وہ خود بھی اپنی نجی زندگی میں صاف ستھرا تھا اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کرتا تھا، زنا سے اس قدر نفرت تھی کہ زانی کو بلاتفریق مذہب موت کی سزا مقرر تھی اس کے حرم میں کبھی غیرہ شادی شدہ عورت نہیں رہی عام حکمرانوں کی طرح اس نے کثرت سے شادی بھی نہیں کی بیک وقت اس کے نکاح میں دو سے زائد بیویاں نہیں رہیں مالابار کے فوجدار ارشد بیگ کی جب ایک عورت سے شناسائی ہو گئی تو اس نے اس پر اسکی تنبیہ کی اور اس عورت کو قید کر کے شہر بدر کر دیا انگریز سپاہیوں کے ساتھ جب چند مسلم خواتین کے ناجائز تعلقات کا ثبوت ملا تو ان سب مسلم خواتین کو پھانسی دے دی گئی جنگ کے دوران جب اس کے مسلم سپاہیوں نے دشمن کی خواتین کے ساتھ بدسلوکی کی تو ان کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا شاہی محل کے جس کمرہ میں اس کے گھر کی خواتین رہتی تھیں وہاں جانے والے راستہ میں شیر بندھے رہتے تھے تاکہ بدنیتی کے ساتھ کوئی ادھر جانے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے۔[1]

کرمانی نے اس کے زہد و تقویٰ کا ایک عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ اس کے محل میں کام کرنے والی دو نوجوان و حسین ملازماؤں کی نیت بگڑ گئی اور وہ رات کے وقت سلطان کے حجرہ میں داخل ہو کر اس کے پیر دابنے لگیں جب سلطان کی آنکھ

[1] سلطنت خداداد

کھلی تو وہ غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور اس نے ان دونوں کو ان کی اس نازیبا حرکت پر سخت سزائیں دینے کا حکم دے کر ملازمت سے بھی برطرف کر دیا شعائر دین اور اسلام کی نسبت سے ہر چیز کی اس کے دل میں بڑی عظمت تھی ۱۷۸۶ء میں حیدر آباد کے ایک امیر محمد خان بہادر نے اس کو ایک تسبیح اور جانماز بھیجی تو اس نے اس کو شکریہ کا خط یوں لکھا کہ ہدایا سے خوشی ہوئی اگرچہ خدا کے فضل سے ہمارے پاس دنیاوی تحائف بہت ہیں لیکن یہ تحفہ دینی ہونے کی وجہ سے ہمیں نہایت عزیز ہے اس کے حکم سے ہر گاؤں میں سرکاری خرچ پر ایک ایک مسجد اور بڑے شہروں میں بقدر ضرورت مسجدیں تعمیر کی گئی تھیں ہر مسجد میں دینی تعلیم کے مدرسے بھی قائم تھے موذن و امام اور استاذ کی تنخواہیں سرکاری خزانہ سے دی جاتی تھیں

حیاء

سلطان کی طبیعت میں حیاء کا یہ عالم تھا کہ اس کی زندگی میں اس کے جسم کے کسی بھی حصہ کو سوائے ہاتھ پیر اور چہرہ کے کسی نے کھلا نہیں دیکھا خود اس کے اہل خانہ کا کہنا تھا کہ حمام کے اندر بھی وہ اپنے پورے جسم کو ڈھانک کر غسل کرتا تھا ملیبار میں گرمی کی وجہ سے ہندو عورتیں اپنا سینہ کھلا رکھ کر گھر سے نکلتی تھیں اس نے اس پر سختی سے پابندی لگا دی تھی اور سرکاری حکم جاری کیا تھا کہ کوئی بھی عورت چاہے ہندو ہی کیوں نہ ہو سوائے چہرہ و ہاتھوں کے اپنے جسم کا کوئی بھی حصہ کھلا رکھ کر گھر سے نہ نکلے اس کی خلاف ورزی پر اس نے سزاؤں کا بھی اعلان کیا تھا خود اس کے معاصرین کا اس کے متعلق کہنا تھا کہ اس نے زندگی میں کبھی ایسا کپڑا نہیں پہنا جس سے نماز جائز نہ ہوتی ہو مطلب یہ کہ وہ باریک اور ریشمی کپڑا پہننے کا عادی نہیں تھا۔

سلطان کی آخری زمانہ کی دستخط



سلطان پہلے دستخط اسطرح کرتا تھا



سلطنت خداداد کے سکہ کا ایک رخ
دین احمد در جہاں روشن از فتح حیدر است



سکہ کا دوسرا رخ
ھوالسلطان العادل



toobaa-elibrary.blogspot.com

ولایت

ٹیپو کی پوری زندگی نے قدم قدم پر اس کی بزرگی کا ثبوت پیش کیا اس کی ولایت کیلئے یہی کافی تھا کہ ایک بااختیار بادشاہ ہونے اور عیش و عشرت کے تمام وسائل بآسانی مہیا ہونے کے باوجود اس نے زندگی میں کبھی ناجائز غلط اور خلاف شرع کام کا ارتکاب نہیں کیا سری رنگا پٹنم میں مسجد اعلی کے افتتاح کے موقع پر اندرون و بیرون سلطنت سے سینکڑوں علما و مشائخ کو دعوت دے کر بلایا گیا تھا اور یہ طے پایا تھا کہ کوئی صاحب ترتیب بزرگ پہلی امامت کرینگے لیکن جب موقع آیا تو کوئی ایک عالم یا بزرگ بھی اپنے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ صاحب ترتیب ہیں یعنی بلوغ کو پہنچنے کے بعد سے اب تک ان کی کوئی فرض نماز قضاء نہیں ہوئی ہے جب پورے مجمع میں سے ایک شخص بھی صاحب ترتیب نہیں نکلا تو سلطان ٹیپو خود آگے بڑھا اور کہا الحمد اللہ میں صاحب ترتیب ہوں یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ جنگوں میں مسلسل مصروفیت کے باوجود اس نے کبھی ایک وقت کی نماز بھی قضاء نہیں کی نماز باجماعت کا اس قدر اہتمام تھا کہ دشمنوں کے دار السلطنت کے محاصرہ کے باوجود شہادت کے دن صبح کی نماز بھی حسب معمول مسجد اعلی ہی میں جماعت کے ساتھ قاری ملا حسن کی امامت میں ادا کی

۸۷ء میں جب دھاڑوار کے قلعہ پر سلطانی افواج کے قبضہ کیلئے دریائے تنگھبدرا کی طغیانی حائل ہو گئی تو سلطان ہی کے حکم سے دریائے نیل میں حضرت عمرو بن العاص کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اکیس گولے داغے گئے اور دیکھتے ہی

دیکھتے اچانک طوفانی بارش کے تسلسل کے باوجود طغیانی بھی کم ہونے لگی اور سلطان نے دریا میں اپنا گھوڑا ڈال کر اپنی پوری فوج کے ساتھ دریا عبور کر کے اس طرف موجود دشمنوں کے خیموں پر دھاوا بول دیا یہ پورہ ماجرا جب اس کے دشمنوں نے بھی دیکھا تو وہ بھی اس کی ولایت کے قائل ہوگئے شہادت کے بعد جب اس کی تدفین عمل میں آئی تو آسمان بھی رو پڑا اور بے موسم بارش و گرج سے اس کی بزرگی پر مہر ثبت ہو گئی۔

۹۳ء میں سلطان نے ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو شہادت کی خوشخبری سنا رہے ہیں صبح بیدار ہو کر نماز شکرانہ ادا کی اور اللہ تعالیٰ کا اس شکر ادا کیا[1] عمامہ کی سنت کا نہ صرف خود بھی آخر تک پابند رہا بلکہ اس کو اپنے فوجیوں کے لباس میں بھی شامل کر دیا تھا اپنے والد حیدر علی کی وفات کے بعد جب اس نے اپنا پہلا دربار لگایا تو اسکا آغاز تلاوت کلام پاک سے کرایا جب قاری نے سورہ حشر کی آخری آیات **لایستوی اصحاب النار واصحاب الجنة اصحاب الجنة هم الفائزون** پڑھی تو اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے اس کے بعد سلطنت کا تاج بھی اس نے اپنے سر پر ایک بڑے عالم کے ذریعہ ہی رکھوایا اس کے بعد فقراء مساکین میں صدقات و خیرات کی بارش بھی ہوئی

غرض یہ کہ سلطان ٹیپو تقویٰ و زہد میں نہ صرف اپنے دور کے مسلم حکمرانوں بلکہ ماضی کے اکثر بادشاہوں میں بھی ممتاز و نمایاں تھا۔

---

[1] سلطان جمہور از مسلم ویلوری

ایک دیرینہ آرزو جو پوری نہیں ہو سکی

سلطان کی ایک بڑی تمنا تھی جس کا وہ اپنے رفقاء سے بھی بار بار ذکر کرتا تھا وہ چاہتا تھا کہ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ میں روضہ اطہر پر حاضر ہو کر واپسی میں کربلا کی زیارت کرتے ہوئے اپنی ایک دیرینہ آرزو کو پایہ تکمیل تک پہنچائے لیکن افسوس کہ زندگی میں اسکو اس کیلئے فرصت نہیں مل سکی اور اپنی شدید خواہش کے باوجود وہ اس کیلئے وقت نہیں نکال سکا اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ اس زمانہ میں بحری راستہ سے سفر حج کیلئے کم از کم سات آٹھ ماہ درکار تھے صرف آنے جانے میں چار پانچ مہینے لگ جاتے تھے ایک دو ماہ بھی وہاں قیام ہوتا تو بھی جملہ ۸/ ، ماہ اس کیلئے درکار تھے دوسری وجہ یہ تھی کہ اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر انگریز اور خود اس کے غدار وزراء بھی اس کی اسلامی سلطنت کا تختہ الٹ سکتے تھے یوں بھی قدرت نے اس کو بہت مختصر زندگی دی تھی اس نے صرف ۴۹ سال اس دنیا میں گزارے بلوغ سے شہادت تک زندگی کا پورہ حصہ یکے کے بعد دیگرے مرہٹوں نظام اور انگریزوں کے ساتھ جنگوں میں گزرا اس نے اپنی پوری حیات میں امن کے مسلسل ۴/ ۳ ماہ بھی نہیں دیکھے انگریزوں سے نپٹ کر فارغ ہوا تو مرہٹوں سے ٹھن گئی ان کو خاموش کر دیا تو داخلی بغاوتوں نے سر اٹھالیا اس طرح اس کو ذہنی یکسوئی کبھی نہیں مل سکی خود انگریز مصنف بورنگ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہوا کہ سلطان کو دارالسلطنت میں رہنے کا موقع بہت کم ملا تھا۔

حرمین شریفین سے اسکی محبت و عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب قسطنطنیہ میں

خلیفہ روم کی خدمت میں اپنا پہلا سفارتی مشن بھیجا تو اس کو ہدایت کی کہ واپسی میں مکہ ومدینہ میں حاضری دے کر وہاں اس کی مملکت کی ترقی کیلئے خصوصی دعاؤں کا اہتمام کرے ہر سال سینکڑوں مسلمانوں کو وہ سرکاری خرچ پر حج کیلئے بھیجتا تھا اس کے علاوہ عمرہ جانے والوں کیلئے بھی سال بھر رعایتی سفر خرچ پر بحری جہازوں کی سہولت عوام کو فراہم کی گئی تھی غرض یہ کہ ایک ملی فریضہ کی ادائیگی اور اس میں مسلسل مصروفیت کی وجہ سے قدرت کی جانب سے اس کو اپنے ایک ذاتی فریضہ کی تکمیل کا موقع نہیں مل سکا کوئی بعید نہیں کہ اسکی نیت وارادہ کی وجہ سے قیامت کے روز حاجیوں کے ساتھ اس کا حشر ہو اور انشاء اللہ اس کا شمار بھی حجاج کرام کے ساتھ ہی ہو وماذلک علی اللہ بعزیز

دین میں سختی خاندان رائے بریلی سے روحانی تعلق کا اثر

دنیا کی مختلف زبانوں میں اب تک سلطان ٹیپو پر متعدد کتابیں مختلف انداز اور پہلوؤں سے لکھی گئی ہیں ہندوستان کی تمام تاریخی شخصیات میں تنہا ٹیپو سلطان کی ذات ایسی ہے کہ اس کے متعلق لکھنے والوں کی اکثریت اس کی ہم مذہب نہیں ہے اس کی ذاتی زندگی وسیرت کا جائزہ لینے والے مصنفین ومؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ سلطان اپنی غیر معمولی مذہبی رواداری کے باوجود اپنے مذہب سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتا تھا اور وہ اس کا ایک سچا ومخلص پیرو تھا اسلامی تعلیمات پر عمل کے سلسلہ میں وہ اپنی ذات کے علاوہ عام مسلمانوں کیلئے بھی کسی رعایت تخفیف یا نرمی کا قائل نہیں تھا لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ کسی بھی

مصنف یا مؤرخ نے اب تک باقاعدہ اس بات کا پتہ لگانے کی کوشش نہیں کی کہ سلطان ٹیپو کے اندر اس قدر دینداری وتقویٰ اسلام پسندی اور مذہبی سختی کہاں سے آئی کہ اپنی رعایا کے ایک بڑے طبقہ کی ناراضگی کے باوجود اس نے جاہلی خرافات وبدعات کے سلسلہ میں کسی چھوٹ سے صاف انکار کیا حالانکہ مذہب کے معاملہ میں اس کے والد حیدر علی ذاتی طور پر زیادہ سخت نہیں تھے اس کا خاندان صحیح روایات کے مطابق عرب کے قبیلہ قریش سے تعلق رکھنے کے باوجود سالوں سے ہندوؤں کے ساتھ اس ملک میں رہنے کی وجہ سے کسی بڑے دینی مزاج یا اسلامی اسپرٹ کا حامل نہیں رہ گیا تھا خود اس کی جائے پیدائش دیون ہلی میں جہاں اس نے اپنا بچپن گزارا کوئی ایسا دینی ماحول یا اسلامی معاشرہ نہیں پایا جاتا تھا جس کی بناء پر ہم کہہ سکیں کہ شاید اس ماحول کا اس پر اثر ہوا ہو تلاش بسیار کے بعد راقم الحروف کو مخدومی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے اشارہ پر کتب خانہ شبلی ندوۃ العلماء لکھنؤ میں موجود رائے بریلی کے حسنی خاندان کے ذاتی خاندانی ذخیرہ کتب میں جس میں سرفہرست سید حیدر علی ٹونکی کا مخطوطہ وقائع احمدی تھا اس کا سرا مل گیا اور وہ یہ کہ برصغیر کی سب سے بڑی عظیم تحریک جہاد واحیاء خلافت کے بانی امیر المؤمنین فی الہند حضرت سید احمد شہید کے حقیقی نانا شاہ ابوسعید صاحب اور ان کے فرزند شاہ ابواللیث صاحب سے ٹیپو کا روحانی تعلق قائم تھا اور ان دونوں بزرگوں کو اس خاندان میں روحانی مرشد وسرپرست کی حیثیت حاصل تھی یہ پورہ خاندان سلسلہ نقشبندیہ میں شاہ ابواللیث صاحب سے بیعت تھا اور اس خدارسیدہ خاندان کے روحانی اثرات اور ان کی آرزوں وتمناؤں کی روح سلطان ٹیپو

کے جسم وجان میں کام کر رہی تھی سلطنت میں محرم کی رسومات کے سلسلہ میں ٹیپو کی سختی تجارتی در روایتی پیری مریدی پر اس کی روک بھی ان ہی بزرگوں کی صحبت کے اثر سے تھی جن کا پورا خاندان اس سلسلہ میں اس وقت پورے ملک میں شہرت رکھتا تھا ورنہ ملک کے اس زمانہ کے عام حالات اور مسلم عوام کے جاہلی رسومات و بدعات کی طرف غیر معمولی رجحان کو دیکھتے ہوئے ٹیپو کیلئے اس پر روک لگانا اتنا آسان نہیں تھا شاہ ابوسعید صاحب مع اپنے بیٹے شاہ ابواللیث صاحب کے تبلیغ و اصلاح کی نیت سے شمالی ہند سے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے جنوب مغرب میں نواب حیدر علی کے زمانہ میں سلطنت خداداد میسور تشریف لائے تھے جہاں ان کے ہاتھوں ہزاروں مسلمانوں نے بیعت کی تھی شاہ ابواللیث صاحب جب فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد اپنے وطن رائے بریلی تشریف لائے تو اس کے بعد انہوں نے مستقل سلطنت خداداد ہی میں قیام کیا اور وہیں رہ کر آپ نے سلطانی خاندان کی دینی وروحانی رہنمائی کی[1] آپ کا قیام مغربی ساحلی شہر منگلور میں تھا جس کا اس وقت نام کوڑیال بندر تھا وہیں ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۷۹۳ء میں سلطان کی شہادت سے چھ سال قبل آپ کی وفات بھی ہوئی البتہ شاہ ابوسعید کا انتقال ۱۱۹۳ھ میں اپنے وطن رائے بریلی ہی میں ہوا[2]

۱۸۲۲ء میں جب حضرت سید احمد شہیدؒ یعنی شاہ ابواللیث صاحب کے بھانجے مع اپنے قافلہ کے حج کے ارادہ سے مکہ جاتے ہوئے کلکتہ میں تین ماہ رکے تو اس وقت کلکتہ کے ٹالی گنج محلہ میں مقیم سلطان ٹیپو کے جلاوطن شہزادوں اور ان کی

[1] وقائع احمدی از سید حیدر علی ٹونک [2] نزھۃ الخواطر از حکیم عبدالحی حسنی

والدہ کو اس کی اطلاع ہوئی بیگم ٹیپو کو اس کا علم تھا کہ ان کے شوہر ٹیپو اور خسر نواب حیدر علی کا رائے بریلی کے حسنی خاندان کے بزرگوں شاہ ابوسعید صاحب و شاہ وابوللیث صاحب سے روحانی تعلق تھا اور یہ دونوں ان سے سلسلہ نقشبندیہ میں مرید تھے اس نے اپنے ایک آدمی محمد قاسم کو سید صاحب کی خدمت میں دریافت حال کیلئے بھیجا کہ وہ معلوم کرے کہ یہ سید صاحب کس کی اولاد میں سے ہیں اگر ان کا شاہ ابوسعید صاحب و شاہ ابواللیث کے خاندان ہی سے تعلق ہو تو ہم بھی ان کی قدم بوسی کریں سید صاحب نے کہلوایا کہ حضرت شاہ ابوسعید صاحب تو ہمارے حقیقی نانا اور شاہ ابواللیث صاحب ہمارے ماموں تھے اس کے بعد سید صاحب نے بیگم ٹیپو کی درخواست پر تمام شہزادوں سے بیعت لی خود بیگم ٹیپو اور سلطان کی اکلوتی بیٹی بھی دیگر شاہی خواتین کے ساتھ بیعت لینے والوں میں شامل تھیں بیگم ٹیپو بڑی ہی ذاکرہ و متقیہ خاتون تھی سید صاحب کی توجہ و فیض سے اس کو مزید روحانی کمال حاصل ہو گیا تھا سلطان کے بعض شہزادوں کے عقائد میں ان کے ایک دہریہ استاذ مولوی عبدالرحیم کی صحبت سے بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی لیکن سید صاحب کے حکم سے بیگم ٹیپو نے شہزادوں کو آئندہ پڑھانے سے مولوی عبدالرحیم کو روک دیا تھا[1]

[1] سیرت سید احمد شہید از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دسمبر ۱۹۹۲ء انجمن فلاح مساجد مغربی بنگال

بائیسواں باب

ٹیپو بحیثیت عالم و علم دوست

علمی قابلیت

نواب حیدر علی نے خود ناخواندہ ہونے کے باوجود اپنے فرزند اور جانشین سلطان ٹیپو کی تعلیم کا خصوصی بندوبست کیا اور بچپن ہی میں ہر فن کی دینی و دنیاوی تعلیم اس کے ماہر اساتذہ سے دلوائی ایک فوجی ماہر غازی خان کی نگرانی میں فوجی و جنگی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا نتیجہ یہ تھا کہ وہ آغاز جوانی ہی سے کسی بھی علمی موضوع یا فن پر کھل کر بول سکتا تھا اس طرح اس کا شمار بھی چوٹی کے علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ میں ہوتا تھا علم نجوم، سائنس، طب، انجینیرنگ اور موسیقی سے بھی اس کو بڑی حد تک واقفیت تھی خطاطی میں بھی وہ مہارت رکھتا تھا مختلف موضوعات پر اس نے پینتالیس سے زائد کتابیں خود لکھی یا اپنی سرپرستی میں دوسروں سے لکھوائی، کھانے کے دستر خوان پر فضول گفتگو کے بجائے وہ ہمیشہ کوئی اچھی دینی کتاب پڑھواتا تھا اس کے دربار میں بھی مسلم علماء کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ موجود رہتی تھی وہ عام گفتگو اور خط و کتابت کیلئے بالعموم فارسی ہی کو استعمال کرتا تھا لیکن کنڑ مراٹھی تیلگو اور عربی میں بھی اس کو دسترس حاصل تھی اردو تو وہ اچھی طرح جانتا ہی تھا فرانسیسی بھی اس نے سیکھ لی تھی انگریزی بھی وہ ایک حد تک جانتا تھا اس طرح وہ متعدد یوروپی زبانوں میں گفتگو کر سکتا تھا مذہب و تصوف کی کتابوں سے اس کو بڑی دلچسپی تھی منطق فلسفہ تاریخ تفسیر حدیث و فقہ کی کتابیں بھی اس کے زیر مطالعہ رہتی تھیں رات کے وقت بستر پر لیٹ کر نیند آنے تک وہ کوئی کتاب ضرور پڑھتا رہتا تھا خود اس کے محل میں اس کا ذاتی کتب خانہ موجود تھا جہاں اس

نے مختلف جگہوں سے اہم موضوعات پر قیمتی کتابیں منگوا کر جمع کرلی تھیں جس کی نگرانی کیلئے ایک ناظر کتب خانہ بھی مقرر تھا کتابوں کی جلد سازی کیلئے دارالسلطنت میں ایک مستقل شعبہ قائم کیا گیا تھا جلد سازی کے بعد سر ورق پر اللہ، محمد اور اہل بیت و خلفاء راشدین کے نام لکھے جاتے اوپر سلطنت خداداد اور سب سے نیچے اللہ کافی لکھا جاتا سلطان جس کتاب کا مطالعہ کرتا اس پر اپنی مہر و دستخط ضرور ثبت کرتا کتب خانہ کی اکثر کتابوں پر اس کی دستخط موجود تھی گویا اس نے اس میں سے اکثر کتابوں کا مطالعہ کیا تھا وہ دستخط ہمیشہ طغری میں کرتا تھا پہلے تو ٹیپو سلطان لکھتا تھا لیکن آخر میں تواضعاً اپنے کو نبی مالک کہنا پسند کرتا اور اسی کے مطابق دستخط بھی کرتا اس کی خوش خطی سے متعلق سقوط سری رنگا پٹنم کے بعد کمپنی کی طرف سے مقرر اس کے کتب خانہ کے انگریز ناظر کرک پیاڑک کا کہنا تھا کہ اس کی تحریر دوسروں کی تحریر سے ہمیشہ ممتاز رہتی تھی اور وہ بڑی ہی پر مغز و مختصر ہوتی تھی انگریز مؤرخ مل کا کہنا تھا کہ وہ ایک مشرقی حکمراں ہوتے ہوئے بھی علم کا خزانہ تھا تعلیم سے اس کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ وہ ہندوستان کا پہلا حکمران ہی نہیں بلکہ اولین باشندہ تھا جس نے اپنے لڑکے کو اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۷۹۲ء ہندوستان سے باہر ایک یورپی ملک فرانس بھیجنے کا منصوبہ بنایا اس سلسلہ میں اس نے فرانسیسی حکومت سے وہاں متعین اپنے سفیر کے ذریعہ رابطہ بھی قائم کیا جس پر وہاں سے جواب آیا کہ صاحبزادہ کو پہلے فرانسیسی زبان کی تعلیم دلائی جائے اور سالانہ پچاس ہزار روپے اخراجات کو برداشت کرنے کی منظوری بھی دی جائے سلطان اس کیلئے آمادہ بھی ہو گیا تھا لیکن اس وقت انگریزوں کے ساتھ میسور کی تیسری جنگ کے چھڑ جانے کی وجہ سے وہ اس

پر مزید توجہ نہیں دے سکا ۱۷۸۵ء میں علم طب سے متعلق یورپ سے ایک کتاب فرانسیسی میں اس کو ملی تو اس نے اس کے ترجمہ کا حکم دے دیا اس کی علم پروری و تعلیمی ذوق کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ ۱۷۸۵ء میں اس نے سری رنگا پٹنم میں جامع الامور کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی جہاں بیک وقت دینی و عصری علوم کی تعلیم دی جاتی تھی اس کے علاوہ سلطنت کے قاضیوں اور مساجد کے ائمہ کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ہر مسجد میں ایک مدرسہ بھی ضرور قائم کریں جہاں بچوں کی تعلیم کا نہ صرف بندوبست ہو بلکہ بچوں کی اور ان کو پڑھائی جانے والی کتابوں کی تفصیلات سے سلطان کو مطلع کیا جائے اگر کوئی بچہ بلاوجہ مدرسہ میں حاضر نہ ہو تو علاقہ کا تعلقدار اسکو مدرسہ میں حاضر کرنے کا انتظام کرے۔

سلطان کا ذاتی کتب خانہ

سلطان کی شہادت کے بعد اس کے شاہی محل میں مال غنیمت میں ایک قیمتی کتب خانہ بھی انگریزوں کے ہاتھ لگا جس میں بیش قیمت مخطوطات کے علاوہ مختلف فنون کی ۱۸۸۹ نادر کتابیں موجود تھیں اسمیں سے اکثر کتابوں پر سونے کا کام کیا گیا تھا اور بعض کتابوں کی جلدیں ہیرے جواہرات سے بھی مزین تھیں یہ کتابیں اس کو مختلف حکومتوں علماء اور اہل علم سے تحفہ میں ملی تھیں بعض کتابیں گولکنڈہ اور بیجاپور کے بادشاہوں کی بھی تھیں کچھ مخطوطات کڑپہ وغیرہ پر حملہ کے دوران دستیاب ہوئے تھے کتابوں کا ایک حصہ نواب حیدر علی نے ۱۷۸۰ء میں نواب کرناٹک محمد علی کے بھائی نصیر الدولہ عبدالوہاب خان سے حاصل کیا تھا اس میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کے پاس کا ایک نادر قرآن مجید کا نسخہ بھی موجود تھا جو خط

نسخ میں لکھا ہوا تھا اور اس کی قیمت اس وقت ہی تقریباً ایک لاکھ روپے لگائی گئی تھی یہ نسخہ اب شاہ انگلستان کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے

۱۸۰۹ء میں چارلس اسٹوارٹ نے انگلستان سے ٹیپو کے کتب خانہ اور اسکی تفصیلات پر ۳۶۴ صفحات کی ضخیم فہرست شائع کی تھی جس کا نام تھا

DISRIPTIVE CATALOGE OF THE ORIENTAL
LIBRARY OF THE LATE TIPU SULTAN OF MYSORE

امجد علی اشہری نے اپنی کتاب سوانح ٹیپو سلطان میں اس کے ذاتی کتب خانہ سے برآمد ہونے والی کتابوں کی جو فہرست لکھی ہے اس کے مطابق مندرجہ ذیل فنون کی کتابیں اس طرح تھیں

فن	تعداد	زبان
۱) قرآن مجید	۴۴	عربی
۲) علم تفسیر و تجوید	۳۱	عربی
۳) فن حدیث	۳۶	فارسی، عربی ۳۹
۴) توحید و رسالت (عقائد و علم کلام)	۳۶	عربی ۳۵ فارسی ۱۱
۵) فن تصوف	۱۱۵	عربی ۱۸ فارسی ۹۷
۶) طب	۶۲	عربی ۱۴ فارسی ۴۸
۷) لسانیات (صرف و نحو)	۳۵	عربی ۳۳ فارسی ۱۲
۸) لغات	۲۹	عربی ۱۵ فارسی ۱۴
۹) مکتوبات	۵۳	عربی ۲ فارسی ۵۱
۱۰) تاریخ و سوانح	۱۱۸	عربی ۱۰ فارسی ۱۰۸
۱۱) فقہ	۹۵	عربی ۶۵ فارسی ۳۰
۱۲) علم اخلاق	۲۴	عربی ۱ فارسی ۲۳
۱۳) فلسفہ	۵۴	عربی
۱۴) علم نجوم	۲۰	عربی ۸ فارسی ۱۲
15) ریاضیات	۷	عربی ۴ فارسی ۳
۱۶) وظائف و اوراد	۳۵	عربی
۱۷) سائنس و آرٹس	19	عربی ۱ فارسی ۱۸
۱۸) شعر و ادب	۱۹۰	عربی ۱۸ فارسی ۱۷۲
۱۹) ہندی و اردو شعر	۲۳	ہندی و اردو
۲۰) ہندی و اردو نثر	۴	ہندی و اردو
۲۱) قصص و حکایات	۱۸	فارسی
۲۲) متفرق	۲	ترکی

چونکہ انگریز علمی و مالی دونوں اعتبار سے اس کتب خانہ کی اہمیت کو سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے یہ سب کتابیں فرٹ ولیم کالج کلکتہ اور ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ روانہ کیں لیکن ۱۸۰۳ء میں جب فورٹ ولیم کالج کلکتہ بند ہوا تو نادر مخطوطات انگلستان میں کیمرج اور آکسفورڈ یونیورسٹیوں کے کتب خانوں میں بھیجے گئے۔[1]

[1] سہ ماہی بصائر کراچی ۱۹۶۴ء

وہ کتابیں جو ٹیپو نے خود لکھیں یا لکھوائیں

سلطان شہید اس حیثیت سے بھی دنیا کے تمام حکمرانوں میں ممتاز ہے کہ اگرچہ اس کا سترہ سالہ حکمرانی کا تقریباً پورا دور اپنے وطن اور مذہب کے دشمنوں کے ساتھ جنگوں میں گزرا لیکن اس کے باوجود اس کے علمی شوق و جستجو کا یہ عالم تھا کہ جنگوں میں مسلسل مصروفیت کے باوجود پینتالیس سے زائد کتابیں مختلف موضوعات پر یا تو خود اس نے لکھی یا اپنی ہی سرپرستی میں کسی متعمد شخص سے لکھوائیں ذیل میں ان کتابوں کی کچھ تفصیلات دی جارہی ہیں

(۱) تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین)

مسلمان سپاہیوں کیلئے جہاد کے اصول و ضوابط سے متعلق یہ کتاب سلطان ٹیپو نے خود اپنی نگرانی میں ۱۷۸۶ء میں فارسی زبان میں لکھوائی تھی اس کے مصنف زین العابدین شستری تھے جو نظام حیدر آباد کے وزیر میر عالم کے بھائی تھے مسلم مجاہدین کیلئے عقائد مسائل عبادات و معاملات دشمنوں پر حملے و شب خون کے اصول و قواعد پیدل و سوار فوج کی ذمہ داریوں وغیرہ کے موضوعات پر اس میں کل آٹھ ابواب تھے آخر میں ایک ضمیمہ تھا جس میں ہنگامی حالات میں فوجیوں کیلئے ہدایات موجود تھیں مثلاً زخمی ہونے یا زیادہ خون بہنے کی صورت میں فوراً میدان جنگ میں ہی کیا علاج کرنا چاہیے سانپ کے کاٹنے کی صورت میں اس کے زہر کو کیسے ختم کرنا چاہیئے یہ اور اس طرح کی تمام جزئیات اس میں شامل تھیں کتاب کے

مقدمہ میں خود مصنف لکھتا ہے کہ

"اس ناتجربہ کار زین العابدین کو اعلیٰ حضرت سلطان نے حکم دیا کہ توپ خانہ فوج کشی اور سپاہ کی تنظیم کے قواعد جو خود سلطان نے ایجاد کئے ہیں مرتب کروں" اس کتاب کا ایک نسخہ اب بھی سری رنگا پٹنم کے دریا دولت باغ کے میوزیم میں موجود ہے

(۲) مؤید المجاہدین

سلطان کے حکم سے یہ کتاب عام مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے خاطر جمعہ کے خطبات کیلئے فارسی میں خط نستعلیق میں لکھی گئی تھی اس میں ہر مہینہ چار خطبوں کے حساب سے سال بھر کیلئے ۴۸ خطبوں کے علاوہ عیدین کے دو خطبے شامل تھے ایک روایت کے مطابق اس کے مصنف بھی زین العابدین شستری ہی تھے

(۳) مفتاح القلوب (مفرح القلوب)

یہ کتاب مذکورہ دونوں ناموں کے ساتھ مشہور ہے ۱۷۸۵ء میں سلطان نے اس کتاب کو خود اپنی نگرانی میں فارسی میں فن موسیقی کے موضوع پر حسن علی عزت نامی ایک بڑے عالم سے لکھوایا تھا کتاب کے مقدمہ میں خود مصنف نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اس کے مضامین خود ٹیپو نے انہیں املا کروائے تھے یہ کتاب

بنیادی طور پر تو فارسی میں ہے لیکن متن کی تفصیلات دکھنی زبان میں ہیں میسور کی موسیقی اور اس کی تاریخ سے متعلق اسمیں شامل اکثر نظمیں دکھنی میں ہیں البتہ کچھ فارسی میں بھی ہیں پوری کتاب ایک مقدمہ چھ ابواب وخاتمہ پر مشتمل ہے

میر محمود حسین یم اے نے اپنے ایک مضمون "دربار سلطانی کا ایک شاہ کار" میں اس کے متعلق لکھا ہے "کہ دربار سلطانی کی یہ ایک اہم تصنیف ہے علمی فنی اور ادبی شاہ کار ہونے کے ساتھ ساتھ یہ عہد سلطنت خداداد کا ایک بڑا گراں مایہ سرمایہ ہے یہ ٹیپو کی اختراعی صلاحیت اور اس کے ذاتی رجحان کی آئینہ دار بھی ہے دربار سلطانی کی علمی و ادبی فضا کا عکس اس میں دکھائی دیتا ہے سلطنت خداداد کی ادبی دکھنی زبان سب سے زیادہ اس کتاب میں محفوظ ہے غرض یہ کہ یہ فن موسیقی کے ادب میں ایک ممتاز اضافہ ہے "[1]

اس کتاب کا ایک نسخہ میسور یونیورسٹی کے اورنٹیل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں موجود ہے

(۴) وقائع منازل روم

یہ دراصل ایک سفر نامہ ہے ۱۷۸۶ء میں جب سلطان ٹیپو کی طرف سے خلیفہ روم کی خدمت میں ایک وفد روانہ کیا گیا تھا تو اس وفد کے سکریٹری خواجہ عبدالقادر نے سلطان کی ہدایت کے مطابق اس میں اپنے سفر کے پورے حالات لکھے تھے اس میں ان تمام مقامات کی تفصیلات ہیں جہاں دوران سفر اس وفد نے قیام کیا اور ان

[1] دربار سلطانی کا ایک شاہکار از میر محمود حسین ایم اے

تمام قابل ذکر اشخاص کے حالات بھی جن سے یہ لوگ اس سفر میں ملے تھے

(۵) فقہ محمدی (فتاوی محمدی)

فقہ حنفی کے مطابق معاملات و عبادات کے مسائل پر مشتمل یہ کتاب ٹیپو نے اپنی سلطنت کے تین بڑے علماء قاضی سید علی، شیخ احمد اور سید غلام مصطفیٰ سے لکھوائی تھی اس میں کل ۳۱۳ ابواب تھے اس کتاب کا ایک نسخہ میسور کی اورنٹیل ریسرچ لائبریری میں اب بھی موجود ہے تاریخ النوائط کے مصنف نواب عزیز جنگ بہادر کی تحقیق کے مطابق سلطان شافعی المسلک تھا غالباً اس نے یہ کتاب فقہ حنفی کے مطابق عوام کی اکثریت کے مسلک کا لحاظ کرتے ہوئے لکھوائی تھی

(۶) فتح نامہ ٹیپو سلطان (اضراب سلطانی)

۱۷۸۷ء میں یہ کتاب حسن علی عزت نے سلطان کے حکم سے لکھی تھی اس میں دکھنی زبان میں مرہٹوں اور نظام کے ساتھ ۱/ مئی ۱۷۸۶ء سے ۱۰/ فروری ۱۷۸۷ء تک سلطان ٹیپو کے جنگ کے حالات تفصیل سے درج ہیں ۳۱ فارسی عناوین کے تحت اس میں ۱۳۸۸ اشعار ہیں گویا یہ ایک مثنوی ہے

(۷) رسالہ در طرز خط محمدی

سلطان چونکہ خود ایک بڑا خطاط تھا اس لئے اس نے فارسی میں اس موضوع پر

اپنے وضع کردہ اصول و ضوابط پر مشتمل یہ کتاب لکھوائی تھی اس میں خود اس کے ایجاد کردہ رسم الخط خط محمدی کی تفصیلات درج ہیں اس کتاب کے اندر خود ٹیپو کے ہاتھ کا لکھا ہوا ببری خط کا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی ہے جس کا نمونہ اس کتاب کے اگلے صفحات میں دیکھا جاسکتا ہے

(۸) زبرجد

علم نجوم ٹیپو سلطان کا خاص موضوع تھا اس لئے اس نے اس موضوع پر مذکورہ بالا کتاب منشی غلام حسین منجم عاصی سے لکھوائی تھی اس کتاب کا ایک نسخہ حیدر آباد کے سالار جنگ میوزیم میں موجود ہے

(۹) احکام

تجارتی اصول و ضوابط پر مشتمل عوام کی سہولت کیلئے خود اس نے فارسی میں یہ کتاب لکھوائی تھی اس میں کل آٹھ ابواب تھے اس کا بھی ایک نسخہ سالار جنگ میوزیم میں موجود ہے

(۱۰) طب دراجن

علم طب کے موضوع پر یہ کتاب بھی سلطان ہی کے حکم سے لکھی گئی تھی اس کا ایک نسخہ اورینٹل ریسرچ لائبریری میسور میں موجود ہے جس پر کئی جگہ سلطان کے دستخط بھی ہیں

(۱۱) حکم نامہ

۱۷۸۴ء میں اس نے خلیفہ روم کی خدمت میں ایک سفارتی وفد روانہ کیا تھا اور اس کو وہاں سے فرانس اور انگلستان بھی جانے کی ہدایت کی تھی ان ہی سفراء کے نام مختلف ہدایات پر مشتمل آٹھ خطوط کا یہ مجموعہ ہے اس میں ان کیلئے سفارتی آداب وغیرہ کی تفصیلات درج تھیں مثلاً سفراء کا طرز عمل، فرانسیسی قوم سے روابط کیلئے حکمت عملی، سلطان کیلئے قابل خرید اشیاء کی فہرست وغیرہ[۱]

(۱۲) سلطان التواریخ

سلطنت میسور کی تاریخ اور ٹیپو کے آباء و اجداد کے حالات پر مشتمل یہ کتاب بھی سلطان کے حکم سے ہی لکھی گئی تھی بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کے مصنف بھی زین العابدین شستری تھے جبکہ بعض دوسرے مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ کتاب منشی مرزا زین العابدین عابد نے لکھی تھی

(۱۳) جلوہ نامہ

سلطان ہی کے حکم سے یہ کتاب بھی لکھی گئی تھی اس میں شادی بیاہ اور خوشی کے موقع پر گائے جانے والے گیت یکجا کئے گئے تھے

---

[۱] سہ ماہی بصائر ۱۹۹۳ء کراچی

(۱۴) خلاصہ سلطانی :۔ (احکام النساء)

خاص عورتوں کے مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے متعلق اردو میں اس کتاب میں فقہ کے اہم مسائل کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس کے مصنف قاضی غلام احمد ہیں ۱۲۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب سلطان کی شہادت سے صرف ایک سال قبل ۱۲۱۲ھ میں لکھی گئی تھی

(۱۵) خلاصہ سلطانی

اردو زبان میں یہ دوسری کتاب بھی حنفی مسلک کے مطابق عورتوں کے مسائل ہی پر مشتمل ہے اس کے مصنف سید امام الدین اور عمر محمد قاضی ہیں اس کتاب کا ایک نسخہ اورینٹل لائبریری میسور میں موجود ہے۔

(۱۶) زادالمجاہدین

کئی فصلوں میں یہ کتاب نثر میں عقائد و عبادات کے مسائل پر مشتمل تھی جس میں غیر مسلموں میں اسلامی دعوت کی تفصیلات بھی درج تھیں اس کے آخر میں ایک نظم بھی تھی اس کے مصنف قاضی غلام احمد تھے لندن کے برٹش میوزیم میں اس کتاب کا ایک نسخہ اب بھی موجود ہے

(۱۷) حکم نامہ وکلاء حیدر آباد

۱۷۸۹ء میں نظام حیدر آباد کی خدمت میں ٹیپو نے انگریزوں سے علیحدگی کی درخواست کے ساتھ اپنے سفیر قطب الملک اور علی رضا وغیرہ کو بھیجا تھا اس دوران ان سفیروں کو وہاں جو ہدایات دی گئی تھیں اور سلطان کی طرف سے جو تحائف نظام کی خدمت میں پیش کئے گئے تھے یہ کتاب ان سب ہدایات و تفصیلات پر مشتمل تھی

(۱۸) حکم نامہ اتالیق

اپنے شہزادوں کی تعلیم و تربیت کیلئے مقرر اساتذہ کیلئے ایک مفصل ہدایت نامہ خود سلطان نے تیار کیا تھا جس کا نام حکم نامہ اتالیق اس نے رکھا تھا

(۱۹) حکم نامہ جاسوساں

پوری سلطنت میں سلطان کی طرف سے پھیلے ہوئے مختلف جاسوسوں کیلئے اس میں ہدایات درج تھیں

(۲۰) کتاب اخبار

سلطان سے متعلق اہم خبروں اور واقعات پر مشتمل یہ مجموعہ تھا جس میں

اخبارات میں چھپی اس کے متعلق خبروں کے اقتباسات شامل تھے

(۲۱) مفردات در علم طب

یہ کتاب فارسی میں نباتات و طبعیات کے موضوع پر مختلف انگریزی و فرانسیسی مقالوں کے ترجموں پر مشتمل تھی جس میں پودوں کی تصاویر بھی شامل تھیں۔

(۲۲) روزنامچہ وکلاء حیدر آباد

سلطان کی طرف سے حیدر آباد کے نظام کے پاس بھیجے گئے اس کے سفیروں قطب الملک اور علی رضا کا یہ روزنامچہ تھا جو خود ان کے ہاتھوں کا لکھا ہوا تھا

(۲۳) جواہر القرآن

سلطان کے حکم سے قرآن مجید کے اعجاز سے متعلق قاضی غلام احمد نے یہ کتاب لکھی تھی اس کا بھی ایک نسخہ لندن کے برٹش میوزیم میں موجود ہے

(۲۴) بحر المنافع

فن ولادت اور بچوں کی صحت وغیرہ کے موضوع پر ۱۷۹۴ء میں سلطان کے حکم سے مولود محمد نامی شخص نے یہ کتابچہ تحریر کیا تھا۔

(۲۵) تحفہ محمدی

اس میں مختلف بیماریوں کیلئے حروف تہجی کے اعتبار سے دواؤں کی تفصیلات درج تھیں سلطان کی ایماء پر یہ کتاب محمد نصیر افشار ترک نے لکھی تھی۔

(۲۶) قانون در علم طب

دراصل انگریزی میں یہ کتاب طب کے موضوع پر شفاء خانہ لندن کی طرف سے وہاں کے کئی اطباء کی مشترکہ مساعی کا نتیجہ تھی۔
سلطان کے حکم سے فارسی میں اسی انگریزی کتاب کا یہ ترجمہ تھا۔

(۲۷) جامع عباسی

چونکہ فقہ حنفی میں سلطان کے حکم سے لکھی گئی کتاب فقہ محمدی (فتاویٰ محمدی) بڑی ضخیم تھی اس لئے عوام کی سہولت کیلئے عبدالرحمٰن عباس نامی شخص نے ۳۱۳ ابواب کا خلاصہ اس کتاب میں صرف ۹۳ ابواب میں کر دیا تھا۔

(۲۸) رکوعات قرآن مجید

تلاوت قرآن مجید کے دوران سجود وغیرہ کے احکام و مسائل پر یہ کتاب مشتمل تھی

(۲۹) برقی و طبی تجربات

برقی و طبی تجربات پر ایک انگریزی کتاب کا سلطان کے حکم سے فارسی میں کیا گیا یہ ترجمہ تھا۔

(۳۰) عروس المجلس

سلطان کے حکم سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر یہ کتاب ۱۲۰۹ھ میں قاضی غلام قاسم صاحب مہدی نے لکھی تھی۔ اردو نظم میں یہ کتاب ۲۹۸ صفحات پر مشتمل تھی۔

(۳۱) عروس عرفانی

یہ کتاب بھی سلطان ہی کے حکم سے فن تصوف پر اسلام کے محاسن و خوبیوں کی تفصیلات پر مشتمل تھی۔

(۳۲) رسالہ رنگ و بو

سلطان ہی کے حکم سے عطر سازی اور کپڑوں کو رنگنے کے فن پر یہ کتاب لکھی گئی تھی اس میدان میں کام کرنے والوں کیلئے اس کتاب میں ہدایات و رہنمائی موجود تھی۔

(۳۳) قصہ داد بخت

یہ فارسی میں منظوم حکایات تھیں جس کے مصنف ٹیپو کے استاذ حسن علی عزت تھے۔

(۳۴) وعظ المجاہدین

اس کتاب میں متعدد قرآنی آیات کے حوالہ سے مسلمانوں کو نصاری وغیرہ کو ختم کرنے کی ترغیب دی گئی تھی

(۳۵) منتخب ضوابط سلطانی

اس کتاب میں سلطانی سپاہیوں کیلئے نظم و نسق سے متعلق ہدایات تھیں۔

(۳۶) رسالہ کچہری (حکم نامہا)

حکومت کے مختلف انتظامی شعبوں و محکموں کیلئے اس میں رہنما ہدایات و ضوابط درج تھے

(۳۷) ضابطہ امثال راہ فتن سواری

سوار فوج کے سپاہیوں کیلئے مختلف ہدایات پر یہ کتاب مشتمل تھی

(۳۸) نقش مراد

یہ ایک مثنوی تھی جس کے مصنف منشی مرزا زین العابدین عابد تھے اس میں حضرت علیؓ وغیرہ کی کرامات کا ذکر تھا۔

اس کا ایک نسخہ اورینٹل ریسرچ لائبریری میسور میں اب بھی موجود ہے

(۳۹) چار کرسی

یہ کتاب نواب حیدر علی کے زمانہ میں ملباگل کے ایک عالم احمد خان شیرانی نے لکھی تھی جس میں مختلف موضوعات پر ۱۲۱ مسائل درج تھے

(۴۰) سرور المؤمنین (۴۱) عقائد حسینی

یہ دونوں کتابیں سیرت طیبہ کے موضوع پر تھیں جس کے مصنف میر محمد علی تھے۔

(۴۲) قادر باری

یہ فارسی کی پہلی لغت تھی جس میں چار سو فارسی الفاظ کے معنی دکھنی زبان میں تھے اس کے مصنف میر عسکری فیاض فطنت تھے۔

(۴۳) انشاء عسکری (۴۴) انشاء جعفر

شیعہ فقہ پر مشتمل یہ دونوں کتابیں میر عسکری فیاض فطنت ہی کی لکھی ہوئی تھیں

(۴۵) قصہ لعل و گہر

منظوم حکایات پر مشتمل اردو میں یہ کتاب ۱۱۰۰ھ میں دکن کے عارف الدین خان نامی شخص نے لکھی تھی جس کا ترجمہ سلطان کے حکم سے فارسی میں میر حسن عزت نے ۱۱۹۲ھ میں کیا تھا

سلطنت خداداد اور اردو

سلطان ٹیپو کی مادری زبان اگرچہ اردو نہیں تھی لیکن وہ دیگر زبانوں کی طرح آسانی کے ساتھ اس زبان میں بھی تقریر و تحریر کی صلاحیت رکھتا تھا ٹیپو کے عہد ۱۷۸۲ء تا ۱۷۹۹ء میں اردو اپنے ابتدائی مرحلہ میں تھی اور یوں بھی ریاست میسور جنوب میں واقع ہونے کی وجہ سے اس کے اصل مرکز شمالی ہند سے بہت دور تھی اردو بولنے والوں کی ایک بڑی تعداد ۱۴۰۰ء میں اس وقت پہلی دفعہ شمال سے میسور کی طرف منتقل ہوئی جب بہمنی بادشاہ فیروز شاہ نے وجے نگر کے ہندو راجہ کی شہزادی سے شادی کی، یاد رہے کہ اس وقت میسور وجے نگر کی ہندو ریاست میں شامل تھا اس کے بعد شمال سے جنوب کی طرف اردو بولنے والوں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا یہاں تک کہ سلطنت خداداد کے ابتدائی دور میں اردو کی اہمیت اس کے بولنے والوں کی تعداد کی کثرت کی وجہ سے فارسی کنڑیا مرہٹی سے کچھ کم نہیں تھی خود نواب حیدر علی بھی اردو میں گفتگو کرتے تھے ٹیپو کے عہد میں اردو نے خوب ترقی کی سرکاری زبان فارسی ہونے کے باوجود پوری سلطنت میں اردو کا رواج عام تھا لیکن

یہ عام طور پر عوام میں دکھنی زبان کے نام سے مشہور تھی خود سلطنت خداداد میں اردو کے بلند پایہ شعراء اور مصنفین پیدا ہوئے جن کی سرکار کی طرف سے سرپرستی بھی کی جاتی تھی اردو کے کئی شعراء و ادباء نے بیرون سلطنت سے آکر سلطنت خداداد میں سکونت اختیار کرلی تھی خود سلطان کے حکم سے کئی کتابیں اردو میں لکھی گئی تھیں جس میں خلاصہ سلطانی احکام النساء اور جلوہ نامہ وغیرہ شامل ہے جن کی تفصیلات پچھلے صفحات میں گزر چکی ہیں سلطنت خداداد میں فوجی ترانہ کی زبان بھی اردو ہی تھی جہاد کے موضوع پر فارسی میں ٹیپو کی لکھوائی ہوئی کتاب تحفۃ المجاہدین میں بھی اردو اشعار شامل تھے جس کے بعض نمونے کچھ یوں تھے

برقِ جاں کوہ گراں پیک اجل دست قضا
تیغ وگرز وتیر و خنجر کے ترے ہیں چار نام
ہر ملک کو وردہو انآ فتحنا دمبدم
جب تو ہو پادر کاب از بہر قصہ کارزار

اردو کا پہلا اخبار

یہ سن کر قارئین کو حیرت ہوگی کہ اردو کا سب سے پہلا اخبار جاری کرنے کا سہرا بھی ٹیپو ہی کے سر تھا عام طور پر یہ مشہور ہے کہ "دہلی اردو اخبار" کے نام سے سب سے پہلے محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر نے ۱۸۵۰ء میں پہلا اردو کا اخبار جاری کیا تھا حالانکہ ۱۷۹۴ء میں اس سے ۹۴ سال قبل ہی اس معاملہ میں خاموشی سے ٹیپو ان سے سبقت لے چکا تھا شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے اپنے ایک مضمون میں

علی گڑھ سے نکلنے والے ایک اخبار ہماری زبان کے یکم جولائی ۱۹۵۹ء کے حوالہ سے تفصیل سے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے اور دلائل کے ساتھ اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ٹیپو ہی دراصل اردو اخبار کا بانی تھا ۱۷۹۴ء میں اپنی شہادت سے ۵ سال قبل جب اس کی سلطنت کا نصف حصہ انگریزوں کے قبضہ میں جاچکا تھا تو وہ اپنی مملکت کی ازسرنو تنظیم میں مصروف تھا اس نے اسی دوران ایک دن ایک سرکاری حکم جاری کیا کہ ایک ایسا مطبع قائم کیا جائے جو عربی رسم الخط میں چھپائی کا کام انجام دے سکے جب پریس قائم ہوگیا تو اسی سال وہاں سے اردو میں فوجی اخبار کے نام سے سلطان کی ذاتی نگرانی و سرپرستی میں ایک ہفت روزہ جاری کیا گیا بڑی تقطیع میں شائع ہونے والے اس ہفت روزہ میں سلطنت کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے سپاہیوں کے نام سلطان کی ہدایات شائع ہوتی تھیں اس طرح یہ اخبار عام طور پر سپاہیوں ہی کیلئے تھا اس میں جہاد کے متعلق مضامین اور وطن کے دفاع سے متعلق مختلف لوگوں کی تحریریں بھی شائع ہوتی تھیں یہ ہفت روزہ سلطان کی شہادت تک مسلسل پانچ سال پابندی سے شائع ہوتا رہا[1] سقوط سری رنگا پٹنم کے بعد انگریزوں نے اس اخبار کی فائلوں کو چن چن کر جمع کرکے آگ لگادی۔

علم طب سے دلچسپی

ہندوستان کے حکمرانوں میں اس طرح کی مثال بہت کم ملتی ہے کہ کوئی بادشاہ یا نواب ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ میں بھی دسترس رکھتا ہو یہ

[1] ہماری زبان علی گڑھ ۱/جولائی ۱۹۵۹ء بحوالہ بصائر کراچی

ٹیپو ہی تھا جو ایک طرف اپنی اختراعی طبیعت کی وجہ سے سائنسی میدان میں بھی مہارت رکھتا تھا تو دوسری طرف اپنے غیر معمولی تعمیری ذوق کی وجہ سے فن انجینیئری میں بھی اس کو دلچسپی تھی اسی طرح علم طب سے بھی اس کو غیر معمولی لگاؤ تھا خود تحفۃ المجاہدین میں اس نے مختلف بیماریوں کے علاج لکھوائے طب کے موضوع پر طب دراجن کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھوانے کے علاوہ دو انگریزی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ بھی کروایا تھا جن کے نام مفردات در علم طب اور برقی وطبی تجربات تھے محمد نصیر افشار ترک سے بھی تحفہ محمدی کے نام سے ایک اور کتاب لکھوائی تھی جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے مختلف دواؤں کی تفصیلات درج تھیں اس کے افسران یا ملازمین میں سے جب بھی کسی کے بیمار ہونے کی اس کو اطلاع ملتی تو وہ خود ان کے لئے نسخہ تجویز کرتا تھا ایک دفعہ ایک اعلیٰ سرکاری افسر کرشناراؤ کو پاگل کتے کے کاٹنے کی اس کو اطلاع ملی تو اس نے یہ حکم بھیجا کہ اس کے زخم کو چھ ماہ تک کھلا ہی رکھا جائے تاکہ اندر کا پورہ خراب مواد باہر نکل آئے شاہی محل میں اس کے قیمتی کتب خانہ سے جب انگریزوں کو قیمتیں کتابیں ملیں تو اس میں ۶۲ کتابیں صرف علم طب سے متعلق تھیں

اس فن میں اس کی مہارت کا انداز ذیل میں دئے جارہے اس کے صرف دو خطوط سے لگایا جاسکتا ہے

بنام فراست ۲۱/ دسمبر ۱۷۸۵ء

تمہاری مرسلہ فہرست ادویات میں چند ایسے عطریات کے نام درج ہیں جو یوروپی ممالک کی پیداوار ہیں لہٰذا تم ان دواؤں کے بجائے یونانی دویات کو تجویز کرو

بنام چشتی یار خان ۲۴/ مئی ۱۷۸۶ء

مورخہ ۱۴/ مئی کا خط ملا تم نے اطلاع دی ہے کہ دولت خان پتھری (مثانہ) کے مرض میں مبتلا ہے ان کیلئے حضوری سے ادویات ارسال ہیں ان کو علیحدہ علیحدہ پیک کرکے مہریں لگادی گئی ہیں۔

۱) قئے کی دوائی چار تولہ گرم پانی میں علی الصباح پلائی جائے پینے کے بعد متلی معلوم ہو تو آٹھ تولہ گرم پانی پیا جائے جس سے قئے آسانی سے ہوجائے گی جب سات آٹھ قئے ہوجائے تو چھ گھنٹے بعد چاول اور شوربہ بطور غذا دیں رات کو کھانے کے بعد تھوڑے ٹھنڈے پانی میں روغن بادام دیا جائے ایک یا دو قئے کے بعد ہی خدا نے چاہا تو مثانہ میں جو رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے دور ہوجائے گی۔

۲) دوسری صبح کیلئے علیحدہ دوا ہے یہ دوا آٹھ تولہ شربت شاخ اور آب برگ ترب میں ملا کر استعمال کی جائے اس دوا کو سات دن میں استعمال کریں پرہیز صرف سرخ سیاہ مرچ و گرم چیزوں کا ہے غذا میں چاول اور مولی استعمال کی جائے پینے کیلئے تخم خربوزہ تخم ککڑی تخم خار خشک ہر ایک نصف تولہ کا شیرہ پانی میں ملا کر دیا جائے اس طریقہ سے اگر واقعی مثانہ میں تکلیف ہے تو بالکل نکل جائے گی[1]

عہد ٹیپو کے علماء و شعراء

سلطان ٹیپو خود بھی ایک بڑا عالم دین تھا اس کے ساتھ ساتھ علماء وقت مشائخ وصوفیہ اور اصحاب علم وادب کا قدرداں بھی اس کے دربار میں ہمیشہ علماء کی

[1] صحیفہ ٹیپو سلطان

جماعت موجود رہتی جو دینی امور اور مسائل سلطنت میں اس کی رہنمائی کرتی اس کے علاوہ سلطنت خداداد میں مختلف جگہوں پر اہل اللہ و بزرگان دین کی بھی ایک بڑی تعداد رہتی تھی جن میں سے بعض کو خود اس نے ملک کے مختلف علاقوں سے خصوصی دعوت دے کر اپنی سلطنت میں مستقل قیام پر آمادہ کیا تھا ان میں سے چند نامور علماء و فضلاء کی تفصیلات ذیل میں دی جارہی ہیں۔

۱) شاہ ابو اللیث صاحب رائے بریلوی

ٹیپو کی زندگی میں جس عالم اور بزرگ نے اپنا سب سے زیادہ روحانی اثر چھوڑا وہ یہی بزرگ تھے سلطان کی اسلامی اسپرٹ دینی روح اور بدعات و خرافات سے نفرت کے پس پردہ ان ہی کی محنت و تربیت تھی اس طرح اس کی غیر معمولی دینی حمیت و اسلامی غیرت کا بڑا سہرا اسی ولی کامل کے سر ہے لیکن افسوس کہ ٹیپو پر اب تک لکھی جانے والی سینکڑوں کتابوں میں ان کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے یہ ہندوستان میں سب سے بڑی تحریک جہاد کے بانی حضرت سید احمد شہیدؒ کے حقیقی ماموں تھے مخدومی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے والد ماجد مولانا حکیم عبدالحیی صاحب حسنیؒ نے جن کے سید احمد شہید جد امجد تھے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف نزہۃ الخواطر جلد نمبر ۷ میں شاہ ابو اللیث صاحب کے حالات لکھے ہیں ٹیپو کے شاہ ابو اللیث صاحب کے ساتھ روحانی روابط کی تفصیل ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شبلی نعمانی لائبریری کے اندر موجود ایک مخطوطہ وقائع احمدی میں ملتی ہے ۱۸۲۲ء میں جب حضرت سید احمد شہید اپنے سفر حج کے دوران کلکتہ میں مقیم تھے تو وہاں ٹیپو کے نظر بند شہزادوں نے اپنے والد کے ان ہی خاندانی روابط کا حوالہ دے کر

سید صاحب کے ہاتھوں بیعت کی تھی ۱۱۸۸ھ میں اپنے والد شاہ ابو سعید کے ساتھ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد شاہ ابو اللیث صاحب نے اپنے وطن رائے بریلی سے نقل وطن کر کے سلطنت خداداد ہی میں مستقل سکونت اختیار کی تھی اور ٹیپو کی شہادت سے کچھ سال قبل ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۷۹۳ء میں مغربی ساحلی شہر مینگلور میں ان کی وفات ہوئی تھی جس کا اس وقت نام کوڑیال بندر تھا۔

۲) زین العابدین شستری

یہ نسلاً ایران کے تھے ان کے والد نے ایران سے ہندوستان ہجرت کی تھی پہلے تو دلی ہی میں رہے اس کے بعد بنگال گئے پھر وہاں سے حیدر آباد آئے ان کی پیدائش ۱۷۵۳ء میں حیدر آباد ہی میں ہوئی شوستر ایران کے ایک شہر کی طرف نسبت تھی یہ مذہباً شیعہ اور حیدر آباد کے میر عالم کے حقیقی بھائی تھے لیکن اپنے بھائی کے برخلاف ٹیپو کے ہمیشہ وفادار اور مخلص رہے سلطان کے حکم سے فوجیوں کیلئے جہاد کے اصول و ضوابط پر مشتمل فارسی میں مشہور کتاب فتح المجاہدین (تحفہ المجاہدین) انہوں نے ہی لکھی تھی سلطان کی شہادت کے بعد حیدر آباد چلے گئے تھے اور وہیں ان کی وفات بھی ہوئی

۳) حسن علی عزت

یہ ایک بڑے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ قادر الکلام شاعر بھی تھے سلطان کے اساتذہ میں شامل تھے اگرچہ مسلکاً شیعہ تھے لیکن ٹیپو کا ان سے خاص تعلق تھا عزت ان کا تخلص تھا ٹیپو نے ان کو ملک الشعراء کا خطاب دیا تھا اس کے حکم سے ہی

انہوں نے ایک اردو کتاب قصہ لعل و گہر کا ۱۱۹۲ھ میں فارسی میں ترجمہ کیا تھا اس کے علاوہ ٹیپو ہی کی ایماء پر فن موسیقی پر انہوں نے مفرح القلوب اور مرہٹوں و نظام کے ساتھ ٹیپو کی جنگ کے حالات پر فتح نامہ ٹیپو سلطان (اضراب سلطانی) بھی لکھی تھی ان کا دیوان مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے

۴) سعید محمد خان نائطی

اہل نوائط سے تعلق تھا بہت بڑے عالم تھے بہادری و جرات میں بھی ان کی بڑی شہرت تھی ٹیپو کے عہد میں میسور کی فوج میں ایک بڑے عہدہ پر فائز تھے ریاست میسور ہی میں ان کی وفات ہوئی[1]

۵) حضرت سید پاچا المعروف میر بہادر خان

ان کا شمار بھی اپنے وقت کے مشائخ میں ہوتا تھا سلطان کی طرف سے بنگلور کے قلعہ کے ناظم مقرر ہوئے تھے انگریز جنرل کانواس کی فوج کے مقابلہ میں قلعہ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

۶) غازی خان

یہ حیدر علی کی فوج میں اعلی فوجی افسر تھے اور سلطان ٹیپو کے استاذ بھی نواب حیدر علی کے حکم سے ٹیپو کی فوجی تربیت انہوں نے ہی کی تھی ٹیپو اپنے اس استاذ کا

[1] مشاہیر قوم نوائط

ہمیشہ احترام کرتا تھا وہ ایک کامیاب فوجی افسر کے علاوہ عالم بھی تھے۔

۷) حضرت ابراہیم شطاری قادری

یہ شیخ طریقت تھے عام لوگ ان کو زندہ ولی کہتے تھے لاہور سے نقل وطن کر کے سلطنت خداداد میں آگئے تھے اور ٹیپو کی فوج میں کمانڈر کے عہدہ پر فائز تھے ان کا مزار کمہار پیٹ بنگلور میں واقع ہے

۸) حضرت حمید شاہ قادری

یہ بزرگ بھی ٹیپو ہی کی دعوت پر ملک کے کسی علاقہ سے سلطنت خداداد میں بس گئے تھے ٹیپو نے ان کو ایک بڑی جاگیر بھی دی تھی بنگلور کے کبن پیٹ میں ان کی قبر موجود ہے۔

۹) محب اللہ شاہ قادری

انکو حضرت بے سر اولیاء کے نام سے پکارا جاتا تھا یہ بزرگ بھی ٹیپو کی فوج میں ایک بڑے عہدہ پر فائز تھے ٹیپو ان سے بڑا متاثر تھا انگریزوں کے ساتھ میسور کی تیسری جنگ میں ان کی شہادت ہوئی۔

۱۰) قاضی سید علی

یہ عہد ٹیپو میں دار السلطنت کے قاضی تھے ان کو عربی و فارسی میں بڑی مہارت تھی ٹیپو نے ان ہی کی ادارت میں شیخ احمد اور سید غلام مصطفیٰ کے ساتھ فقہ

حنفی کے مطابق فقہ محمد نامی کتاب لکھوائی تھی یہ ٹیپو کی شہادت کے بعد بھی زندہ رہے اور میسور کے سر قاضی ہوئے۔

۱۱) مولوی حبیب اللہ

یہ بھی ایک بڑے عالم اور سلطان کے خاص معتمدوں میں شامل تھے ہمیشہ اس کے ساتھ ہی رہتے یہاں تک کے ٹیپو کی شہادت کے دن صبح کی نماز میں مسجد اعلیٰ میں بھی اس کے ساتھ شریک تھے سقوط سری رنگا پٹنم کے بعد بھی کئی سال زندہ رہے ۱۲۲۳ھ میں سری رنگا پٹنم میں وفات ہوئی۔

۱۲) حسین علی کرمانی

عہد ٹیپو میں علمی میدان میں سب سے ممتاز تھے نواب حیدر علی اور ٹیپو دونوں کا زمانہ پایا ایرانی النسل شیعہ تھے بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ سنی ہی تھے ہندوستان میں ان کا خاندان ویلور میں آباد تھا مادری زبان تو فارسی تھی لیکن عربی پر بھی بڑا عبور حاصل تھا سلطنت خداداد میں ایک اعلیٰ سرکاری عہدہ پر تھے ۱۷۹۹ء میں ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریزوں نے ان کو نظر بند کر کے کلکتہ بھیج دیا تھا اور اسی دوران ۱۸۰۶ء میں ان سے حیدر علی و ٹیپو کے حالات پر مشتمل فارسی میں ایک کتاب نشان حیدری کے نام سے لکھوائی تھی جو دنیا کی کسی بھی زبان میں اس موضوع پر باقاعدہ پہلی کتاب تھی انگریزوں کے پاس نظر بند ہونے کی وجہ سے طبعی طور پر ان کی منشاء کے مطابق اس کتاب میں ٹیپو سے متعلق بعض غیر مصدقہ روایات شامل

ہو گئی تھیں ان کی کتاب بدیع المعانی بھی ہے ٹیپو ہی کے حکم سے انہوں نے سلطنت خداداد کی مختلف باج گزار ریاستوں کے حالات پر مشتمل کتاب تذکرۃ البلاد و الحکام بھی لکھی تھی اس کا ایک نسخہ میسور میں ڈاکٹر شفیع احمد شریف صاحب کے پاس اب بھی موجود ہے جس کا وہ انگریزی و اردو میں ترجمہ بھی کر رہے ہیں۔

۱۳) احمد خان شیرانی

یہ اصلاً کولار کے رہنے والے ایک جید عالم تھے بعد میں انہوں نے گرم کنڈہ میں سکونت اختیار کر لی تھی ایک اچھے شاعر بھی تھے ٹیپو کے حکم سے انہوں نے ۱۲۱ مختلف مسائل پر مشتمل ایک کتاب چار کرسی کے نام سے لکھی تھی

۱۴) خیر اللہ شاہ قادری

ان کو محمد شریف بھی کہا جاتا تھا عہد ٹیپو میں جب بیرون سلطنت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ آثار مبارک لائے گئے تو اس کی حفاظت و خدمت کے لئے ٹیپو نے ان ہی کو مامور کیا تھا شعری ذوق بھی تھا خادم تخلص لکھتے تھے اپنے پیچھے اپنا ایک دیوان بھی انہوں نے چھوڑا۔

۱۵) شیخ میاں فضل اللہ

صاحب طریقت بزرگ تھے اور سلطنت خداداد ہی میں رہتے تھے تصوف پر

ایک کتاب چار کرسی کے نام سے لکھی تھی شعری ذوق بھی تھا فقیر تخلص تھا

۱۶) قاضی سید حاجی مسکین

انکو سلطنت خداداد میں خصوصی طور پر نکاح وغیرہ کیلئے قاضی مقرر کیا گیا تھا مسلم خواتین میں قضاءت کی ذمہ داری ٹیپو نے انہی کے خاندان کی خواتین کو سونپی اور تھی ۱۲۱۲ھ میں اپنی شہادت سے ایک سال پہلے ایک شاہی فرمان جاری کر کے تمام مسلمانوں کو بھی اس سے مطلع کر دیا تھا

۱۷) غلام حسین منجم عاصی

عربی و فارسی کے بڑے عالم تھے اردو و فارسی میں شاعری بھی کرتے تھے علم نجوم و فن طب سے بھی دلچسپی رکھتے تھے فارسی میں تاریخی معلومات پر مشتمل ایک کتاب استیفاء لکھی تھی سقوط سری رنگا پٹنم کی صبح سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ آج کا دن کچھ اچھا نہیں ہے اس لئے صدقات و خیرات کرنا چاہئے جس پر سلطان نے اسی وقت عمل بھی کیا تھا منشیات غلام حسین کے نام سے اپنے مختلف خطوط پر مشتمل ایک کتاب کے علاوہ فارسی قواعد پر تکمیل الصرف اور علم نجوم پر منظوم کتاب رسائل نجوم بھی انہوں نے لکھی تھی میسور ہی میں ان کا مزار ہے۔

۱۸) غلام محی الدین مہکری

یہ بھی ایک بڑے عالم تھے ان کو فارسی میں غیر معمولی دسترس حاصل تھی سلطنت خداداد کے ممتاز علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

۱۹) محمد باقر علی خان مہکری

قوم نوائط سے ان کا تعلق تھا سلطنت خداداد کے چوٹی کے علماء و شعراء میں ان کا شمار ہوتا تھا ٹیپو کی طرف سے دارالسلطنت میں تمام سلطانی اداروں کی نظامت کی خدمت پر مامور تھے ٹیپو کی شہادت کے بعد ۱۸۰۸ء میں میسور کے چیف قاضی مقرر ہوئے کتابی شکل میں ان کا دیوان بھی موجود ہے

۲۰) عبدالقادر مہکری

ان کا تعلق بھی اہل نوائط ہی سے تھا عہد سلطانی کے نامور شعراء میں سے تھے ان کا بھی دیوان موجود ہے۔

۲۱) حافظ سید عبدالقادر زینت ۲۲) مولوی سید عبدالقدوس

یہ دونوں بزرگ اصلاً شاہنور کے رہنے والے تھے نواب حیدر علی نے ان کو سلطنت خداداد میں آکر مستقل رہنے کی دعوت دی تھی لیکن یہ دونوں کسی وجہ سے نہیں آسکے بعد میں ٹیپو کے اصرار پر وہ سری رنگا پٹنم آگئے اور آخر تک وہیں رہے۔

۲۳) غلام علی خان المعروف کندہ چار بخشی

ان کا تعلق اہل نوائط سے تھا بڑے عالم تھے ٹیپو کی پیدل فوج کے افسر بھی تھے انگریزوں کے محاصرہ سری رنگا پٹنم کے دوران سلطانی محل کے محافظ بھی تھے ٹیپو

نے ان کو ایک بڑی جاگیر دی تھی سقوط سری رنگا پٹنم کے بعد بھی زندہ رہے لیکن سری رنگا پٹنم کے بجائے ویلور جاکر بقیہ زندگی گزاری۔

۲۴) قاضی عمر شہید بن حسین عرب مکی

سلطنت خداداد میں ادھونی کے قاضی تھے بڑے ہی نیک اور سادہ طبیعت کے مالک تھے اہل نوائط سے تعلق تھا

۲۵) مولوی محمد محی الدین

بڑے عالم تھے اور منظر آباد (سکلاسپور ضلع ہاسن) میں سلطانی قلعہ کے محافظ تھے ان کا بھی اہل نوائط ہی سے تعلق تھا

۲۶) شمش الدین خان

یہ سلطنت خداداد میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے مسجد اعلیٰ و گنبد سلطانی کے منتظم و متولی بھی تھے ان کا مزار سری رنگا پٹنم میں مسجد اعلیٰ کے صحن میں ہے۔

۲۸) میر عسکری فیاض فطنت

یہ اصلاً ایران کے شہر شیراز کے تھے نواب حیدر علی نے جب ایران کے دو ہزار مغلوں کو اپنی فوج میں شامل کیا تو ان میں یہ بھی تھے بہت بڑے عالم تھے مذہباً

شیعہ تھے فارسی و اردو کی سب سے پہلی لغت قادر باری ٹیپو کے حکم سے انہوں نے ہی لکھی تھی جو بعد میں مدراس سے بھی شائع ہوئی اس کے علاوہ شیعہ فقہ پر دو کتابیں انشاء عسکری و انشاء جعفری بھی لکھی تھی سری رنگا پٹنم کے محلہ گنج عام میں ان کا خانگی مدرسہ بھی تھا۔

۲۹) مرزا زین العابدین عابد

یہ ایرانی النسل تھے نثر و نظم دونوں پر ان کو بڑا عبور حاصل تھا مسلکاً شیعہ تھے فارسی کے علاوہ عربی و اردو پر بھی دسترس تھی ٹیپو کے حکم سے ایک مثنوی نقش مراد بھی لکھی تھی میسور میں ان کا خانگی مدرسہ تھا ایک روایت کے مطابق ٹیپو اور اس کے آباء و اجداد کے حالات پر مشتمل تاریخی کتاب سلطان التواریخ کی تصنیف میں بھی یہ شریک تھے

۳۰) قاضی غلام علی

بہت بڑے عالم اور مصنف تھے عربی و فارسی میں بڑی مہارت تھی دار السلطنت کے قاضی بھی تھے شعری ذوق بھی تھا ان سے ٹیپو نے تین کتابیں خلاصہ سلطانی، زاد المجاہدین اور جواہر القرآن لکھوائی تھیں

۳۱) مولوی محمد اسحاق

یہ بھی عہد ٹیپو ہی کے ایک بہت بڑے عالم تھے اور قادر الکلام شاعر بھی

اخلاقیات کے موضوع پر ریاض العارفین کے نام سے انہوں نے ایک منظوم کتاب لکھی تھی جس میں بزرگان دین کے حالات و واقعات درج تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

ٹیپو کے اقوال زرین

سلطان کی علمی قابلیت اور اسکی تقریر و تحریر کی جامعیت و معنویت کو سمجھنے کیلئے صرف اس کے ان اقوال زرین کا مطالعہ کافی ہے جو اس نے مختلف مواقع پر مختلف مناسبتوں سے کہے اور جو آج بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں اور اس قابل ہیں کہ سنہرے حروف سے لکھ کر انہیں ہر گھر اور علمی و دینی ادارہ میں آویزاں کیا جائے اس میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں

١☆ گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے (شہادت سے کچھ دیر پہلے جب اس کے ایک غلام نے اس کو خودسپردگی کی رائے دی)

٢☆ غلط بیانی اخلاق و مذہب دونوں کے نقطہ نظر سے بہت بڑا جرم ہے

٣☆ جو لوگ کسی بھی مذہب کے مقدس مقامات کی بے حرمتی کرتے ہیں وہ دنیا ہی میں اپنی بداعمالیوں کی سزا پالیتے ہیں (سرنگیری کے شنکراچاریہ کے نام ایک خط میں جب انہوں نے اس سے مرھٹوں کے اپنے مندر پر حملہ و توہین کی شکایت کی)

٤☆ مردوں کی بہترین تصویر ان کی جوانمردی ہے (جب حیدرآباد سے چند لوگ اس کی تصویر لینے کیلئے دارالسلطنت آئے)

٥☆ ہندوستان صرف ہندوستانیوں کے لئے ہے

(ملک کے مختلف حکمرانوں کو انگریزوں کے خلاف متحد ہونے کی دعوت

دیتے ہوئے)

۶ ☆ لوگ بدی تو ہنس ہنس کر کرتے ہیں لیکن اسکے نتائج رو رو کر بھگتے ہیں

۷ ☆ انگریز ہندوستان اور مسلمان دونوں کے لئے خطرہ و دشمن ہیں ان کے وجود سے وطن کی سرزمین کو پاک کرنا اسلام اور ملک دونوں کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

۸ ☆ افسران سلطنت کو اپنے سربراہ کی طرف سے دیئے گئے احکام کے مطابق عمل کرنا چاہیئے نہ کہ اپنی مفوضہ تجویزوں پر

۹ ☆ مذہبی پیشواؤں کے ساتھ غداری کرنا اپنی نسل کیلئے تباہی کی دعوت دینا ہے

۱۰ ☆ اسلام کی سرخروئی کیلئے ضروری ہے کہ تمام مسلمان متحد ہو جائیں اور ملحدوں و خدا کے دشمنوں کی سرکوبی کو اپنی زندگی کا آخری مقصد سمجھیں

(مسلم سربراہان مملکت کے نام اپنے ایک خط میں)

۱۱ ☆ میں زخم پر مرہم رکھنے کیلئے پیدا ہوا ہوں قتل و غارت گری سے مجھے وحشت ہوتی ہے

۱۲ ☆ قیامت کے روز خدا مجھ سے یہ نہیں پوچھے گا کہ کس نے کیا کیا مجھے صرف اپنے فرض کی ادائیگی کا جواب دینا پڑے گا۔

۱۳ ☆ رعایا اللہ تعالیٰ کی جو حاکم اعلیٰ ہے امانت ہے۔

۱۴) اگر میری سلطنت ختم ہو جائے تو میں اس پر راضی ہوں لیکن میں اپنے وفادار دوستوں کو دشمن کے حوالہ نہیں کر سکتا

(آخری جنگ میں اپنے فرانسیسی حلیفوں سے مخاطب ہو کر)

تیئیسواں باب

فطری اوصاف و طبعی خصوصیات

جرأت وبہادری

پوری انسانی تاریخ میں بالخصوص آخری صدیوں میں ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ ٹیپو کی طرح دوسرا کوئی بادشاہ وقت خود میدان جنگ میں اپنے دشمنوں کے مقابلہ کیلئے موجود ہو خود اس کا سیاسی حریف نظام حیدر آباد لوگوں کو بے وقوف بنانے کیلئے اپنی فوج کے ساتھ شہر سے نکلتا ضرور تھا لیکن کسی محفوظ جگہ پر خیمہ زن ہو کر اپنی فوج کو ہدایات دیتا تھا مرہٹہ سرداروں کا بھی یہی حال تھا کہ اپنے سپاہیوں کو تو وہ آگے کرتے تھے لیکن خود ان کی رہنمائی کے بہانے پیچھے ہی رہتے تھے انگریز گورنر جنرل البتہ اس سے مستثنیٰ تھے لیکن وہ بھی صرف بوقت ضرورت ہی خود میدان جنگ میں کودتے تھے برخلاف ٹیپو کے کہ یہ شروع سے آخر تک مسلسل ہر چھوٹے بڑے معرکہ میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ میدان جنگ میں آکر ان کے شانہ بشانہ اپنے دشمنوں کے ساتھ لڑتا تھا تیرہ سال کی عمر میں بچپن ہی سے اس کے والد نے اسکو اپنے ساتھ جنگوں میں شریک رکھا ۱۷۶۷ء میں صرف اٹھارہ سال کی عمر میں محمد بن قاسم کی طرح اس نے انگریزوں کے خلاف میسور کی پہلی جنگ میں سات ہزار میسوری سپاہیوں پر مشتمل ایک فوجی دستہ کی قیادت کی اور بینگلور میں انگریزوں کے قلعہ کا محاصرہ کر کے ان کو ساحلی راستہ سے واپس بمبئی بھاگنے پر مجبور کیا ۱۷۸۰ء میں اسی کی قیادت میں میسوریوں نے کرنل بیلی کی فوج کو شکست دی اور مرہٹہ سردار ترنک راؤ کو بھی شکست دے کر واپس بھاگنے پر مجبور کیا اسی فطری جرات کی بناء پر شہسواری اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا پالکی کی سواری سے اس کو سخت نفرت تھی

ٹیپو اور شیر

اپنی طبعی شجاعت وبہادری کی وجہ سے شیر اس کی زندگی کا ایک لازمی جزء تھا حسی اور معنوی دونوں اعتبار سے عمر بھر اس سے اسکا تعلق رہا جرات وہمت میں ان دونوں میں بڑی مماثلت تھی وہ شیر کی طرح آزادی کی زندگی پسند کرتا تھا وہ اپنے پیچھے سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل یہ تاریخی جملہ چھوڑ گیا کہ گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی مجھے عزیز ہے اشارہ شیر سے بہادری اور گیدڑ سے بزدلی کی طرف تھا بزدلوں کی طرح اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالہ کر کے زندہ رہنا اس کے غیور ضمیر اور خوددار طبیعت نے گوارہ نہیں کیا اگر وہ چاہتا تو اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالہ کر کے اپنی جان کے علاوہ خود اپنے تخت کو بھی کچھ دنوں کیلئے ہی سہی بچا کر عیش کی زندگی بسر کر سکتا تھا اسکے محلات قلعوں وغیرہ میں تعمیر کے وقت شیر ببر کی کھال کی طرح دھاریاں دیواروں میں بنائی جاتی تھیں مسجد اعلیٰ کی دیواروں پر بھی اس کے حکم سے ببری رنگ چڑھایا گیا تھا ملیبار میں جب نائروں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا تو ان کی خواہش کے مطابق ٹیپو نے ان سب کو اپنی فوج میں شامل کر کے ایک علیحدہ دستہ جماعت احمدی کے نام سے بنایا تھا ان سب کیلئے اس نے دوسروں سے امتیاز کیلئے شیر ببر کی کھال سے بنی وردی مقرر کر دی تھی وہ خود جو کپڑے پہنتا اس میں بھی شیر کی دھاریاں بنی ہوتی تھیں اپنے تمام ہتھیاروں پر اس نے اسد اللہ یعنی شیر خدا کندہ کروایا تھا اس کے شاہی محل میں بھی پنجروں میں شیروں اور چیتوں کی ایک بڑی تعداد رہتی تھی جس سے وہ اپنے فارغ اوقات میں تفریح لیتا تھا ہفتہ میں ۱/۲ بار موقع نکال کر وہ جنگلوں میں بھی جاتا تھا جہاں چیتوں کے

ذریعہ ہی جانوروں کا شکار کرتا تھا۔

خلیفہ روم سے اپنی حکمرانی کی توثیق کے بعد جب اس نے اپنے لئے ایک خوبصورت و نیا شاہی تخت بنوایا تو وہ بھی شیر کی شکل ہی کا تھا حتی کہ بعض توپیں بھی اس نے شیر نما بنوائی تھیں آغاز جوانی میں جنگل میں شکار کھیلتے وقت اچانک اس کو ایک خونخوار شیر کا سامنا کرنا پڑا تھا جس کو اس نے اپنی غیر معمولی جرات سے وہیں ختم کر دیا تھا شیر سے اسی مناسبت کی وجہ سے اس کو انگریزوں نے

TIGER OF MYSORE

یعنی شیر میسور کا خطاب دیا تھا اور اسی نام سے اس نے مغرب و مشرق میں شہرت بھی پائی ٹیپو چونکہ ایک بڑا خطاط بھی تھا اس لئے اس نے اپنی ذہانت سے خط ببری بھی ایجاد کیا تھا جس میں تحریر شیر ببر کی دھاریوں کی طرح ہوتی تھی

شیر نما باجا

سلطان ٹیپو نے شیر کی صورت کا ایک باجا بھی بنوایا تھا جس کے اندر سے چیتے کے غرانے کی آواز نکلتی تھی اس باجے میں وہ شیر ایک بے بس انگریز کو دبوچے ہوئے تھا سقوط سری رنگا پٹنم کے بعد یہ اس کو ٹیپو کے دیگر مختلف آثار، اسلحہ اور فرامین و خطوط کے ساتھ لندن بھیج دیا گیا اور یہ اب بھی وکٹوریہ البرٹ میوزیم لندن میں رکھا ہوا ہے اس باجے کو لندن میں جب پروفیسر محمود خان شیرانی لیکچرار پنجاب یونیورسٹی لاہور نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انہوں نے اس کی تفصیلات اپنے ایک مضمون "چند لمحے وکٹوریہ البرٹ میوزیم" میں بیان کی جس کو یم عبداللہ بٹ صاحب نے ۱۹۴۰ء میں اپنی ایک کتاب

ٹیپو سلطان میں نقل کیا ہے اس ساز کی تفصیلات خود پروفیسر محمود خان شیرانی کی زبان سنئے

"یہاں ایک عجیب قسم کا ساز ہے، جو اپنی وضع میں منفرد ہے اس کی شکل یہ ہے کہ لکڑی کے ڈیڑھ گز لمبے اور پون گز چوڑے تخت پر ایک انگریز چت لیٹا ہوا ہے جس پر ایک شیر سوار ہے شیر کی دونوں داڑھیں انگریز کی گردن میں گڑی ہوئی ہیں اگلے پنجے سینے میں پیوست ہیں اور پچھلے پنجے زانوں میں، شیر کا جسم اندر سے خالی ہے اس خالی مقام میں ایک کل (آلہ یا مشین) رکھی ہوئی ہے اس میں ہارمونیم کی طرح سے برابر قطار میں اٹھارہ پردے ہیں پردوں پر تین تین انگل اونچی و موٹی اٹھارہ نلیاں دوہری قطار میں ہیں جن پر تانبہ کا دو انچ چوڑا تار پردوں کے متوازن لگا دیا گیا ہے پردوں کے اختتام پر ایک دندانے دار چکر ہے جس کا تعلق ایک آہنی تار کے ذریعہ باہر کے دستے سے ہے دستہ شیر کے بازو پر باہر کی طرف بنا ہوا ہے دستہ کو گردش دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اندر کا چکر حرکت میں آتا ہے اور اس کا اثر پردوں اور نلیوں پر پڑتا ہے شیر کی دم پر دو مروڑیاں ہیں جن کے مروڑنے سے اندر کا تار گھٹتا بڑھتا رہتا ہے شیر کا جسم تختیوں کے ذریعہ ڈھکا ہوا ہے تختیاں اس قسم کی ہیں کہ ان کو کھولا اور بند کیا جا سکتا ہے یہ ساز سلطان کی تفریح طبع کیلئے ایجاد کیا گیا تھا عیار موجد نے یہ کمال دکھایا ہے کہ اپنی اختراع کے ساتھ سلطان کی ادا شناسی اور مزاج دانی کو بھی نباہ دیا ہے"*

* سلطان ٹیپو از عبداللہ بٹ بحوالہ مضمون مولانا اختر شیرانی

رعب و دبدبہ

اللہ تعالیٰ نے دیگر خصوصیات و امتیازات کے ساتھ سلطان کو غیر معمولی رعب و دبدبہ بھی عطا کیا تھا اس کی اس خصوصیت کے اس کے دشمن بھی معترف تھے ٹیپو جب انگریزوں کے ساتھ ہندوستان میں برسر پیکار تھا تو برطانیہ میں بھی انگریزوں کے دلوں میں اس کی ہیبت چھائی ہوئی تھی وہاں انگریز خواتین اپنے بچوں کو ڈرانے اور سلانے کیلئے ٹیپو کا نام لیتی تھیں مرھٹوں کی فوج عام طور پر میسوری فوج کے اس دستہ سے مزاحمت کیے بغیر ہی پیچھے ہٹنے میں اپنی عافیت سمجھتی تھی جس کے بارے میں ان کو یہ معلوم ہوتا کہ اس دستہ کی کمان خود ٹیپو کے ہاتھ میں ہے اس لئے کہ ان کو یہ معلوم تھا کہ وہ آخر تک لڑنے کا عادی ہے اس کے دربار میں اس کے اعلیٰ افسران وزراء اور خود شہزادے بھی اس کے سامنے اس کے رعب کی وجہ سے فضول گفتگو کرنے کی ہمت نہیں کرتے تھے سرکاری افسران کو بھی تساہلی یا حکم عدولی کی صورت میں کوڑے لگائے جاتے تھے ڈسپلن شکنی کی اس کے یہاں کوئی گنجائش نہیں تھی جنگ کے دوران کسی سپاہی کے میدان سے فرار اختیار کرنے کی صورت میں اس نے اس کو فوری گولی مارنے کا حکم دیا تھا

شجاعت میں نپولین سے بھی آگے

حسن اتفاق سے اس زمانہ میں دنیا کا ایک عظیم فوجی جنرل فرانس کا نپولین بونا پارٹ ٹیپو کا ہم عصر تھا اور دونوں کا مقابلہ الگ الگ جگہوں پر ہی سہی انگریزوں

ہی سے تھا سلطان نے جس طرح مشترک دشمن کے مقابلہ کیلئے نپولین سے فرانس میں رابطہ قائم کیا ان سب کی تفصیلات پچھلے صفحات میں گزر چکی ہیں بعض خصوصیات ان دونوں تاریخ ساز شخصیات میں اگرچہ مشترک تھیں لیکن بعض اعتبار سے ٹیپو نپولین سے بھی آگے تھا عام طور پر لوگ ٹیپو کی بہادری و بڑائی کو بیان کرتے ہوئے اس کا موازنہ نپولین سے کرتے ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس کے ٹیپو سے موازنہ میں خود نپولین کی عظمت میں اضافہ ہوتا ہے نہ کہ ٹیپو کی وہ اس طرح کہ دونوں کو انگریزوں سے شکست اگرچہ خود ان کے وزراء و معتمدین کی غداری کی وجہ سے ہوئی لیکن نپولین نے اس سے دل برداشتہ ہو کر اپنے آپ کو دشمن کے حوالہ کر دیا اور ان کی قید ہی میں اس نے بقیہ زندگی گزاری جبکہ ٹیپو نے خود سپردگی کو اپنی توہین قرار دیا اور دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے شیر کی طرح مرنا پسند کیا ٹیپو کو روز اول ہی سے غداروں کا سامنا تھا جب کہ اس طرح کے حالات نپولین کو صرف آخر میں پیش آئے نپولین کو صرف زندگی میں عزت ملی جب تک اس نے اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالہ نہیں کیا اس طرح صرف اس کی زندگی قابل رشک تھی نہ کہ موت برخلاف ٹیپو کے کہ وہ باعزت موت کے ساتھ اس سے بھی آگے بڑھ گیا

رحمدلی

سلطان پر عام طور پر جو الزامات اس کے دشمنوں کی طرف سے عائد کئے جاتے ہیں اس میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ بڑا ظالم اور انتقامی طبیعت کا حامل تھا انگریز مصنف لیون بی بورنگ نے اپنی کتاب میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے حکم

سے صرف ایک شہر سوپا میں پندرہ ہزار آدمیوں کو درختوں میں لٹکا کر پھانسی دی گئی حالانکہ دیانتداری کا تقاضہ تھا کہ وہ لکھتا کہ وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بناء پر اتنی بڑی تعداد میں ایک ہی شہر کے لوگوں کو بیک وقت ٹیپو کو پھانسی دینی پڑی حالانکہ ٹیپو کا معمول تھا کہ کسی شہر یا گاؤں میں اگر اس کے خلاف کبھی بغاوت ہوتی تو اس میں صرف پیش پیش لوگوں کو ہی سزا دی جاتی عام طور پر ان کو قید ہی رکھا جاتا قتل کرنے کی نوبت بہت کم آتی تھی اگر بالفرض اس واقعہ کو سچ بھی مان لیا جائے تو یہ میسور کی تاریخ کا اتنا اہم واقعہ تھا کہ تمام مورخین اپنی کتابوں میں ضرور اس کا ذکر کرتے لیکن تعجب ہے کہ سوائے بورنگ کے کسی نے بھی اپنی کتاب میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے اس کی رحمدلی کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیئے کہ اس کو جب اپنے خلاف بغاوتوں وسازشوں کا علم ہوتا تو وہ باغیوں کے خلاف الزام ثابت ہوئے بغیر معمولی کاروائی بھی نہیں کرتا تھا اس کی اسی رحمدلی کی وجہ سے پورنیا اور میر صادق وغیرہ نواب حیدر علی کی ان کو قتل کرنے کی تاکید کے باوجود نہ صرف بچ گئے بلکہ اس کے حلقہ خاص میں بھی شامل ہو گئے بے زبان جانوروں تک سے اس کو ہمدردی تھی سلطان کے حکم سے ندی کے کنارہ ایک فیکٹری اسلحہ سازی کی قائم کی گئی تھی لوگوں نے اس سے شکایت کی کہ کارخانہ کی آلودگی سے ندی کی مچھلیاں مر رہی ہیں اس نے فوراً حکم جاری کر کے اس فیکٹری کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا غداروں کو ثبوت ملنے کے بعد ہی وہ سزا کا اعلان کرتا اس کے بعد یہ لوگ اگر معافی مانگ لیتے تو نہ صرف وہ ان کو معاف کرتا بلکہ ان کو ان کے سابقہ مناصب پر بحال بھی کر دیتا تھا میر صادق و میر قمرالدین وغیرہ اس قبیل کے لوگوں میں سے تھے

دشمنوں کی جنگ میں قید ہونے والی عورتوں اور بچوں کو اس نے کبھی اپنے پاس نظر بند نہیں رکھا ۱۷۸۰ء میں جب حیدر علی کے زمانہ میں جنرل بیلی کے ساتھ میسوری فوج کی مدبھیڑ کے بعد بعض انگریز افسران قید ہو کر ٹیپو کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے ان کے ساتھ غیر معمولی انسانیت کا سلوک کیا اور انہیں جیب خرچ کیلئے پانچ پانچ پگوڈا دیئے ۱۷۸۲ء میں جنرل برتھ ویٹ کے متعدد گرفتار فوجیوں کے ساتھ بھی اس نے کچھ اسی طرح کا حسن سلوک کیا اور ان کو کپڑے وروپے بھی دیئے قیدیوں کے ساتھ اس کے افسران کی سختی کا جب بھی اس کو علم ہوتا وہ ضرور انکی سرزنش کرتا ۱۷۸۶ء میں مرہٹوں کی شکست کے بعد ان کے سرداروں کی بعض بیویاں بھی قیدیوں میں شامل تھیں بلکر کی بیوی کو اس نے اپنی کمر سے سبز رنگ کا ریشمی پٹکا کھول کر دیا تاکہ وہ اپنا سر ڈھانک سکے ان خواتین کو بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ کچھ دن علیحدہ خیمہ میں رکھا گیا اس کے بعد اپنے ذاتی محافظوں کی نگرانی میں سب کو پالکیوں میں سوار کر کے ان کے شوہروں کے پاس پونا واپس بھیج دیا اس کی اسی رحمدلی و اخلاق سے متاثر ہو کر ان خواتین نے اپنے شوہروں پر ٹیپو سے صلح پر زور دیا ایک دفعہ میدان جنگ میں ایک خیمہ سے رونے کی جب آواز آئی تو وہ خود اس خیمہ میں چلا گیا معلوم ہوا کہ دشمن کے قیدی پیاس سے تڑپ رہے ہیں سلطان نے اسی وقت خود اپنے ہاتھ سے ان قیدیوں کو پانی پلایا کورگ کے باغی قیدیوں کے کیمپوں میں جب چیچک کی وبا پھیل گئی تو اس نے بدر الزماں خان نائط کو خط لکھا کہ ان قیدیوں کو ایسی جگہوں پر رکھا جائے جہاں کی آب وہوا معتدل ہو اور ان کو راس آئے انسان کو چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے کیوں نہ ہوں وہ

خدا کی امانت سمجھتا تھا اس کا مشہور مقولہ تھا کہ میں زخم پر مرہم رکھنے کیلئے پیدا ہوا ہوں قتل وغارت سے مجھے سخت وحشت ہوتی ہے وہ طبعاً بھی رحمدل اور امن پسند ہی تھا اسی لئے اس کی تمام جنگیں جارحانہ کے بجائے مدافعانہ ہی تھیں ہر مذہب کے یتیموں کی پرورش کیلئے اس نے پوری سلطنت میں سرکاری خرچ پر جگہ جگہ مختلف یتیم خانے قائم کئے تھے اس کی اسی رحمدلی نے مجرمین کیلئے ایسی سزائیں تجویز کی تھیں کہ ایک طرف اس سے سلطنت کا فائدہ بھی ہو اور مجرمین کی اصلاح بھی مثلاً معمولی مجرمین کیلئے ایک ایسا پودا لگانے اور اس کی نگرانی کرنے کی سزا جو جلد پھل دیتا ہو خطرناک مجرمین کیلئے ناریل وغیرہ کے درخت قید کے دوران لگا کر اس کو پھل لگنے تک اس کو پانی دینے کی سزا جس میں کئی سال لگتے تھے

عدل وانصاف

دیگر فطری اوصاف کی طرح سلطان شہید عدل وانصاف میں بھی اپنے تمام ہم عصر حکمرانوں میں ممتاز تھا وہ ہمیشہ اس بات کیلئے کوشاں رہتا کہ دشمن کے ساتھ بھی ناانصافی نہ ہو اس کی زندگی میں کسی ہندو یا عیسائی نے بھی یہ شکایت نہیں کی کہ مذہب کی بنیاد پر اس کے ساتھ سلطان نے ناروا سلوک کیا ہے یا اس کا حق دبا دیا گیا ہے چنانچہ ہکٹر منرو جو ٹیپو کے خلاف میسور کی آخری دونوں جنگوں میں شریک تھا اپنی سوانح عمری میں خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ سلطنت خداداد میں تمام طبقات کے ساتھ بلا امتیاز عدل کا برتاؤ ہوتا تھا وہاں نسب وخاندان کی بلندی کے دعوؤں کی کوئی گنجائش نہیں تھی سلطنت میں رائج امامی سکہ کی ایک

پشت پر اس طرح کندہ تھا ہوالسلطان العادل الوحید خود اپنے ایک شہزادہ کو ایک دفعہ ایک کسان کے کھیت میں جاکر بلا اجازت سبزی لینے پر سزا دی اس کے عہد حکومت میں ارتکاب جرائم، بغاوت اور سرکشی کی سزائیں ہر ایک کو بلا تفریق مذہب ونسل برابر دی جاتی تھیں انگریزوں کے ساتھ زنا کے ارتکاب پر مسلم خواتین کو پھانسی پر چڑھایا گیا ۱۷۸۵ء میں مرہٹوں کے ساتھ جنگ میں جب اس کی فوج کے بعض سپاہیوں نے فتح کی خوشی میں مست ہو کر ہندو خواتین کے ساتھ منہ کالا کیا تو ان سب کو تحقیق کے بعد قتل کر دیا گیا وہ کسی کے خلاف صرف کسی کے کہنے پر چاہے شکایت کرنے والا اعلیٰ عہدہ پر فائز ہی کیوں نہ ہو کاروائی نہیں کرتا تھا اس کا کہنا تھا کہ اگر وہ اسی طرح بغیر تحقیق کے کسی کے کہنے پر سزا دینا شروع کرے تو اس سے لوگوں کو اپنی ذاتی دشمنی نکالنے کا اچھا موقع مل جائیگا حتیٰ کہ غلط الزام پر وہ خود شکایت کرنے والوں کو بھی سزا دیتا تھا اسی اصول پسندی کی بناء پر اپنے والد حیدر علی کی وصیت کے باوجود اس نے میر صادق و پورنیا کو ان کی بغاوت کا جرم ثابت نہ ہونے کی وجہ سے سزا نہیں دی تھی انگریزوں کے ساتھ اس کی آخری جنگ میں صلح کیلئے دشمنوں کا ایک اہم مطالبہ یہ تھا کہ وہ اپنی فوج سے فرانسیسی سپاہیوں کو فوراً برطرف کر کے ان کے حوالہ کر دے لیکن اس نے ان کی اس تجویز کو یہ کہکر مسترد کر دیا کہ وہ اپنے دوستوں کو دھوکہ نہیں دے سکتا اس طرح اس نے اپنی جان دے کر فرانسیسیوں سے کئے گئے اپنے وعدہ کو پورہ کیا اگر وہ چاہتا تو چند فرانسیسی سپاہیوں کو ان کے حوالہ کر کے اپنی جان بچا سکتا تھا اس کی فوج اور سرکاری ملازمتوں میں مذہب یا نسل کی بنیاد پر ریزوریشن یعنی کوٹہ مقرر نہیں تھا ہر ایک کا انتخاب اس کی

اپنی ذاتی صلاحیت و قابلیت کی بنیاد پر ہوتا تھا جنگوں اور لڑائیوں سے حاصل ہونے والا مال غنیمت شاہی محل میں جانے کے بجائے جنگ کے شرکاء میں اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا اور باقی کو سرکاری خزانہ میں جمع کر دیا جاتا عوام کی سہولت کیلئے ہر گاؤں اور شہر میں انصاف کے لئے پنچایتیں قائم تھیں جس کا ذمہ دار پٹیل اور فوجدار ہوتا مذہبی مقدمات کیلئے مسلمانوں میں قاضی اور ہندوؤں میں پنڈت مقرر تھے ان کے فیصلوں پر عدم اطمینان کی صورت میں دارالسلطنت میں ایک بڑی عدالت قائم تھی جس میں ہندو مسلم دونوں طرح کے جج تھے اس پر بھی اطمینان نہ ہونے کی صورت میں خود سلطان سے اس کی شکایت کی جاسکتی تھی عدل و انصاف کی یہی وہ خصوصیات تھیں جس کی بناء پر مجموعی طور پر ہندوؤں نے کبھی اس کے خلاف مذہبی بنیاد پر علم بغاوت بلند نہیں کیا۔

ذہانت

سلطان فطری طور پر غیر معمولی ذہین تھا بیک وقت کئی زبانوں پر عبور رکھتا تھا اردو عربی کنڑی فارسی تیلگو مراٹھی پر اسکو دسترس حاصل تھی انگریزی بھی وہ بول لیتا تھا فرانسیسی سے بھی اس کو ایک حد تک واقفیت تھی وہ اپنے دربار میں بیک وقت کئی کئی خطوط اپنے منشیوں سے سنتا تھا اور اسی وقت ان کے جوابات بھی ایک ساتھ املا کراتا تھا اگرچہ وہ باضابطہ طبیب یا حاکم نہیں تھا لیکن اپنی ذہانت و تجربہ سے اسنے کئی ایسے نسخے مختلف بیماریوں کے لئے لوگوں کے سامنے پیش کئے کہ اس پر تجربہ کے بعد خود بڑے بڑے حکیم بھی اسکی ذہانت پر حیران رہ گئے

اسی کی ذہانت سے پہلی دفعہ بحری جہازوں کی تاریخ میں سمندر میں جہازوں کو مقناطیسی پہاڑوں کے خطرے سے بچانے کیلئے لوہے کی جگہ تانبے کا استعمال کیا گیا

اختراعی ذہن

اللہ تعالیٰ نے سلطان کے اندر غیر معمولی تخلیقی صلاحیتیں رکھی تھیں اس کی طبیعت فطرتاً اختراعی تھی اس کا ذہن ہمیشہ نئی نئی اختراعات کے بارے میں سوچتا رہتا ہندوستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ اس نے پوری سلطنت میں آبادی کی مردم شماری کرائی پنچایت راج کی بنیاد رکھی ایسی بکتر بند گاڑیاں تیار کرائیں جس پر گولیوں کا اثر نہیں ہوتا تھا اسی کے حکم سے فرانسیسی ماہرین نے پانی سے چلنے والا ایک ایسا انجن تیار کیا جس سے توپوں میں بآسانی سوراخ کیا جاسکتا تھا دنیا میں میزائیل ایجاد کرنے کا سہرا بھی اسی کے سر تھا حتی کے امریکیوں نے بھی اس کو راکٹ کے بانیوں میں شمار کیا وہ جب بھی اپنی سلطنت کے کسی کارخانہ میں جاتا تو نئے طرز یا جدید انداز کی کوئی چیز بنانے کا حکم ضرور دیتا سنہ ھ کی جگہ سنہ مولودی کا اس نے آغاز کیا جس کی ابتداء ہجرت نبوی کے بجائے بعثت نبوی سے ہوتی تھی ہندسوں کو دائیں جانب سے لکھنے کا سلسلہ شروع کیا مثلاً ۱۹۹۵ء کو اسطرح لکھا جاتا تھا ۵۹۹۱ء سرکاری محکموں کے نام اسماء حسنیٰ پر رکھے گئے مثلاً غفار کچہری، رزاق کچہری وغیرہ، حروف تہجی کے حساب سے ایک نئی تقویم جاری کی جس کے نام یہ تھے احمدی، بہاری، جعفری، دارائی، ہاشمی، واسطی، زبرجدی، حیدری، طلوعی، یوسفی، یازدی، بیاضی، اپنی سلطنت کا انوکھا نام رکھا اور اس کو سلطنت خداداد سے موسوم

کیا اس کی جدت پسند طبیعت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی تحریروں کیلئے سرخ یا سیاہ روشنائی استعمال نہیں کرتا تھا بلکہ سیاہ و سرخ کے درمیان ایک نئی روشنائی تیار کی تھی جس سے وہ عام طور پر لکھتا تھا خط محمدی کے نام سے ایک نیا رسم الخط بھی ایجاد کیا اور اس کے لئے ایک مستقل رسالہ بھی لکھوایا پیمائش اور ناپ تول کے نئے پیمانے ایجاد کئے اپنے ساحلی صوبوں کو صوبجات یم اور میدانی صوبوں کو صوبجات غبرا کا نام دیا، بارہ پونڈ تک وزنی راکٹ کو شہاب توپ کو درخش بندوق کو تفنگ سہ ضربہ بندوق کو مقراض کا نام دیا گیا خود اپنے ذاتی گھوڑے کا نام اس نے طاؤس رکھا تھا مجرمین کو درخت اگانے کی انوکھی سزا بھی اس کی اسی اختراعی ذہن کی پیداوار تھی۔

شہر کے ناموں میں تبدیلی

اسی شوق اختراع میں اس نے اپنی سلطنت کے مختلف شہروں اور قلعوں کے نام بھی بدل دیئے تھے جس کی تفصیلات ذیل میں دی جارہی ہیں

پرانا نام	نیا نام
۱) بنگلور	دارالسرور
۲) بلاری	ثمر پٹن
۳) کالی کٹ	اسلام آباد
۴) کوئمبتور	سلام آباد

پرانا نام	نیا نام
۵) کولار	عظیم آباد
۶) سرا	رستم آباد
۷) ملولی	گلشن آباد
۸) میسور	نظر آباد
۹) بینگلور	جمال آباد
۱۰) دیون ملی	یوسف آباد
۱۱) دھارواڑ	خورشید سواد
۱۲) ہوسکوٹہ	اسلام پور
۱۳) سری رنگا پٹنم	ظفر آباد
۱۴) ڈنڈیگل	خالق آباد
۱۵) فیروک	فرخی
۱۶) بھٹکل	رحمت آباد
۱۷) پاؤ گڑھ	ختی
۱۸) قلعہ چتل درگ	فرحیاب حصار
۱۹) تندی گڑھ	گردوں شکوہ
۲۰) قلعہ	منظر آباد
۲۱) کشن گیری	فلک الاعظم

پرانا نام	نیا نام
۲۲) پنوکنڈہ	فرخ آباد
۲۳) قلعہ گتی	فیض حصار
۲۴) بدنور	حیدر نگر
۲۵) مالکڑی درگ	ساونگڑھ (فلک شکوہ)
۲۶) کورگ	ظفر آباد
۲۷) سنگی درگ	مظفر آباد
۲۸) پال ملی	رحمت نگر
۲۹) صوبہ سرا	رستم آباد
۳۰) رتنا گیری	مصطفے آباد
۳۱) باسن	قائم آباد
۳۲) کپل درگ	جعفر آباد
۳۳) مبارانی درگ	ازبر آباد
۳۴) بلیار الگ	وفور آباد
۳۵) کرم گیری	محی الدین آباد
۳۶) دیورائے درگ	بالا شکوہ
۳۷) گڑی بنڈھ	عظمت شکوہ
۳۸) چبار گڑھ	رضا آباد

پرانا نام	نیا نام
۳۹) بیرن درگ	عظیم آباد
۴۰) مرکال مٹرو	محمود آباد
۴۱) کن کپا	ممتاز گڑھ
۴۲) کنداپور	نصیر آباد
۴۳) کوبی درگ	امتیاز گڑھ
۴۴) چندر گتی	شکور آباد
۴۵) سکوجی	واسط آباد
۴۶) سداشیو گڑھ	مجید آباد
۴۷) دھنیان کوٹہ	حسین آباد
۴۸) آنندپور	احمد آباد
۴۹) چلر گیری	عزیز آباد
۵۰) پاؤ گڑھ	حافظ آباد
۵۱) مرگس	رحمان آباد
۵۲) ساحل سمندر علاقہ	صوبہ یم
۵۳) صحرائی وکوہستانی علاقہ	صوبہ ترن
۵۴) میدانی علاقہ	صوبہ عنبر[1]

[1] نشانِ حیدری وصحیفہ ٹیپو سلطان

سکوں کے نئے نام

سلطنت خداداد میں سونے چاندی اور تانبے تینوں قسم کے سکے رائج تھے اس کو ڈھالنے کے لئے پوری مملکت میں جملہ بارہ کارخانے دارالسلطنت کے علاوہ میسور بنگلور بدنور اور کالی کٹ وغیرہ میں قائم تھے

ٹیپو کی حکومت کے ابتدائی چار سالوں تک سکوں پر ہجری تاریخیں ہی کندہ ہوتی تھیں لیکن بعد میں اس کی جگہ نئی ایجاد کردہ مولودی تاریخوں نے لی سونے چاندی کے سکوں پر عام طور پر ایک جانب ہو السلطان العادل الوحید اور دوسری جانب دین احمد در جہاں روشن از فتح حیدر است لکھا ہوتا

۱۴/- روپے کے برابر قیمت والی اشرفی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے احمدی۔ ۷/- روپے کے برابر اشرفی کو حضرت ابو بکر کی نسبت سے صدیقی ۵۰/ ۳ روپے کے برابر اشرفی کو حضرت عمر کی نسبت سے فاروقی کہا جاتا تھا سب سے چھوٹی اشرفی کو راحتی کا نام دیا گیا تھا۔ ۲/- روپے کے برابر چاندی کے سکہ کو حضرت علی کی نسبت سے حیدری اور بقیہ سکوں کو شیعوں کے بارہ ائمہ کے نام پر باقری جعفری وغیرہ کہا جاتا تھا

۱/- روپے کے برابر سکہ کو امامی اٹھنی کو عابدی چونی کو باقری دو آنے کے برابر سکہ کو جعفری اور ایک آنہ کے برابر سکہ کو کاظمی ۲ پیسے کے برابر یعنی سب سے چھوٹے سکہ کو خضری کہا جاتا تھا تانبے کے سکہ کو جو دو روپے کے برابر قیمت کا ہوتا تھا حضرت عثمان کی نسبت سے عثمانی کہا جاتا تھا لیکن بعد میں اس کا نام بدل کر

ستارہ کے نام پر مشتری رکھا گیا اور اس سے کم قیمت کے سکوں کے نام بھی ستاروں ہی کی مناسبت سے رکھے گئے یعنی ایک پیسہ کو زہرہ نصف پیسے کو مریخ چوتھائی پیسے کو ستارہ ۸/ا قیمت کے پیسے کو قطب کہا جاتا تھا[1]

پنچایت راج کا بانی

یوں تو زمانہ قدیم ہی سے ہر شہر اور گاؤں میں وہاں کی معاشی و اخلاقی ترقی کیلئے کمیٹیاں تھیں جس کا سربراہ اس گاؤں کا ہی کوئی معمر و تجربہ کار شخص ہوتا تھا لیکن سلطان ٹیپو نے باقاعدہ پہلی دفعہ ایک شاہی فرمان جاری کر کے اس کو سرکاری حیثیت دی سربراہ اسی گاؤں کے پٹیل کو مقرر کیا گیا اور اس کے تعاون کیلئے شانبھاگ (محاسب) رکھا گیا پنچایت کے ارکان کا انتخاب خود عوام کرتے تھے اس کمیٹی کے ارکان میں سے ایک شخص ضلع کی سطح پر قائم کمیٹی میں اپنے گاؤں کی نمائندگی کرتا تھا گویا یہ پنچایتی نظام عوام کے نمائندوں کو سرکاری امور میں شامل کرنے کیلئے سلطان کے ذہن کی اختراع تھی اس طرح یہ نظام اپنی افادیت کے پیش نظر اس پوری ریاست میں بعد میں بھی ہمیشہ کیلئے چل پڑا دوسرے الفاظ میں سلطان شہید اس پورے پنچایتی نظام کا بانی بن گیا۔

ملک کی تاریخ میں پہلی مردم شماری کا سہرا

جیسے کہ پچھلے صفحات میں یہ بات گزر چکی ہے کہ سلطان کا اختراعی ذہن ہمیشہ

[1] تاریخ ٹیپو سلطان از محب الحسن

نئ نئ چیزوں کے بارے میں سوچتا رہتا تھا اس کی اسی طبیعت نے اس کو اپنی مملکت سے متعلق ایک اور نئ چیز کے آغاز پر آمادہ کیا جس کے مطابق اس نے اپنی پوری سلطنت میں مردم شماری کا حکم جاری کردیا یہ نہ صرف پوری سلطنت خداداد بلکہ پوری ہندوستان کی تاریخ میں پہلی باقاعدہ مردم شماری تھی اس سلسلہ میں اس نے اپنے وزیراعظم میر صادق کے نام پر فرمان جاری کیا جو اسطرح تھا

فرمان بنام میر صادق (دیوان حضوری)

۹/ جولائی ۱۷۸۶ء

حکم دیا جاتا ہے کہ پوری مملکت کی مردم شماری مع اجناس وسامان کی جائے اور اس کی رپورٹ سلطان کو دی جائے

دستخط

ٹیپو سلطان

اس کے تحت سلطنت کے تمام قاضیوں کو بھی اس کا مکلف کیا گیا کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کی مردم شماری کریں جس میں مردوں عورتوں بچوں مکانات وجائیداد اور ان کے مشاغل وغیرہ کی تفصیلات ہوں اور اس کی رپورٹ سے سرکار کو مطلع کیا جائے ایک نقل وہ اس کی اپنے پاس بھی رکھیں۔

ٹیپو اور خواب

ٹیپو کثرت سے خواب دیکھنے کا عادی تھا جس کو وہ پابندی کے ساتھ مع تعبیر کے اپنے روزنامچہ میں اہتمام کے ساتھ لکھتا بھی تھا ایک دفعہ اس نے خواب میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی زیارت کی اسمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شہادت کی خوشخبری سنائی صبح بیدار ہو کر اس نے اس پر نماز شکرانہ ادا کی اور خوشی میں فقراء و مساکین میں خیرات وصدقات کئے اس کا یہ روزنامچہ اس کی شہادت کے بعد اس کے مال غنیمت میں کرنل ولیم کے ہاتھ لگا اور اس کی صحت کی تصدیق اس کے ذاتی محرر حبیب اللہ خان نے بھی کی وہ اپنی اس ذاتی ڈائری کو خود اپنے گھر والوں کی نگاہوں سے بھی چھپائے رکھتا تھا پروفیسر محمود الحسن نے انگریزی میں اور مسلم ضیاءی نے اردو میں اس موضوع یعنی ٹیپو کے خواب پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

حب الوطنی

سلطان کی پوری زندگی حب الوطنی کا دوسرا نام تھی ملک سے اس کی محبت ووفاداری کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت چاہیئے کہ مادر وطن کی حفاظت اور دشمنوں کے ناپاک وجود سے اس سرزمین کو پاک کرنے کیلئے اس نے اپنی جان تک دے دی اور اپنا تخت و تاج بھی اس کیلئے قربان کردیا اگر وہ چاہتا تو دشمنوں سے آزادی کا سودا کر کے اپنی جان بچاسکتا تھا لیکن اس کی غیرت نے اس کو گوارہ نہیں کیا اور اس نے مقابلہ ہی کو ترجیح دی وہ ملک کا پہلا حکمران تھا جس نے عوام کو آزادی کا ایک مقبول نعرہ ہندوستان ہندوستانیوں کیلئے ہے دیا اور خود بھی اس کیلئے آخری سانس تک مادر وطن سے برطانوی سامراج کو ختم کرنے کیلئے لڑتا بھی رہا اس سلسلہ میں اس نے نظام اور مرہٹہ سرداروں کے علاوہ ہندوستان کی چھوٹی

ریاستوں کے حاکموں سے بھی ملک کی حفاظت اور اس کے دفاع کیلئے رابطہ قائم کیا اور ان کو اس کیلئے متحد ہونے کی دعوت دی جب ان سب سے وہ مایوس ہو گیا تو اس نے بالآخر غیر ملکی سربراہان مملکت سے مراسلت کی لیکن وہاں بھی اس کو بہت کم کامیابی ملی جب تک وہ زندہ رہا انگریزوں کو ملک کے دوسرے اکثر علاقوں پر اپنے قبضہ کے باوجود یہ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ ہندوستان ہمارا ہے لیکن جیسے ہی اس کی شہادت ہوئی اس کی لاش کے پاس آکر جنرل ہارس بے اختیار فرط مسرت سے پکار اٹھا کہ

آج سے ہندوستان ہمارا ہے

دوسرے الفاظ میں اس کی موت ملک کی آزادی کی موت تھی جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کی شہادت پر کلکتہ مدراس اور بمبئی کے علاوہ خود لندن میں بھی خوشیاں منائی گئیں اس کی وطن پرستی کا یہ عالم تھا کہ زندگی میں اس نے کبھی بھی دوسرے ملک میں بنے ہوئے کپڑے استعمال نہیں کئے مدراس پر انگریز کمپنی قابض تھی ایک دفعہ وہاں سے بنگلور کے تاجروں نے نمک منگوایا جب ٹیپو کو اس کا علم ہوا تو اس نے اسی وقت ان تاجروں کو نمک واپس کرنے پر مجبور کیا گویا اس ملک میں سودیشی تحریک کا بانی بھی ایک طرح سے ٹیپو ہی تھا اس نے انگریزوں کو حدود سلطنت میسور میں تجارت کی ممانعت کر دی تھی ملیبار کے فوجدار ارشد بیگ کو ۱۷۸۶ء میں اس نے خط لکھا کہ وہ سلطنت کے باشندوں کو حکم دے کہ وہ انگریز تاجروں سے مال نہ خریدیں اور نہ اپنا کوئی مال ان کے ہاتھ فروخت کریں اس طرح وہ مایوس ہو کر یہاں سے چلے جائیں اس کے پاس دشمنوں سے چھینے ہوئے انگریزی و فرانسیسی ساخت

کے بہترین اسلحے موجود تھے لیکن وہ ہمیشہ اپنی سلطنت کے بنے ہوئے ہتھیار ہی کو ترجیح دیتا تھا اس کی شہادت کے بعد اس کے قلعہ سے بے شمار اسلحہ برآمد ہوا لیکن اس میں موجود ۹۲۰ توپوں میں صرف ۵۱ توپیں یوروپی ساخت کی تھیں اختر شیرانی نے تمام اہل وطن کی طرف سے اس کی حب الوطنی پر اس کو یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے

عشق و آزادی بہار زیست کا سامان ہے
عشق میری جان آزادی میرا ایمان ہے
عشق پہ کردوں فدا میں اپنی ساری زندگی
لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے

تعمیری ذوق

فن تعمیر کا ذوق ٹیپو کو اپنے والد نواب حیدر علی کے ورثہ میں ملا تھا پوری سلطنت خداداد میں اس نے سینکڑوں عمارتیں بنوائیں اور متعدد فوجی قلعے تعمیر کئے بنگلور، چتل درگ، حیدر نگر (بدنور) اور بھٹکل وغیرہ میں اس نے کئی مسجدیں تعمیر کیں بھٹکل میں اس کے حکم سے تعمیر کی گئی اس کے نام سے موسوم سلطانی مسجد ابھی چند سالوں قبل تک اسی حالت میں موجود تھی اور اسکے اعلیٰ ذوق تعمیر کا ثبوت دے رہی تھی صحیح مقامی روایات کے مطابق اس مسجد کی تعمیر کے بعد مسجد کی تولیت کے لئے جو دستاویزات اس نے ایک خاندان کے نام دیئے تھے وہ بھی چند سالوں قبل تک شہر کے ایک خاندان میں موجود تھے اپنے والد کے مقبرہ پر اس نے ایک

شاندار مربع عمارت تعمیر کی تھی جس میں سیاہ سنگ مرمر کے روغنی ستونوں پر ایک خوبصورت گنبد بھی بنوایا تھا اسی عمارت میں بعد میں خود اس کی تدفین بھی عمل میں آئی نواب حید علی نے دارالسلطنت میں دریائے کاویری کے جنوبی کنارہ جو خوبصورت محل دریا دولت باغ کے نام سے بنوایا تھا سلطان نے نہ صرت اسمیں توسیع کی بلکہ اس کو مزید خوبصورت بھی بنوایا وہ خود بھی گرمیوں میں اپنا زیادہ تر وقت اسی محل میں گزارتا تھا یہ محل آج بھی سری رنگا پٹن میں آثار قدیمہ کے طور پر موجود ہے ۱۷۸۱ء میں حید علی نے بنگلور میں بھی اپنے لئے ایک محل کی بنیاد رکھی تھی ٹیپو نے مسلسل جنگوں میں مصروفیت کے باوجود ۱۷۹۱ء میں اس کو مکمل کیا بنگلور میں صرف ایک مینار کی ایک خوبصورت و شاندار مسجد مراقش کے عربوں کے طرز پر اس نے بنائی سری رنگا پٹنم میں مسجد اعلیٰ کی تعمیر بھی خود اپنی ذاتی نگرانی میں کروائی ٹیپو کے عنان حکومت سنبھالنے سے پہلے پوری سلطنت میں آمدورفت اور داخلی تجارت کیلئے زیادہ تر کشتیوں ہی کا استعمال ہوتا تھا لیکن ٹیپو نے پہلی دفعہ اپنے دور حکمرانی میں ملیبار کے علاقوں میں نئی سڑکیں بنوائیں کاویری کے مشرق سے دھرم پور اور ھسور کے مغرب تک اور کرشناگری سے بودیکوٹہ تک دو نئی اور بڑی سڑکیں بھی بنوائی ملیبار میں مسافروں کیلئے سرائیں سب سے پہلے اسی نے تعمیر کئے دارالسلطنت سے چند ہی میل کے فاصلہ پر ایک بند بھی تعمیر کروایا جس کی لمبائی ہی صرف ستر فٹ تھی داروجی کے مقام پر ڈھائی میل لمبا اور ۲۵ فٹ چوڑا ایک اونچا تالاب بھی اس نے بنوایا تھا

دریائے کاویری پر کسانوں کی سہولت کیلئے اس نے ایک بڑے بند کی تعمیر کا منصوبہ بنایا تھا اور اس کی بنیاد بھی رکھی تھی ہندوستان کی آزادی کے بعد کرناٹک کی سرکار نے بھی اتفاق سے اسی طرح کے ایک بڑے بند کی تعمیر کا خاکہ تیار کیا اور اس کیلئے موزوں جگہ کے انتخاب کیلئے غیر ملکی ماہرین کی مدلی ان ماہرین کی نشاندہی پر جب ایک مناسب جگہ کا انتخاب کیا گیا اور کھدائی شروع ہوئی تو وہاں ایک کتبہ ملا کہ یہاں سلطان ٹیپو کے حکم سے ایک بڑے بند کی بنیاد رکھی گئی ہے اس کتبہ کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم اور یا فتاح سے ہوتا تھا اس انکشاف کے بعد خود غیر ملکی ماہرین وانجنیئروں کو بھی ٹیپو کے ذوق تعمیر اور ایک بڑے بند کے لئے موزوں و مناسب جگہ کے انتخاب پر تعجب ہوا اسی طرح کے سد محی اور سد محمدی کے نام سے مزید دو بڑے بند کی تعمیر کا منصوبہ بھی ٹیپو کے پیش نظر تھا اور اس نے اس کے لئے سرکاری فرمان بھی جاری کر دیا تھا اس کی تصدیق میسور میں محترم سلیم تمنائی صاحب کے پاس موجود ٹیپو کے ان دو سرکاری فرمانوں سے ہوتی ہے جو حسن اتفاق سے آج بھی ان کے پاس موجود ہیں اور راقم الحروف نے بھی خود اس کو دیکھا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

سری رنگا پٹنم میں ٹیپو کی آخری آرامگاہ



سری رنگا پٹنم کا مشہور دریا دولت باغ سلطان یہاں گرمیاں گزارتا تھا



چوبیسواں باب

ٹیپو بحیثیت حکمراں و منتظم

انتظامی صلاحیت

سلطان ایک کامیاب سیاستدان کے ساتھ ساتھ ایک بہترین منتظم بھی تھا اس کی ان صلاحیتوں کے خود اس کے دشمن بھی معترف تھے انگریز مورخ کیپٹن لٹل کا کہنا تھا کہ جب ہم سلطنت خداداد میں داخل ہوئے تو محسوس ہوا کہ ٹیپو اپنی فوج اور اسکی تنظیم میں یورپ کے کسی مہذب ملک سے پیچھے نہیں ہے اس زمانہ میں تمام مشرقی حکمرانوں میں وہ سب سے بہترین منتظم تھا اس نے بیک وقت مغلوں کے قدیم تجربات اور انگریزوں کے جدید نظریات سے اپنے انتظامی امور میں بھرپور فائدہ اٹھایا تمام سرکاری کاموں کی وہ خود نگرانی کرتا اور خود بھی صبح شام اسی میں مشغول رہتا تھا چوری ڈاکہ یا بدامنی کی صورت میں وہ متعلقہ علاقوں کے افسران کو ٹھہراتا ایک دفعہ اپنے ایک تعلقدار کو کچھ اس طرح خط لکھا

بنام میر احمد علی تعلقدار نرسی پور

۲۵/ جنوری ۱۷۸۶ء

تم نے اطلاع دی ہے کہ معزول امیر پہرہ سے فرار ہو گیا ہے تم کو فوراً اس کی گرفتاری کا انتظام کرنا چاہیئے یہ شخص سرکار کے تیس ہزار روپے غبن کر گیا ہے ورنہ اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی

فقط

ٹیپو سلطان

یہی وجہ تھی کہ عوام کے مالی خسارہ کو اگر اسمیں افسران کی بداحتیاطی شامل ہوتی تو ان ہی کی تنخواہوں سے وضع کیا جاتا اگرچہ اس نے اپنے ماتحتوں کو اختیارات

دے رکھے تھے لیکن اہم امور میں آخری فیصلہ وہ خود کرتا تھا بحیثیت کمانڈران چیف میدان جنگ میں پوری فوج کی مجموعی کمان ہمیشہ اسی کے ساتھ میں ہوتی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی پر وہ اپنے ماتحتوں کو نہ صرف تنبیہ کرتا بلکہ ان کو سزائیں بھی دیتا تھا اپنی طرح اپنے افسران کو بھی نجی زندگی میں صاف ستھرا رہنے کی وہ نصیحت کرتا تھا

نظم سلطنت

سلطان نے اپنی پوری سلطنت کے نظم ونسق کیلئے جو تقریباً اسی ہزار مربع میل سے زائد رقبہ پر مشتمل تھی مختلف شعبے قائم کئے تھے چونکہ حیدر علی نے اپنی زندگی ہی میں ٹیپو کو کنانور وغیرہ کے اضلاع بطور جاگیر دے دیئے تھے اس لئے اس کو انتظامی امور اور محاصل وغیرہ کے سلسلہ میں اچھی خاصی معلومات ہو گئی تھی اور اس کے یہ تجربات بعد میں بھی اس کو کام آئے حیدر علی کی وفات کے بعد جنگ میں مسلسل مصروفیت کی وجہ سے اس کو شروع میں تو امور سلطنت پر توجہ دینے کا موقع نہیں ملا لیکن معاہدہ منگلور کے بعد اس نے اس پر بھرپور توجہ دی اور مملکت کے نظم کو ازسرنو ترتیب دیا رعایا کے جذبات کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے قدیم قوانین میں اچانک تبدیلی سے بھی گریز کیا۔

مرکزی حکومت

مجموعی طور پر پوری سلطنت کے نظم ونسق پر پارلیمان کی نظر رہتی تھی اور اسی کو

مرکزی حکومت کی حیثیت حاصل تھی حکومت کے تمام وزراء وافسران پارلیمان کے رکن تھے اس کے تحت دفاع خارجہ داخلہ مالیات تجارت وغیرہ کے مرکزی سطح پر سات بڑے محکمے قائم تھے ہر بورڈ ایک وزیر کے ماتحت ہوتا اس کے ماتحت افسران کا انتخاب بھی خود سلطان کرتا تھا ان محکموں کی وقتاً فوقتاً میٹنگیں ہوتیں اور متعلقہ افسران آپسی تبادلہ خیال کے بعد اپنی رائے کاروائی کے رجسٹر میں لکھ کر دستخط کر کے سربمہر صندوق میں رکھتے پھر اس کو کھول کر اکثریت کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کیا جاتا اور سلطان کو اس سے مطلع کیا جاتا اگر کوئی اہم معاملہ ہوتا تو خود سلطان کی اس سلسلہ میں رائے طلب کی جاتی جو اپنے ماتحت دیگر افسران کے مشورہ سے کوئی حتمی فیصلہ سناتا بعض اوقات تمام وزارتوں کی مشترکہ میٹنگیں بھی ہوتیں تھیں تمام محکموں کی کاروائی پر نظر رکھنے کیلئے جاسوسی کا محکمہ بھی قائم تھا جو مشتبہ لوگوں کی حرکات پر نظر رکھتا تمام سرکاری ملازمین کو تین سال میں ایک دفعہ ترقی دی جاتی اور دوسرے محکمہ میں ان کا تبادلہ ہوتا سرکاری فرامین عام طور پر فارسی میں اور بعض اوقات کنڑی، مرہٹی اور اردو میں بھی جاری کئے جاتے پارلیمان (مرکزی حکومت) کے ماتحت قائم اہم وزارتوں کی تفصیلات کچھ اس طرح تھیں

۱) وزارت مالیات

مرکزی سطح پر حکومت کی اس سب سے اہم وزارت کو میر آصف کا نام دیا گیا تھا دوسرے الفاظ میں یہ مالیاتی بورڈ تھا اس کا سربراہ یعنی وزیر مالیات جس کو دیوان یا میر آصف بھی کہا جاتا تھا سلطان اور اس کے وزیر اعظم کے بعد سب سے با اختیار

شخص ہوتا تھا اس عہدہ پہلے میر صادق تھا لیکن ۱۷۹۲ء میں پارلیمان کے قیام کے بعد یہ اس کا صدر بنا تو یہ عہدہ ٹیپو نے پورنیا کو دیا یہ محکمہ سلطنت کی پوری آمد و خرچ پر نظر رکھتا تھا ایک افسر اعلیٰ یعنی وزیر کے علاوہ اس کے کل چھ ممبران ہوتے تھے سربراہ کی تنخواہ سالانہ /۲۱۰۰ پگوڈا اور دیگر ممبران کی تنخواہ سالانہ /۱۰۰۰ پگوڈا تھی سرکاری خزانہ کے حسابات عام طور پر فارسی کنڑ اور مراٹھی میں رکھے جاتے تھے اس وزارت کے مختلف ذیلی شعبے بھی تھے اور ہر ممبر کے ذمہ الگ الگ کام تھا۔

۲) وزارت تجارت بری

اس وزارت کا نام کچہری ملک التجار تھا ملک میں صنعت و حرفت اور تجارت کی دیکھ بھال اس محکمہ کے سپرد تھی شروع میں بحری تجارت بھی اس بورڈ کے تحت آتی تھی لیکن بعد میں اس کی وسعت اور بڑھتی اہمیت کے پیش نظر ٹیپو نے اس کے لئے الگ وزارت قائم کی تھی اس محکمہ کے کل نو ممبران تھے احمد خان اس کا سربراہ تھا جس کی سالانہ تنخواہ /۸۴۰ پگوڈا تھی باقی ممبران کی تنخواہ سالانہ /۵۰۰ پگوڈا تھی اس وزارت کے اعلیٰ و ماتحت افسران کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق اس بات کا حلف لینا پڑتا تھا کہ وہ رزق حلال کی عوام کو فراہمی کی کوشش کرینگے اور اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کو ایمانداری سے پوری کرینگے۔

۳) وزارت تجارت بحری

اس کو کچہری میریم بھی کہتے تھے چونکہ عہد ٹیپو میں بحری تجارت نے کافی ترقی کی تھی اس لئے ۱۷۹۶ء میں اس کے لئے ایک الگ وزارت قائم کی گئی تھی اس کے

آٹھوں ممبران بحریہ کے اعلیٰ افسران ہی سے منتخب کئے جاتے اس کا وزیر حافظ محمد میر تھا جس کی تنخواہ سالانہ /۹۳۰ پگوڈا اور دیگر ممبران کی /۵۱۰ پگوڈا تھی

۴) وزارت دفاع

اس کا نام کچہری میر میران تھا سلطانی افواج کیلئے عمومی انتظام کے علاوہ اس کے ذمہ پوری فوج کی دیکھ بھال بھی تھی ایک سربراہ کے علاوہ اس کے پندرہ فوجی افسران ممبر تھے اس شعبہ کا سربراہ بھی ہندو برہمن پورنیا ہی تھا جس کو اس شعبہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے سالانہ ۲۸۸۰ پگوڈا الگ سے تنخواہ ملتی تھی جبکہ دیگر ممبران کی تنخواہ صرف /۹۰۰ پگوڈا تھی پوری فوج کو گیارہ سپہ سالاروں کی کمان میں تقسیم کردیا گیا تھا اور خود ٹیپو ان سب کا سپہ سالار اعلیٰ تھا

۵) وزارت حفاظت اسلحہ

جنگی سامان اسلحہ و ذخائر کی حفاظت و نگرانی کیلئے ٹیپو نے ایک الگ وزارت قائم کی تھی جس کا نام اس نے کچہری میر صدور رکھا تھا اس شعبہ کے سربراہ غلام علی خان کی تنخواہ جو میر الصدور کہلاتا تھا۔ /۸۴۰ پگوڈا تھی جبکہ باقی آٹھ افسران کی تنخواہ /۶۵۰ پگوڈا تھی سلطنت کے تمام فوجی قلعوں کا انتظام نیز اسلحہ کی تیاری اسی شعبہ کے ذمہ تھی فوج کے مالی حسابات بھی اسی کے پاس رہتے تھے قلعوں میں سامان رسد اسلحہ وغیرہ پہنچانے کا بھی یہی محکمہ ذمہ دار تھا

۶) وزارت حفاظت خزانہ

اس وزارت کا نام کچہری میر کاظم تھا یہ اگرچہ وزارت مالیات ہی کا ایک شعبہ تھا لیکن اس ذیلی شعبہ کی اس کے سپرد اہم کاموں کے پیش نظر ایک مستقل حیثیت ہو گئی تھی سرکاری خزانہ میں نقدی یعنی سونے اور پگوڈے کے علاوہ سربمہر سرکاری دستاویزات کی حفاظت یہی وزارت کرتی تھی سونے اور چاندی وغیرہ کے سکوں کو ڈھالنے والے کارخانے بھی اسی کے ماتحت تھے اس شعبہ کا سربراہ محمد امین تھا جس کی تنخواہ /۵۹۵ پگوڈا اور اس کے ماتحت سات افسران کی تنخواہ /۴۰۰ پگوڈا تھی

۷) وزارت عدل وانصاف

یہ اپنی اہمیت کے پیش نظر پوری مملکت کی سب سے اہم وزارت تھی گاؤں یا شہر کی پنچایتوں میں حل شدہ فیصلوں کے خلاف اپیل کا حق عوام کو اسی عدالت میں تھا گویا یہ سپریم کورٹ تھی جس میں ہندو مسلم دونوں طرح کے جج ہوتے ان ججوں کے فیصلوں کے خلاف بھی ہر کسی کو براہ راست سلطان سے اپیل کا حق حاصل تھا

۸) وزارت فوج میسور

اگرچہ وزارت دفاع کے تحت سلطنت کی تمام افواج آجاتی تھیں لیکن خاص سلطنت میسور کے سپاہیوں کی تربیت اور ان کے امور کی دیکھ بھال کیلئے ٹیپو نے ۱۷۹۳ء میں اس وزارت کو قائم کیا تھا اس شعبہ کا سربراہ محمد رضا تھا جس کی تنخواہ

سالانہ /۱۰۵۰ پگوڈا اور دیگر دس افسران کی /۰۰۰ پگوڈا تھی میسوری سپاہیوں کو غیر میسوری سپاہیوں سے ان کی سبز پگڑیوں میں سرخی مائل پٹی سے ممتاز کیا گیا تھا ان کو زمرہ اور غیر ملکی سپاہیوں کو غیر زمرہ کہا جاتا تھا۔

۹) وزارت اطلاعات ونشریات

یہ دراصل ڈاک اور خبر رسانی کا شعبہ تھا جس کا صدر دفتر دارالسلطنت ہی میں تھا اس کے ممبران وملازمین مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے جن کے ذریعہ سلطان کو اپنے ماتحت افسران کی سرگرمیوں کا علم بھی ہوتا تھا گویا یہ محکمہ جاسوسی بھی تھا یہی شعبہ سرکاری وغیر سرکاری خطوط بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کا نظم بھی کرتا تھا خطوط کی فوری ترسیل Speed Post کا بھی انتظام تھا جس کے مخصوص ملازمین کو بجلی کہا جاتا تھا

مرکزی حکومت کے ماتحت مذکورہ وزارتوں کے علاوہ اور بھی مختلف وزارتیں تھیں مثلاً محکمہ تعمیرات، غلاموں کی دیکھ بھال کا شعبہ اور مذہبی مقامات کی وزارت وغیرہ۔

صوبائی حکومتیں

ابتداء میں ٹیپو نے اپنی پوری سلطنت کو سات صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا جس کا نام آصفی تھا بعد میں اس کی تعداد نو ہو گئی ۱۷۸۴ء میں معاہدہ منگلور کے بعد اس میں دوبارہ نظر ثانی کر کے سترہ صوبے بنائے گئے آخر میں مملکت کی توسیع کے بعد صوبوں کی تعداد ۳۰ تک پہنچ گئی سلطان کی طرف سے ہر صوبہ میں دو گورنر ہوتے تاکہ

تاکہ کوئی زیادہ بااختیار نہ ہوجائے ایک گورنر محاصل اور دیگر امور کا ذمہ دار تھا جو آصف یا صوبیدار کہلاتا تھا دوسرا امن عامہ کا جو فوجدار یا فوجی گورنر کہلاتا تھا اگر صوبہ بڑا ہوتا تو اس میں چار تک گورنر ہوتے ہر سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر صوبیدار و فوجدار مع اپنے نائب کے دارالسلطنت حاضر ہوکر سلطان کو اپنی سالانہ کارکردگی اور مالی حسابات کی رپورٹ پیش کرتے نماز عید کے بعد مسلم اہل کار منبر مسجد کے سامنے قرآن مجید اپنے سر پر رکھ کر تجدید عہد وفا کرتے اور ہندو اپنے شاستروں کے مطابق

اضلاع و تعلقوں کا نظم

ہر صوبہ میں مختلف اضلاع ہوتے جس کا سربراہ عملدار کہلاتا تھا اس کا نائب طرفدار ہوتا سلطنت کے جملہ اضلاع کی تعداد آخر میں ۱۰۲۴ تک پہنچ گئی تھی ہر ضلع میں عام طور پر تیس تا چالیس گاؤں ہوتے عملدار پورے ضلع میں کسانوں کے مسائل کو حل کرنے اور انکی فلاح و بہبودی پر توجہ دینے کا ذمہ دار ہوتا مالداروں کے استحصال سے کسانوں کو بچانا بھی اس کے فرائض میں داخل تھا اس کی مدد کیلئے سرکار کی طرف سے ایک طرفدار دس محرر چالیس چپراسی وغیرہ فراہم کئے جاتے تھے ان سب پر نگرانی کیلئے ہر علاقہ میں جاسوس مقرر تھے جن کا براہ راست سلطان سے رابطہ ہوتا ضلع کے ہر گاؤں میں ایک پنچایت ہوتی جس کا سربراہ پٹیل اور اس کا معاون شانبھاگ (محاسب) ہوتا جو اپنے ممبران کی مدد سے گاؤں والوں کے مسائل حل کرتا ہر صوبہ ضلع اور گاؤں میں متعین سرکاری ملازمین کی فہرست مع تفصیلات

کے سلطان کے پاس بھی ہوتی تھی جن کو ان کی کارکردگی کے مطابق ترقی دی جاتی اور ہر تین سال میں دوسری جگہ ان کا تبادلہ بھی کردیا جاتا

عدلیہ کا نظام

عوام کے روزمرہ کے ذاتی و سماجی مسائل یعنی سول و فوجداری مقدمات کیلئے ہر گاؤں میں پٹیل اور ہر شہر میں آصف مقرر تھا مذہبی معاملات و تنازعات کے حل کیلئے ہر شہر میں مسلمانوں کیلئے قاضی مقرر تھے جو قرآن و حدیث کی روشنی میں فیصلے کرتے تھے سری رنگاپٹنم بنگلور بدنور اور چتل درگ میں پوری سلطنت کے چار بڑے قاضی تھے ہندوؤں کے مذہبی تنازعات کیلئے پنڈت مقرر تھے جو اپنے شاستروں کے مطابق مسائل کو حل کرتے ہر ضلع میں ایک ضلعی عدالت یعنی ڈسٹرکٹ کورٹ بھی تھی جس میں دو جج ایک مسلمان اور دوسرا ہندو ہوتا جہاں گاؤں کے پٹیل یا ضلع کے عملدار کے فیصلوں کے خلاف اپیل کا ہر ایک کو حق حاصل تھا دارالسلطنت میں عدالت عالیہ یعنی سپریم کورٹ تھی جو مرکزی وزارت برائے عدل وانصاف کے ماتحت تھی اگر یہاں بھی کسی کو اطمینان نہیں ہوتا تو براہ راست سلطان کے دربار میں اس مقدمہ کی پیشی ہوتی اور سلطان اپنے افسران و وزراء کے ساتھ تبادلہ خیال کے بعد اپنا فیصلہ سناتا مقدمہ ہر عدالت میں خود فریقین پیش کرتے گواہی عوام کی ہوتی اور فیصلہ بھی بغیر کسی تاخیر کے اسلامی اصولوں کے مطابق اسی وقت سنادیا جاتا سزاؤں کا نفاذ بھی عام طور پر فوری ہی ہوتا قتل اور بغاوت کی سزا پھانسی تھی چوروں ڈاکوؤں کے ہاتھ پیر ایک قسم کا تیل لگاکر ہمیشہ

کیلئے خشک کئے جاتے زانی کو عام طور پر مخنث کیا جاتا معمولی جرائم پر کوڑے لگائے جاتے جس کیلئے ہر جگہ سرکار کی طرف سے لوگ مقرر تھے۔

خارجہ پالیسی

سلطان بحیثیت ایک سیاستدان و حکمران کے اپنی خارجہ پالیسی سے بڑی دلچسپی رکھتا تھا وہ خود اپنا وزیر خارجہ تھا اور اس سلسلہ میں تمام اہم خط و کتابت خود کرتا تھا ہندوستان کے اندر قائم مختلف حکومتوں مثلاً نیپال کشمیر جے پور اور جودھپور وغیرہ کے حکمرانوں سے اس نے ہمیشہ خوش گوار تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی دہلی کے مغل بادشاہ سے اس کے اچھے مراسم تھے خود اپنے آس پاس قائم ریاستوں مرہٹوں و نظام سے بھی اس نے آخر تک صلح دامن کی بھرپور کوشش کی ملک کے باہر بھی ایران افغانستان عمان ترکی فرانس وغیرہ کی حکومتوں سے بھی اس کے مراسم قائم تھے عمان کے ساتھ اس کے تعلقات اس قدر خوشگوار تھے کہ مسقط میں دیگر ہندوستانی تاجروں کیلئے آٹھ فیصد اور ایرانیوں کیلئے ساڑھے چھ فیصد چنگی تھی جبکہ میسوری تاجروں کیلئے یہ چنگی صرف چار فیصد تھی افغانستان کا بادشاہ اس کی مدد پر نہ صرف آمادہ ہوا بلکہ اس کیلئے اپنی ایک بڑی فوج لیکر ہندوستان کی سرحد تک پہنچ بھی چکا تھا لیکن ایران کے حملہ کی وجہ سے اس کو واپس جانا پڑا غرض یہ کہ وہ انگریز سامراج کے خلاف بیرون ہند کے سربراہان مملکت سے رابطہ قائم کرنے والا پہلا ہندوستان حکمران تھا یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے اس نیک مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرانسیسیوں سے تعلقات

فرانسیسی بھی انگریزوں کے ہم مذہب یعنی مسیحی ہونے کی وجہ سے مسلمان کے دشمن ہی تھے لیکن وہ اس زمانہ میں عالمی سطح پر انگریزوں کے سیاسی حریف تھے ادھر نواب محمد علی نظام حیدر آباد اور مرہٹہ سردار بھی یا تو عملاً انگریزوں کے تابع ہو چکے تھے یا پھر ٹیپو کے خلاف ان کے سیاسی حلیف بن گئے تھے اس طرح اس پورے علاقہ میں ٹیپو انگریزوں کے خلاف تنہا میدان میں تھا اسی لئے اس نے بھی اپنے والد کی طرح انگریزوں کے خلاف فرانسیسیوں سے روابط بڑھائے جو اس وقت ہندوستان میں تجارت کے بہانے موجود تھے میسور کی تیسری جنگ میں اگرچہ فرانسیسی عالمی سطح پر انگریزوں سے صلح ہونے کی وجہ سے آخری وقت میں میسوریوں سے الگ ہوگئے تھے لیکن ٹیپو فرانسیسیوں کی مجبوریوں کو سمجھتا تھا اور اس کو امید تھی کہ آئندہ کسی موقع سے یہ لوگ ضرور اس کی فوجی مدد کرینگے اسی لئے اس نے قسطنطنیہ جانے والے وفد کو وہاں سے پیرس جاکر فرانس کی اعلیٰ سطحی قیادت سے اس سلسلہ میں گفتگو کرنے کی ہدایت کی تھی لیکن بعض ناگزیر وجوہات کی وجہ سے یہ مشن وہاں سے پیرس نہیں جاسکا اور حرمین شریفین ہوتا ہوا میسور واپس آگیا جس کے بعد سلطان نے ایک اور سفارتی مشن اس مقصد کیلئے ۱۷۸۷ء میں شہنشاہ فرانس لوئی شانزدہم کی خدمت میں روانہ کیا جس میں درویش خان اکبر خان اور عثمان خان وغیرہ شامل تھے ٹیپو نے اس وفد کے توسط سے انگریزوں کے خلاف فرانس سے فوجی مدد طلب کی اور اس سلسلہ میں ایک دس سالہ دفاعی معاہدہ کی بھی پیشکش کی جس کے تحت

دس ہزار فرانسیسی فوجیوں کو میسور آنا تھا جن کے اخراجات ٹیپو برداشت کرتا اور اس کے عوض فتح کی صورت میں فرانسیسیوں کو پانڈیچری اور مدراس سے ملحق علاقے دیئے جاتے اگرچہ فرانس میں اس سفارتی وفد کا شاندار استقبال کیا گیا وہاں ان کے اعزاز میں دعوتیں بھی ہوئیں لیکن اپنے ملک کے داخلی انتشار اور سیاسی و معاشی بحران کی وجہ سے شاہ فرانس باقاعدہ کوئی تحریری دفاعی معاہدہ نہیں کرسکا اور یہ سفارت ناکام واپس لوٹی البتہ مشن کے ارکان کچھ فرانسیسی فوجی ماہرین کو اپنے ساتھ میسور لانے میں کامیاب ہوگئے جس میں ڈاکٹر انجنیر اور باغبان کے علاوہ نئی طرز کی توپیں ڈھالنے والے اور کارتوس و بندوق وغیرہ تیار کرنے والے ماہرین شامل تھے اس کے بعد بھی مختلف مواقع پر ٹیپو نے متعدد سفارتی وفود فرانس روانہ کیے ۱۷۹۶ء میں ماریشس میں متعین فرانسیسی گورنر ملارٹک سے بھی اس سلسلہ میں خط و کتابت کی ۱۹ جولائی ۱۷۹۸ء کو اپنی شہادت سے صرف ایک سال قبل بھی ایک وفد اس نے فرانس روانہ کیا جس میں شیخ ابراہیم اور حسین علی وغیرہ شامل تھے لیکن ماریشس سے پیرس جاتے ہوئے انگریزوں نے اس فرانسیسی بحری جہاز پر حملہ کردیا اس طرح آخر تک ٹیپو اپنی دلی خواہش و تمنا کے باوجود فرانسیسیوں سے انگریزوں کے خلاف کوئی فوجی معاہدہ نہیں کرسکا اگست ۱۷۹۸ء میں فرانس کے نپولین سے ٹیپو کی جو خط و کتابت ہوئی اس کی تفصیلات پچھلے صفحات میں گزر چکی ہیں اس کو یہاں مزید دہرانے کی ضرورت نہیں۔

نقشہ ان ممالک کا جن کے ساتھ ٹیپو کے سفارتی تعلقات تھے



toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

سلطانی افواج

ٹیپو کی مستقل فوج کی تعداد میں ضرورت کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی تھی ۶۷ء میں انگریزوں کے ساتھ میسوریوں کی پہلی جنگ میں سلطنت خداداد میں صرف ۳۰ ہزار سپاہی تھے ۸۲ء کی دوسری جنگ میں اس میں اضافہ ہو گیا اور یہ تعداد ۸۸ ہزار تک پہنچ گئی ۹۲ء کی تیسری جنگ میں ٹیپو کے پاس اٹھارہ ہزار باضابطہ سوار اور پچاس ہزار باضابطہ پیدل سپاہی تھے ایک لاکھ بے ضابطہ سپاہی جو مختلف قلعوں وغیرہ کی حفاظت پر مامور تھے اس کے علاوہ تھے اپنے والد نواب حیدر علی کی فوجی حکمت عملی میں ٹیپو نے تبدیلی کر کے پیدل فوج میں اضافہ کر کے سوار فوج میں کمی کر دی تھی یہی اس کی غلط فوجی حکمت عملی بعد میں سلطنت خداداد کے زوال کے نمایاں اسباب میں سرفہرست ہو گئی ۹۹ء کی آخری اور فیصلہ کن جنگ میں خود انگریز مؤرخین کے مطابق سلطان کے ساتھ قلعہ کے اندر اور اس کے قریب ۳۵۰۲ باقاعدہ سوار ۹۳۹۲ بے قاعدہ سوار ۲۳۴۸۳ باقاعدہ پیدل سپاہی ۶۹۰۹ بے قاعدہ رضا کار سپاہی اور ۲،۴۲۴ بندوق بردار سپاہی تھے جس میں چار فرانسیسی اعلیٰ افسران کے علاوہ چالیس یورپین اور ساڑھے تین سو افریقی فوجی بھی شامل تھے صرف قلعہ میں سلطان کے ساتھ چودہ ہزار باقاعدہ فوجی تھے شہادت سے صرف چند ماہ قبل پچاس یورپین اور ایک سو فرانسیسی سپاہی مع چھ افسران کے سلطانی فوج میں شامل ہو گئے تھے ویسے پوری سلطنت میں باقاعدہ فوج کی مجموعی تعداد جو دارالسلطنت کے علاوہ بدنور منگلور ہوسکوٹ اور بنگلور میں پھیلی

ہوئی تھی ایک لاکھ اسی ۸۰ ہزار کے قریب تھی غیر منظم یعنی بے قاعدہ نیم فوجیوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی جو جنگ کے علاوہ دوسرے فوجی کاموں پر مامور تھی امن کے دنوں میں سوار فوج دارالسلطنت کے آس پاس رہتی جبکہ پیدل سپاہی زیادہ تر دارالسلطنت بالخصوص قلعہ کے اندر ہی ہوتے قیدیوں کی ایک علیحدہ بٹالین تھی جس کا نام ٹیپو نے احمدی یا محمدی فوج رکھا تھا ان کی تعداد چالیس ہزار تک آخر میں پہنچ گئی تھی نو مسلموں کے دستہ کو احمدی دستہ میسوریوں کی بٹالین کو زمرہ اور غیر میسوری سپاہیوں کے دستوں کو غیر زمرہ کہا جاتا تھا میسوری سپاہیوں کے امتیاز کیلئے عام فوجیوں کیلئے لازم سبز پگڑیوں میں سرخی مائل پٹی ہوتی تھی جبکہ نومسلموں کیلئے شیر ببر کی کھال سے بنی وردی مقرر تھی حیدر علی سوار فوج کو غارت گر دستہ کہتا تھا جبکہ ٹیپو نے اس کا نام بدل کر اسد اللٰہی فوج رکھا تھا پیدل فوج کے لباس میں ارغوانی رنگ کی سفید صدری شامل تھی فوج میں عام طور پر ہندوؤں میں سے راجپوتوں اور مرہٹوں کو بھرتی کیا جاتا جبکہ مسلمانوں میں سے پٹھان مغل شیخ اور سید لئے جاتے ہندوؤں میں برہمن اور مسلمانوں میں علماء و مشائخ کو فوجی بھرتی سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا یہ الگ بات تھی کہ سینکڑوں علماء و مشائخ نے اپنی خوشی سے فوج میں داخلہ لیا تھا بلکہ وہ اس کے اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز تھے فوج کی تربیت کیلئے ایک الگ اسکول قائم کیا گیا تھا جہاں مسلمانوں کو خصوصی طور پر جہاد کی ترغیب دی جاتی تھی تحفۃ المجاہدین کی تصنیف بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی اپنی فوج کی تنظیم و تربیت میں سلطان شہید نے غیر معمولی ذہانت و انتظامی صلاحیت کا استعمال کیا وہ مرہٹوں اور نظام کے فوجیوں کے مقابلہ میں اپنے سپاہیوں کو زیادہ تنخواہ دیتا تھا

تاکہ دولت کا لالچ دے کر ان کو دشمن خرید نہ سکیں جنگی ضرورت اور فوجی سامان اور رسد وغیرہ کی نقل وحرکت کیلئے اس نے بیرون ملک سے عمدہ گھوڑے گائے بیل خچر وغیرہ منگوائے تھے جن کو میسور ہی میں تربیت بھی دی جاتی تھی اس نے اس کے لئے امرت محل کے نام سے ایک الگ محکمہ بھی قائم کیا تھا امرت محل کے ان تربیت یافتہ گھوڑوں کی دور دور تک شہرت تھی ان ہی گھوڑ سواروں کے دستوں نے ۲۴ گھنٹوں سے بھی کم وقفہ میں میسور سے مدراس کا فاصلہ طے کرتے ہوئے حیدر علی کے زمانہ میں وہاں کے فوجی قلعہ پر دھاوا بول دیا تھا فوجیوں کی سہولت اور ان کے انتظام کیلئے فوج میں جملہ گیارہ محکمے قائم تھے ہر محکمہ ایک سپہ سالار کے ماتحت تھا قلعوں کی تعمیر، سامان حرب کی تیاری، فوجی جانوروں کو چرانے، بحری جہازوں کی تعمیر اور تنخواہوں کی تقسیم وغیرہ کیلئے بھی الگ الگ شعبے تھے اور ان سب پر نظر رکھنے کیلئے ایک شعبہ نگرانی کا بھی قائم تھا پوری سلطنت کو ۲۲ فوجی اضلاع میں تقسیم کر کے دو دو اضلاع کو ایک ایک سپہ سالار کے ماتحت کر دیا گیا تھا۔

فوج کی تقسیم

ٹیپو نے اپنے سپاہیوں کی قابلیت وصلاحیت کے اعتبار سے اپنی پوری فوج کو تین خانوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

۱) قشون :۔ یہ فوج کا سب سے اہم اور قابل دستہ تھا جس کو آج کل فوجی اصطلاح میں رجمینٹ کہا جاتا ہے اس کا سربراہ سپہ سالار (کمانڈنٹ) ہوتا اس کے تعاون کیلئے ایک بخشی اور کئی متصدی ہوتے

۲) رسالہ :۔ اس کو آج کل اسکویڈرن کہا جاتا ہے اس کا سربراہ رسالہ دار اور اس کا نائب سرخیل اور اس کے ماتحت جمعدار ہوتا

۳) جوق :۔ آج کل اس کو کمپنی کہا جاتا ہے اس کا سربراہ جوقدار اور اس کا نائب دفعدار اور اس کے ماتحت یزکدار ہوتا

کئی جوق مل کر ایک رسالہ اور کئی رسالے مل کر ایک قشون ہوتا ہر قشون کے سپاہیوں کے لباس کے رنگ الگ الگ تھے۔

۹۲ء میں معاہدہ منگلور کے بعد ٹیپو نے اپنی فوج کی از سر نو تنظیم کی اور اپنی سوار فوج کا نام بدل کر عسکر اور پیدل فوج کا جیش رکھا آج کی فوجی اصطلاح میں اس نے عسکر یعنی سوار فوج کو چار بریگیڈوں (کچہریوں) اور ہر بریگیڈ کو پانچ رجمنٹوں (موکموں) میں تقسیم کر دیا تھا ہر بریگیڈ کے کمانڈر کو بخشی اور رجمنٹ کے کمانڈر کو موکمدار کہا جاتا تھا ہر رجمینٹ میں چار اسکویڈرن تھے ہر اسکویڈرن کئی بازؤں یعنی ٹولیوں پر مشتمل ہوتا جس کا سربراہ کیپٹن (یزکدار) کہلاتا اس کے ماتحت کئی سرخیل (لیفٹنٹ) اور حولدار و متعدد سپاہی ہوتے جیش یعنی پیدل فوج کو بھی چار کچہریوں (بریگیڈوں) میں تقسیم کر دیا گیا تھا ہر کچہری میں چار قش (رجمینٹ) اور ہر قش میں چار جوق (کمپنی) ہوتی ہر کمپنی کی کمان بخشی کے ہاتھ میں ہوتی ہر قش (رجمینٹ) میں ۱۳۹۲ سپاہی بشمول ۱۰۵۶ بندوقچی و کئی توپچی ہوتے ہر رجمینٹ کی تفریق کیلئے ان کا علیحدہ ونمایاں جھنڈا بھی ہوتا[1]

پوری فوج کے نظم ونسق کی ذمہ داری وزارت دفاع (محکمہ میر میراں) کے

[1] تاریخ ٹیپو سلطان از محب الحسن

سرد تھی اور وہی سپاہیوں کے تمام چھوٹے بڑے معاملات کی مسئول بھی تھی لیکن اہم معاملات میں سلطان بحیثیت کمانڈران چیف خود ہی فیصلے کرتا تھا

بحریہ

پورے ہندوستان میں سلطنت خداداد کے حکمرانوں یعنی نواب حیدر علی وسلطان ٹیپو ہی کو یہ اولیت حاصل رہی کہ اس پورے ملک میں انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری طاقت کی اہمیت کو سمجھا اور اس مقصد کیلئے اپنی سلطنت کی قدرتی بندرگاہوں میں نہ صرف توسیع کرائی بلکہ ساحلوں کی حفاظت کیلئے بحری دستے بھی مقرر کئے۔ بحری فوج کی تیاری نواب حیدر علی کے زمانہ ہی میں شروع ہوچکی تھی لیکن ۸۰ء میں جب انگریزوں نے منگلور کے قریب بحیرہ عرب میں لنگر انداز ان جہازوں کو ڈبو دیا تو بات مزید آگے نہیں بڑھ سکی لیکن ٹیپو نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد دوبارہ اس پر توجہ دی اور قلیل مدت ہی میں اس نے کئی بحری جہاز دوبارہ تیار کرائے ۹۶ء میں اس نے اس کیلئے ایک الگ وزارت میریم کے نام سے قائم کی جس کی نگرانی میں بیس بڑے اور بتیس چھوٹے جہاز تیار کئے گئے بڑے جہازوں پر بیک وقت ۷۲، توپیں تک رکھی جاسکتی تھیں اور ان کی حفاظت کیلئے ۲، چھوٹے جنگی جہاز الگ سے تھے جبکہ چھوٹے جہازوں پر ۳۶ توپیں رکھی جاسکتی تھیں اور ان کی حفاظت کیلئے ۶۶ جہاز اس کے علاوہ تھے۔ بحری جہازوں کی تعمیر کیلئے اس نے منگلور، مرزان اور مولد آباد وغیرہ میں مستقل کارخانے قائم تھے جہاں ملیبار کے جنگلوں سے اس کے لئے ساگوان کی لکڑیاں بھیجی جاتی تھیں اس میں اس کی

دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جہازوں کے نقشے وہ خود تیار کر کے بھیجتا تھا ۹۳ء میں بیس ناکارہ بحری جہازوں کو اس نے ڈبونے کا حکم دیا۔ بحری فوج کی تربیت بھی بالکل جدید طرز پر کی گئی تھی ۹۳ء میں بھٹکل میں جہاز رانی کی تعلیم کیلئے ایک مدرسہ قائم کیا گیا تھا جہازوں میں لوہے کے استعمال کی وجہ سے سمندر میں مقناطیسی پہاڑوں سے ٹکرانے کا خطرہ رہتا تھا اس سے بچنے کیلئے پوری دنیا میں پہلی دفعہ لوہے کی جگہ تانبے کے استعمال کا طریقہ اسی نے بتایا اور سب سے پہلے اپنے بحری جہازوں میں اس کا کامیاب تجربہ بھی کیا اپنی ریاست کے ساحلی مقامات کی حفاظت کے علاوہ مغربی قوموں پر نظر رکھنے اور ان کی یورش سے سلطنت خداداد کو محفوظ رکھنے کیلئے اس نے مسقط، بصرہ اور عدن کی بندرگاہوں کو کرایہ پر دینے کیلئے ان کے سربراہان سے درخواست بھی کی۔ شروع میں بحریہ کی فوج وزارت دفاع ہی کے ماتحت تھی لیکن اس کی وسعت و اہمیت کے پیش نظر ۹۶ء میں اس نے اس کو عام فوج سے الگ کر دیا تھا۔ بحری فوج میں آٹھ بڑے افسران کے علاوہ تیس ایڈمیرل ہمیشہ سمندر ہی میں جہازوں پر رہتے تھے شہادت سے کچھ سال قبل اس نے مزید سو جنگی جہازوں کے ایک بڑے بیڑہ کو تیار کرنے کا حکم دیا تھا اور اس پر کام بھی شروع ہوچکا تھا لیکن افسوس کہ اس کی تکمیل سے پہلے ہی اس کی شہادت کا عظیم سانحہ پیش آیا

سقوط سری رنگاپٹنم کے بعد انگریزوں کے قبضہ میں منگلور، کنداپور وغیرہ سے جو جہاز آئے اس کی تفصیل اس طرح تھی:

toobaa-elibrary.blogspot.com

جہاز کی لمبائی	تعداد
۱۱۰ فٹ	۳
۱۰۳ فٹ	۱
۱۰۵ فٹ	۲
۹۵ فٹ	۳
۶۰ فٹ	۱
۱۱۲ فٹ	۱
۷۰ فٹ	۳
۶۵ فٹ	۱

پچیسواں باب

عہد ٹیپو میں سلطنت خداداد کی معاشی ترقی

سلطنت کی خوشحالی

سلطان شہید کو مسلسل جنگوں میں مصروف رہنے کے باوجود اپنی رعایا کی خوشحالی اور سلطنت کی ترقی کی بہت زیادہ فکر تھی اس کے عہد حکومت میں سلطنت خداداد نے صنعت و حرفت زراعت و تجارت کے میدان میں جس قدر ترقی کی اور پوری مملکت کی رعایا معاشی اعتبار سے جس قدر خوشحال رہی اس پر سلطان کی تعریف و توصیف اس کے دشمن بھی کرتے تھے ایک انگریز مؤرخ مور نے اس کی سلطنت کی خوشحالی کا نقشہ یوں کھینچا ہے

"اگر آپ ایک نئے ملک میں داخل ہوں اور وہاں دیکھیں کہ شہر آباد ہیں زراعت عروج پر ہے صنعت و حرفت ترقی کر رہی ہے تجارت کو فروغ مل رہا ہے اور ہر کام سے رعایا کے خوشحال ہونے کا اندازہ ہو رہا ہے تو سمجھ لیں کہ حکومت عوام کی منشاء کے مطابق ہے بالکل یہی ٹیپو کی حکومت کا بھی نقشہ تھا اور میں نے اس کو اسی طرح پایا"

۹۳ء میں معاہدہ منگلور کے مطابق انگریزوں کو تین کروڑ روپیے تاوان جنگ کی ادائیگی کے باوجود چند ہی سالوں میں بڑی حکمت عملی کے ساتھ اس نے اپنے اقتصادی بحران پر قابو پالیا تھا مجموعی طور پر پوری سلطنت میں اس کی رعایا معاشی اعتبار سے خوشحال تھی یہاں تک کہ اس زمانہ کے برطانوی پارلیمان کے رکن ڈبلیو ٹارنس کو اعتراف کرنا پڑا کہ پورے ہندوستان میں ٹیپو کے ماتحت علاقے سب سے زیادہ سرسبز و شاداب اور اس کے باشندے سب سے زیادہ خوشحال تھے

تجارت کا فروغ

پورے برصغیر میں ٹیپو وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے اپنی سلطنت میں تجارت کے فروغ کیلئے باقاعدہ اور مسلسل بیرون ممالک سے تعلقات و روابط رکھے اس کے لئے اس نے کچہری ملک التجار کے نام سے ایک الگ وزراتی شعبہ بھی قائم کیا فرانس ترکی عمان اور افریقہ سے اس نے ماہر کاریگروں کو بلاکر اپنے یہاں اعلیٰ تنخواہوں پر رکھا اپنے پاس موجود انگریز قیدیوں سے بھی اس نے اس سلسلہ میں فائدہ اٹھانے سے دریغ نہیں کیا باہر سے سب سے پہلے ریشمی کیڑے منگوا کر اس کی پرورش و پرداخت سے ریشمی صنعت کو نیا رنگ دینے والا ٹیپو ہی تھا اس کے لئے پوری سلطنت میں بارہ مراکز قائم تھے غریب رعایا کو تجارت کی ترغیب دینے کیلئے اس نے ایک بڑی تجارتی کمپنی قائم کی تھی جس میں سلطنت کا کوئی بھی باشندہ کم از کم پانچ روپیے اور زیادہ سے زیادہ پانچ سو روپیے لگا کر سال کے آخر میں ۵۰٪ منافع کا حقدار بن سکتا تھا۔ ۵۰۰/ سے ۵۰۰۰/ تک روپیے لگانے والوں کو ۲۵٪ منافع ملتا تھا اس طرح اس نے مالداروں کے بجائے غریبوں کو اس میں شریک ہونے کی ترغیب دی صرف اس کی سلطنت میں ہی تیس سے زائد تجارتی کوٹھیاں قائم تھیں بیرون ملک جدہ بصرہ اور عدن وغیرہ میں قائم سترہ تجارتی کوٹھیاں اس کے علاوہ تھیں ۸۵ء میں مسقط میں ایک بڑی تجارتی کوٹھی حکومت میسور کی طرف سے قائم کی گئی تھی جہاں سلطنت کے تجارتی مفادات کی نگرانی کیلئے سلطان کی طرف سے مستقل ایک وکیل رہتا تھا وہاں سے میسوری مصنوعات خلیج فارس اور بحیرہ احمر کے راستہ دوسرے ممالک میں بھیجی جاتی تھیں حجاز کے شہر جدہ اور ایران کے شہر ہرمز میں موتیوں کی خریداری

کیلئے دو الگ الگ مرکز قائم کئے گئے تھے درآمدی اشیاء میں گھوڑے ریشم کے کپڑے موتی تانبہ اور کھجور وغیرہ ہوتا جبکہ یہاں سے چاول ہاتھی کے دانت ریشمی کپڑے گرم مصالحے صندل اور عمارتی لکڑیاں وغیرہ برآمد کی جاتیں ۵/۶ بڑے تجارتی جہاز صرف مینگلور سے عمان کا سال بھر چکر لگاتے رہتے تھے اوسط درجہ کی اور چھوٹی کشتیاں اس کے علاوہ تھیں اندرون سلطنت میسور سے کیر الاسامان تجارت لانے لے جانے کیلئے دو سو بیل سال بھر مصروف رہتے تھے وسط ایشیاء کی ریاست آرمینیہ سے غیر ملکی تاجروں کو میسور کی حدود میں لاکر بسایا گیا تھا سلطان کی نرم تجارتی پالیسی سے فائدہ اٹھا کر ترکی ایران اور حجاز وغیرہ کے تاجر بھی یہاں آکر آباد ہوگئے تھے میسور سامان تجارت لانے والے چینی سوداگروں کو ملیبار کے ڈاکو تنگ کرتے تھے سلطان نے ان کی حفاظت کیلئے کئی جہاز مقرر کردئے تھے غیر ملکی تجارت کیلئے وزارت سے باقاعدہ اجازت نامے (لائسنس) جاری کئے جاتے تھے انگریزوں کی تجارتی کمپنیوں کو سلطنت میں تجارت کی ممانعت تھی میسوری تاجروں کو ان کے ہاتھوں مال فروخت کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی جس کی وجہ سے تلچری میں ایک مدت سے جاری انگریزوں کی تجارت زوال پذیر ہو گئی جس کے بعد انگریز مسقطی تاجروں کے بھیس آکر مینگلور میں چاول وغیرہ خریدنے لگے سلطان کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے ایک فرمان فوراً جاری کردیا کہ غیر ملکی تاجر اپنا پاسپورٹ یعنی شناختی کارڈ یا وہاں کے داروغہ کے دستخط دکھا کر ہی کوئی مال خرید سکتے ہیں ورنہ نہیں، شروع میں پرتگالیوں کیلئے بھی اس نے اپنی سلطنت میں تجارتی مراعات ختم کردی تھی اس لئے کہ انہوں نے اس کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا تھا لیکن ۱۷۹۱ء میں جب انہوں نے کاروار کے قریب سداشیوگڑھ کا انخلاء کردیا تو ان کے خلاف عائد تجارتی پابندیوں کو اس نے اٹھادیا

خام سونا ہاتھی کے دانت صندل کی لکڑی اور گرم مسالے پر حکومت ہی کی اجارہ داری تھی اور ان چیزوں کی فروخت کیلئے پوری ریاست میں جگہ جگہ سرکاری دوکانیں کھولی گئی تھیں عوام کی سہولت کیلئے تجارتی اصول وضوابط پر مشتمل ایک کتاب بھی اس نے احکام کے نام سے لکھوائی تھی

صنعت وحرفت کی ترقی

عہد ٹیپو میں سلطنت خداداد نے صنعتی میدان میں بھی اپنی ہمسایہ ریاستوں کے مقابلہ میں کافی ترقی کی میسوری کاریگروں کی رہنمائی کیلئے غیر ملکی ماہرین اعلی تنخواہوں پر مقرر تھے خلیفہ روم کی خدمت میں سلطان کی طرف سے حاضر ہونے والے وفد نے بھی سلطان سلیم سے سونے چاندی کی کانوں میں تجربہ رکھنے والے ماہر کاریگروں کو اپنے ساتھ میسور بھیجنے کی درخواست کی تھی فرانسیسی کاریگروں کی مدد سے سلطان نے پوری دنیا میں پہلی دفعہ پانی سے چلنے والا ایک ایسا انجن تیار کیا تھا جو توپوں میں سوراخ کرتا تھا فوج کیلئے اکثر اسلحہ خود مملکت میں تیار ہوتا تھا اس کے لئے ٹیپو نے مختلف کارخانے قائم کئے تھے ان کارخانوں کے قیام سے ایک طرف بے روزگاروں کو روزگار ملا تو دوسری طرف سلطنت خداداد کا درآمدات پر انحصار کم سے کم ہوتا گیا سری رنگاپٹنم میں لوہے کے کارخانوں اور اسلحہ کے مراکز کے علاوہ کاغذ سازی کا ایک بڑا کارخانہ تھا میسور میں بارود شیشہ اور

آلات موسیقی تیار ہوتے تھے شہر کے قریب ہی سنگ تراشی کا بھی اعلیٰ پیمانہ پر نظم تھا چن پٹن میں شکر کے کارخانوں کے علاوہ شیشے کے آلات بھی تیار ہوتے تھے بنگلور میں بنکروں کی ایک بڑی ٹیم مختلف جگہوں پر صبح و شام مختلف قسم کے کپڑے تیار کرتی تھی دھاڑواڑ میسور بنگلور فرخ آباد سری رنگا پٹنم بدنور کالی کٹ گوٹی چتلدرگ سیتا منگلم اور ڈنڈیگل میں سونے چاندی اور تانبے کے سکوں کے ڈھالنے کے کارخانے تھے مسقط اور بنگال سے ریشم کے کیڑے منگوا کر اس کی پرورش کی جاتی تھی ریشمی کیڑونش کیلئے جگہ جگہ شہتوت کے درخت لگائے گئے تھے اس طرح ریاست کرناٹک کی ریشمی صنعت کی وجہ سے موجود عالمی شہرت کا سہرا بھی ٹیپو ہی کے سر جاتا تھا کولار میں کانوں سے سونا نکال کر صاف کیا جاتا تھا کیرلا کے ساحل پر سمندر سے موتی نکالنے کیلئے بحرین اور مسقط سے ماہرین طلب کئے گئے تھے شیموگہ میں صندل کی لکڑی سے عمدہ اشیاء تیار کر کے باہر ملکوں میں فروخت کی جاتی تھیں اسلحہ سازی کیلئے قائم مختلف کارخانوں میں سے صرف بدنور کے ایک کارخانہ میں سالانہ بیس ہزار سے زائد بندوقیں تیار ہوتی تھیں غرض یہ کہ ضروریات زندگی کا اکثر سامان خود مملکت میں تیار ہوتا تھا اور مختلف چیزوں کے تیس سے زائد بڑے کارخانے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔

اسلحہ سازی

سلطانی فوج میں اگرچہ ملکی اور غیر ملکی ساخت دونوں قسم کے ہتھیار تھے لیکن وہ عام طور پر خود اپنے ملک میں ہتھیاروں ہی کو ترجیح دیتا تھا بنگلور سری رنگا پٹنم

چتل درگ اور بدنور (حیدر نگر) میں ہتھیار سازی کے چار بڑے کارخانے قائم تھے جہاں تلوار بندوق تیر اور نیزہ کے علاوہ گولے اور ہلکی توپیں بھی فرانسیسی ماہرین کی مدد سے تیار کی جاتی تھیں چونکہ میسوری گولوں کے دہانے عام طور پر انگریزی توپوں سے بڑے ہوتے تھے اس لیے گولہ باری میں سلطانی افواج کو اپنے دشمنوں پر ہمیشہ فوقیت حاصل رہتی اس کے توپ خانہ کی دور دور تک شہرت تھی صرف توپ خانوں کو کھینچنے کیلئے چالیس ہزار بیل مقرر تھے بدنور کے کارخانہ میں سالانہ بیس ہزار بندوقیں تیار ہوتی تھیں سقوط سری رنگا پٹنم کے بعد انگریزوں کو جو مال غنیمت ہاتھ لگا اس میں ساٹھ ہزار بندوقیں بارہ ہزار گولے پانچ لاکھ گولیاں اور ۹۲۰ دور مار توپوں کے علاوہ بے شمار بارود و دوسرا اسلحہ تھا راکٹ سب سے پہلے اسی نے ایجاد کیا قسطنطنیہ کے سرکاری وفد کے ساتھ اس نے خلیفہ روم کی خدمت میں خود میسور میں تیار کردہ راکٹ کے نمونے بھی بھیجے تھے اس وقت خود امریکہ میں راکٹ سازی کی تاریخ مرتب کرنے والوں نے ٹیپو کا نام اس کے بانیوں میں لکھا ہے اور ایک جرمن محقق انجینیئر بھی ٹیپو کے اسلحہ پر تحقیق کر رہا ہے" اس نے اپنی ذہانت سے ایسی ڈھالیں بھی تیار کرائی تھیں جس پر تیر یا گولے اثر انداز نہیں ہوتے تھے ایسی بکتر بند گاڑیاں بھی بنائی تھیں جس پر گولیوں کا اثر نہیں ہوتا تھا نئی وضع کی بندوقیں بنانے کا اس کو ہمیشہ شوق تھا اس کے یہاں کارخانوں میں تیار ہونے والوں تمام اسلحوں پر کارخانہ کے ناظم مقام وغیرہ کی تفصیلات کندہ ہوتی تھیں اس کے استعمال کیلئے خصوصی طور پر جو ہتھیار تیار ہوتے اس پر اسد اللہ الغالب لکھا جاتا غرض یہ کہ صنعت و حرفت کے اس شعبہ یعنی اسلحہ سازی میں بھی وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ممتاز ہی تھا

زراعت

تجارتی و صنعتی میدان کی طرح سلطنت خداداد نے زرعی میدان میں بھی کافی ترقی کی تھی انگریز مورخ کیپٹن لٹل نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب ہم ٹیپو کی سلطنت میں داخل ہوئے تو زمین کا کوئی حصہ بنجر نہیں تھا ہر جگہ کھیتیاں لہراتی تھیں ملک کے دیگر خطوں کی طرح سلطنت میسور میں بھی جاگیرداروں کی کثرت تھی یہ لوگ پالیگار کہلاتے تھے اور پنے اپنے علاقوں میں آزاد و خود مختار تھے حکومت کو ایک مقررہ رقم خراج میں ادا کرتے تھے اور اس سے زیادہ خود کسانوں سے وصول کرتے تھے اس طرح کسانوں کا محصول سرکار کو ان پالیگاروں کے ذریعہ ہی پہنچتا تھا ان کی اپنی فوج بھی ہوتی تھی اور یہ لوگ آپس میں لڑتے بھی رہتے تھے یہ نظام صدیوں سے اس علاقہ میں چلا آرہا تھا ٹیپو نے غریب کسانوں کا استحصال کرنے والے زمینداروں کے اس نظام میں تبدیلی کی پالیگارانہ نظام کو ختم کیا اور کاشت کاروں کی سہولت کیلئے زمین کو سرکار کی ملکیت قرار دیا اس طرح وہ اس علاقہ کا پہلا حکمران تھا جس نے ایک زمانہ سے چلے آرہے زمیندارانہ نظام کو ختم کر دیا اور کسانوں کا براہ راست سرکار سے تعلق قائم کر دیا جاگیرداروں کے پاس موجود فالتو زمینوں کو اس نے غریب کاشتکاروں میں تقسیم کر دیا اس طرح زراعت کے میدان میں زمین داروں کی اجارہ داری ختم ہو گئی زراعت و باغبانی کی تعلیم و تربیت کیلئے مختلف مراکز بھی قائم کئے بنجر پہاڑی و پتھریلی اراضی پر غریبوں کیلئے پہلے سال کاشت کی شرط پر محصول معاف کر دیا جاتا دوسرے سال بھی ان سے عام کسانوں کے مقابلہ میں صرف ایک چوتھائی محصول وصول کیا جاتا اس طرح سال بہ سال ان کی

مالی حالت و خوشحالی کو دیکھ کر اسمیں اضافہ کیا جاتا سوپاری کی شجر کاری پر پانچ سال تک ٹیکس معاف تھا اس کے بعد بھی پھل لگنے تک عام محصول کا نصف حصہ ہی وصول کیا جاتا پان کی کاشت کرنے والوں کیلئے بھی تین سال تک نصف محصول معاف تھا کچھ اسی طرح کی سہولت ناریل کے درخت لگانے والوں کے ساتھ بھی تھی جن درختوں میں دس سے کم ناریل لگتے اس کو محصول سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا کاجو الائچی اور سبزیوں پر بھی محصول معاف تھا غریب کسانوں کو سرکار کی طرف سے بیل ہل اور بیج دئے جاتے بالائی خرچ کیلئے بیس تا تیس روپئے ان کو الگ سے ملتے تھے جاگیرداروں کے استحصال سے غریب کسانوں کو بچانے کی ذمہ داری سلطان نے ہر ضلع میں وہاں کے عملدار (کمشنر) کو دی تھی وہ فصل تیار ہونے پر پورے ضلع کا دورہ کرتا اور اس کی رپورٹ تیار کر کے سلطان کے پاس بھیجتا اگر کسی مزدور کو بغیر اجرت کے کھیت میں کام پر لگایا جاتا تو تحقیق کے بعد اس زمیندار کی پوری فصل ضبط کر لی جاتی اگر خود کسان زمیندار کے ظلم کی شکایت کرتا تو خوش حال زمیندار سے بیس پگوڈا اور متوسط زمیندار سے دس پگوڈا بطور جرمانہ وصول کیا جاتا محصول کی ادائیگی کے لئے کسانوں کو غیر معمولی سہولت تھی وہ سال میں تین قسطوں میں بھی اپنا محصول سرکاری خزانہ میں جمع کر سکتے تھے اگر فصل خراب ہوتی تو اس پر محصول معاف کر دیا جاتا غیر زرعی مقاصد کیلئے ناجائز طور پر قبضہ کی ہوئی زمینوں کو اس نے واپس لینے کا حکم دیا تھا اگر کاشت کار زمین پر کھیتی نہیں کرتے یا محصول کی ادائیگی میں بلاوجہ ٹال مٹول سے کام لیتے تو حکومت اس سے زمین واپس لے لیتی تھی افسران کو حکومت کی طرف سے انعام میں جاگیریں دینے کا جو سلسلہ چلا آرہا تھا اس

نے اس کو بھی ختم کردیا جو کسان تالاب دریا وغیرہ سے آب پاشی کرتے ان پر محصول کم تھا بالمقابل ان کسانوں کے جن کی زمینوں کی سیرابی کا انحصار صرف بارش پر ہوتا ان سے ایک تہائی محصول اور وہ بھی نقد وصول کیا جاتا شہتوت کی کاشت کی تربیت کیلئے اس نے کئی لوگوں کو چین روانہ کیا تھا جو وہاں سے شہتوت کی چند شاخیں بھی اپنے ساتھ لے آئے تھے گرم مسالہ کا ایک خاص پودہ سلطنت میسور میں نہیں پایا جاتا تھا اس پودہ کو خصوصی اہتمام سے ٹرانکور سے منگوا کر اس کی کی میسور میں کاشت کرائی گئی تھی باغبانی کا سلطان بے حد شوقین تھا ۱۷۸۷ء میں فرانس سے اس نے ماہر باغبانوں کو میسور بلایا تھا دارالسلطنت اور بنگلور میں اس نے لال باغ بنوایا تھا بنگلور کا باغ اب بھی موجود ہے کسانوں کی سہولت کیلئے مختلف دریاؤں پر بڑے بڑے بند تعمیر کئے گئے تھے جن سے خشک زمینوں کو قابل کاشت بنانے کے علاوہ دوسرے کام بھی لئے جاتے تھے دریائے کاویری پر مغربی جانب پندرہ کلومیٹر کے فاصلہ پر اس نے ایک بڑے بند کی تعمیر کی بنیاد رکھی تھی لیکن وہ اس کو مکمل نہیں کرسکا اسی جگہ آج ریاست کرناٹک کا مشہور کرشنا ساگر ڈیم تعمیر ہوا ہے غرض یہ کہ سلطنت خداداد میں اکثر غذائی اجناس کی کاشت ہوتی تھی اور اس معاملہ میں سلطان کی سلطنت بڑی حد تک خود کفیل تھی البتہ بھنگ کی کاشت کی پوری سلطنت میں ممانعت تھی کھجور کے علاوہ ان تمام پھلوں کو بھی کٹوا دیا گیا تھا جن سے عام طور پر شراب ہی تیار کی جاتی تھی حالانکہ اس سے اس کو سالانہ اس زمانہ کے حساب سے ایک کروڑ روپئے کی آمدنی سے ہاتھ دھونا پڑا تھا لیکن اپنی رعایا کو شراب کے مضرات سے بچانے کیلئے اس نے اس خسارہ کو بھی برداشت کیا ۱۷۹۲ء میں ایک شاہی فرمان جاری کر کے اس نے مجرموں کیلئے ایک انوکھی سزا تجویز کی تھی جس کے مطابق ان کو ان کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے ایک ایک درخت لگا کر اسمیں پھل آنے تک قید کی سزا کاٹنی پڑتی تھی

خلاصہ یہ کہ عہد ٹیپو میں پوری سلطنت میں ایک سبز انقلاب آگیا تھا اور اس کی زرعی پالیسی کی وجہ سے غریب کسان جاگیرداروں کے استحصال اور ان کے ظلم و ستم سے بڑی حد تک محفوظ ہوگئے تھے

ٹیپو کی صلاحیتوں کا دشمنوں کی طرف سے اعتراف

سلطان ٹیپو کو اگرچہ ۱۷۹۹ء میں انگریزوں کے مقابلہ میں بعض ناگزیر وجوہات و اسباب کی بناء پر شکست ہوئی اور اس کی شہادت کے ساتھ ہی سلطنت خداداد کا بھی زوال ہوا لیکن خود اس کے دشمن بھی اس کے معترف تھے کہ بذات خود ٹیپو ایک غیر معمولی انسان قابل حکمران بہترین منتظم اور ایک کامیاب سپاہی تھا جس کے ثبوت میں ہم اس کی ذات اور حکومت سے متعلق غیر مسلم بالخصوص انگریز مؤرخین کی بعض آراء نقل کر رہے ہیں جس کے مطالعہ سے اس کی عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے

۱) انگریز مؤرخ مینکنزی

ٹیپو نے اپنی ریاست کے معاشی وسائل کو جس طرح منظم کیا آس پاس کی سلطنتوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

۲) سر جان اینس تھروڈ

ٹیپو کا زوال انگریزوں کی تاریخ کا سب سے بڑا اور شاندار کارنامہ ہے

۳) میجر باسو

وہ حقیقی معنوں میں خدا پرست تھا وہ دو رخی پالیسی نہیں رکھتا تھا کذب و ریا کاری سے ہمیشہ اجتناب کرتا تھا۔

۴) انگریز مؤرخ مل

ایک مشرقی حکمران ہوتے ہوئے بھی وہ علم کا خزانہ تھا

۵) کیپٹن لٹل (میسور کی تیسری جنگ میں شریک فوجی افسر)

جب ہم سلطنت خداداد میں داخل ہوئے تو محسوس ہوا کہ ٹیپو کی فوج اور اس کی تنظیم یورپ کے کسی بھی مہذب ملک سے پیچھے نہیں ہے

۶) لارڈ کارنوالس (ہندوستان میں انگریز گورنر جنرل)

اگر ٹیپو کو اسی طرح چھوڑ دیا جاتا تو ہمیں ہندوستان کو خیرباد کہنا پڑتا

۷) میجر آلن (میسور کی چوتھی جنگ میں شریک فوجی افسر)

ٹیپو ایک بادشاہ کے ساتھ ساتھ ایک بڑا تاجر بھی تھا اس کی شہادت کے بعد جب میں نے اس کو مقام حادثہ پر دیکھا تو اس کے چہرہ سے وقار ٹپک رہا تھا جو اس کو عام لوگوں سے ممتاز کر رہا تھا

۸) لارڈ ولزلی (چوتھی جنگ میں انگریز گورنر جنرل)

ٹیپو کی موت کے بعد کسی بھی حکمران کو ہمارے خلاف کچھ کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔

۹) مغربی دانشور مور

اگر کوئی شخص کسی اجنبی ملک میں جائے اور دیکھے کہ وہاں کے لوگ خوشحال ہیں شہر آباد ہیں زراعت عروج پر ہے صنعت وحرفت ترقی پر ہے اور تجارت کو فروغ مل رہا ہے تو سمجھ لے کہ حکومت وہاں عوام کی منشاء کے مطابق ہے بالکل یہی ٹیپو کی حکومت کا بھی نقشہ تھا اور میں نے اس کو اسی طرح پایا

۱۰) اسکاٹ

انگریزوں کی ہندوستان آمد سے لیکر ۱۸۰۰ء تک کا سب سے بڑا اور اہم واقعہ ٹیپو کا زوال ہے

۱۱) مرہٹہ سردار ناناصاحب

ٹیپو کے ختم ہونے سے برطانوی طاقت میں اضافہ ہو گیا اور پورہ ہندوستان عملا ان کا ہو گیا اور برے دن آگئے

۱۲) جنرل منزو (۱۸۲۰ء میں مدراس کا گورنر)

ٹیپو کی حکومت کے ہر شعبہ میں چاہے وہ فوجی ہو یا غیر فوجی باضابطگی پائی جاتی تھی وہاں غیر جانب داری سے انصاف کیا جاتا تھا

۱۳) انگریز مؤرخ ڈویل

ٹیپو ہندوستان کا پہلا حکمران تھا جس نے اپنے نظم ونسق میں مغربی طور طریقے داخل کرنے کی کوشش کی

۱۴) ولیم میکلوڈ

ٹیپو ایک ایسا حکمران تھا جس نے اپنی فوج کو ایک منصوبہ کے تحت منظم کیا اس معاملہ میں وہ غیر مقلد تھا

۱۵) میکارٹنی (۱۷۸۲ء میں مدراس کا انگریز گورنر)

ٹیپو حیدر علی کے مقابلہ میں زیادہ خدا پرست اور متمدن کردار کا مالک تھا

۱۶) مشہور مؤرخ سنکلیر (مصنف تاریخ ہند)

ٹیپو کی ہندو مسلم رعایا اس پر فدا تھی وہ عوام میں نہایت ہی ہر دلعزیز تھا

۱۷) ڈبلیو ٹارنس (رکن برطانوی پارلیمان)

پورے ہندوستان میں ٹیپو کے ماتحت علاقے سب سے زیادہ سرسبز وشاداب اور اس کے باشندے سب سے زیادہ خوشحال تھے

۱۸) پروفیسر جائے سر

ٹیپو اپنے عہد سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا

۱۹) ڈاکٹر جان آر ہنڈرسن

ٹیپو کی شخصیت کی نظیر ہندوستان پھر نہیں دیکھ سکے گا

۲۰) امریکن مؤرخ برڈزاو کلف

ٹیپو ان ذلیل انسانوں کی طرح نہیں مرا جو اپنی جان بچانے کے لئے اپنے دشمنوں کے سامنے جھک جاتے ہیں

۲۱) انگریز جنرل سر ٹامس منزو (اپنی سوانح عمری میں)

سلطنت خداداد میں تمام طبقات کے ساتھ بلاامتیاز عدل کا برتاؤ ہوتا تھا جس سے اس کی حکومت میں ایسی طاقت ہو گئی تھی جس کی مثال سے اب تک ہندوستان خالی ہے

کچھ ذکر غیر معروف مقامات کا

اس کتاب میں سلطان شہید کی سوانح حیات کے مطالعہ کے دوران قارئین کو بعض ایسے مقامات بھی نظر آئینگے جو ان کیلئے یقیناً غیر معروف ہونگے لیکن سلطنت خداداد میں ان علاقوں کی فوجی اہمیت کی وجہ سے ان کا ذکر ہمارے لئے ناگزیر تھا اگرچہ بعض شہروں و گاؤں کے ناموں میں اب تبدیلی ہو چکی ہے لیکن ہم نے عہد ٹیپو میں مروج ناموں کے ساتھ ہی اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے البتہ قارئین کی سہولت کیلئے ہم ان مقامات کی ان کے موجودہ محل وقوع کے ساتھ اگلے صفحات میں کچھ تفصیلات درج کر رہے ہیں تاکہ دوران مطالعہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو آسانی ہو۔ شہروں کے اس انڈکس کی تیاری میں راقم الحروف کو سب سے زیادہ تعاون روزنامہ آفتاب میسور کے ایڈیٹر محترم ڈاکٹر شفیع احمد شریف صاحب کا حاصل رہا۔ جنہوں نے اپنی بے پناہ مشغولیتوں کے باوجود اس سلسلہ میں میری مدد کی میں اس کے لئے ان کا انتہائی مشکور و ممنون ہوں۔

"الیاس"

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
۱) ارکاٹ	موجودہ ریاست تامل ناڈو کا ایک ضلع و شہر عہد ٹیپو میں اس کی ایک پڑوسی حکومت کا نام
۲) اچنگی درگ (ہوچنگی درگ)	کرناٹک کے ضلع چتل درگ کا ایک گاؤں
۳) ادھونی	ریاست کرناٹک میں ضلع بلاری کا ایک شہر اور ٹیپو کے دور میں ایک اسلامی حکومت جسکا قلعہ اپنی مضبوطی کے لئے مشہور تھا
۴) ارمز	ایران کا ایک شہر جہاں سلطان ٹیپو نے موتیوں کی خریداری کے لئے اپنی ایک تجارتی کوٹھی قائم کی تھی
۵) آرمینیہ	وسط ایشیاء کا ایک نو آزاد ملک
۶) آمبور	تامل ناڈو کا ایک مشہور شہر
۷) اودھ	فی الوقت لکھنؤ (اتر پردیش کا دارالسلطنت) اور سابق میں شمالی ہند کی ایک ریاست
۸) احمد نگر	صوبہ مہاراشٹرا کا ایک تاریخی شہر
۹) اندور	مدھیہ پردیش کا ایک شہر

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
۱۰) اجمیر	راجستھان کا ایک تاریخی شہر جہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا مزار موجود ہے
۱۱) اسکندریہ	مصر کا ایک شہر
۱۲) آنیکل	کرناٹک کا ایک شہر
۱۳) انکولہ	کرناٹک کے ضلع کاروار کا ایک شہر
۱۴) آئرلینڈ	یورپ کا ایک ملک
۱۵) اٹلی	یورپ کا ایک ملک
۱۶) اننت پور	موجودہ اندھرا پردیش کا ضلعی مرکز
(ب)	
۱۷) بودی کوٹہ	ریاست کرناٹک میں ضلع کولار کا ایک گاؤں اور نواب حیدر علی کی جائے پیدائش
۱۸) بلاری	کرناٹک کا ایک ضلع و شہر
۱۹) بدنور	کرناٹک کی مغربی سرحد پر ضلع کاروار کا ایک شہر جس کا نام حیدر علی نے حیدر نگر رکھا تھا
۲۰) بکسر	اتر پردیش میں شہر بنارس کے مشرق میں ایک مقام
۲۱) بادامی	کرناٹک کے ضلع بیجاپور کا ایک گاؤں

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
۲۲) بھٹکل	کرناٹک کے ضلع کاروار کا ایک گاؤں اور تاریخی مقام
۲۳) بنکاپور	کرناٹک کے ضلع دھاڑواڑ کا ایک قصبہ
۲۴) بیدر	کرناٹک کا ایک ضلع و شہر
۲۵) بیجاپور	کرناٹک کا ایک ضلع و شہر
۲۶) بودی کنڈا	کرناٹک میں ضلع شیموگہ کا ایک قصبہ
۲۷) بارہ محل	عہد مغلیہ میں تامل ناڈو و کرناٹک کے جنوبی حصوں اور دیگر جنوبی علاقوں کو بارہ محل کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔
۲۸) بالاپور	کرناٹک کے دو قصبے جو اس وقت چکبالاپور اور ڈوڈا بالاپور کے نام سے مشہور ہیں۔
۲۹) بالاگھاٹ	مدراس کا علاقہ
۳۰) بصرہ	عراق کا ایک تاریخی شہر
۳۱) بینگلور	کرناٹک کا پایہ تخت
۳۲) بلجیم	یورپ کا ایک ملک
۳۳) بوشہر	ایران کا ایک شہر
۳۴) بمبئی	مہاراشٹرا کا پایہ تخت

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
(پ)	
۳۵) پنگانوری	ضلع میسور کا ایک گاؤں
۳۶) پنگل	حیدرآباد کے نواح میں ایک مقام
۳۷) پونانی	کیرالا کے ضلع پالگھاٹ کا ایک گاؤں
۳۸) پانڈیچری	ہندوستان کی مرکزی حکومت کے ماتحت جنوب مشرقی ساحل پر واقع ایک صوبہ
۳۹) پلاسی	بنگال کا ایک تاریخی شہر
۴۰) پانی پت	ہریانہ کا ایک تاریخی شہر
۴۱) پونہ	مہاراشٹرا کا ایک تاریخی شہر اور ٹیپو کی ایک معاصر حکومت مرہٹہ کا پایہ تخت
۴۲) پائیں گھاٹ	ملک میں مغربی گھاٹ کا علاقہ
۴۳) پنکنڈہ	کرناٹک کے بلاری ضلع کا مشہور قصبہ
۴۴) پیرس	فرانس کا پایہ تخت

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
(ت)	
۴۵) تالی کوٹ	جنوبی ہند میں دریائے کرشنا سے ۲۵ میل دور شمال میں واقع ایک مقام
۴۶) ترچناپلی	ریاست تامل ناڈو کا ایک گاؤں
۴۷) تھانیسر	دہلی کے قریب ایک مقام
۴۸) تلچری	صوبہ کیرلا کا ایک شہر
۴۹) تنجاور	ریاست کرناٹک کی ایک مشہور زیارت گاہ
۵۰) ترپاتور	کرناٹک کا ایک مشہور شہر
۵۱) ترپتی	آندھرا پردیش میں ہندوؤں کا ایک مقدس شہر
(ٹ)	
۵۲) ٹراونکور	صوبہ کیرالا میں شہر کوچین سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر ایک علاقہ
۵۳) ٹیناولی (ٹرناویلی)	اندھرا پردیش کا ایک ضلعی شہر

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
(ج)	
۵۴) جودھ پور	راجستھان کا ایک مشہور شہر
۵۵) جدہ	سعودی عربیہ کا سب سے بڑا تجارتی اور ساحلی شہر
۵۶) جئے پور	راجستھان کا پایہ تخت
(چ)	
۵۷) چتور	ریاست آندھرا پردیش میں مدراس و بنگلور کے درمیان واقع ایک شہر
۵۸) چتل درگ	کرناٹک کا ایک شہر
۵۹) چینا پٹنم	تامل ناڈو کے دارالسلطنت مدراس کا پرانہ نام
۶۰) چاڈگام	بنگلہ دیش کا ایک تاریخی و تجارتی شہر
۶۱) چک بالاپور	کرناٹک میں ضلع کولار کا ایک قصبہ
۶۲) چندرگی واگ	کرناٹک کے ضلع چتل درگ کا ایک قصبہ
۶۳) چنگیری	کرناٹک کے ضلع شیموگہ کا ایک قصبہ
۶۴) چن پٹن	کرناٹک کے ضلع بینگلور کا ایک اہم شہر

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
(ح)	
۶۵) حیدر نگر	کرناٹک کے ضلع کاروار کے ایک گاؤں بدنور کا پرانا نام
۶۶) حضر موت	ملک یمن کا ایک تاریخی شہر
۶۷) حیدر آباد	اندھرا پردیش کا پایہ تخت
(خ)	
۶۸) خراسان	ایران کے مشرق میں افغانستان کے مغربی پہلو میں واقع ایک شہر
(د)	
۶۹) دوارکا	گجرات کے ساحل پر ایک مقام، کہا جاتا ہے کہ یہاں سری کرشنا کی حکومت تھی
۷۰) دیون ہلی	بنگلور کے شمال مشرق میں ۲۲ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں اور سلطان ٹیپو کا جائے پیدائش
۷۱) دیوگیری	دکن کا ایک شہر جسکا نام پہلے دولت آباد تھا
۷۲) دھاراپور	ریاست تمل ناڈو کا ایک قصبہ

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
۷۳) دھارواڑ	کرناٹک کے ضلع ہبلی کا ایک مشہور شہر اور سابق میں مرہٹوں کا ایک مضبوط فوجی مرکز
۷۴) ڈوڈا بالاپور	بنگلور سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر ایک مقام
۷۵) ڈنڈیگل	تمل ناڈو کا ایک ضلع و شہر
(ر)	
۷۶) راس کماری (کنیا کماری)	ریاست کیرلا کا مشہور ساحلی مقام
۷۷) رائچور	کرناٹک کا ایک ضلع اور شہر
۷۸) رائے درگ	آندھرا پردیش کا ایک شہر
۷۹) رتنا گیری	مہاراشٹرا کا ایک شہر
(س)	
۸۰) سداشیو گڑھ	ریاست کرناٹک کا ایک شہر
۸۱) سرا	بنگلور سے ۲۰ میل شمال مغرب میں ضلع ٹمکور کا ایک قصبہ اور عہد عالمگیر میں جنوبی ہند کا ایک صوبہ

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
۸۲) سورت	صوبہ گجرات کا ایک ساحلی و تجارتی اور تاریخی شہر
۸۳) سری رنگا پٹن (سری رنگا پٹنم)	کرناٹک میں میسور کے قریب ایک تاریخی شہر اور سلطنت خداداد کا دارالسلطنت
۸۴) ستی منگل (منگلم)	ریاست کیرلا کا ایک شہر
۸۵) سوندور	کرناٹک کے ضلع ہبلی کا ایک تعلقہ
۸۶) سرنگیری	کرناٹک میں بلندی پر واقع ہندوؤں کا ایک مقدس مقام
۸۷) سدھوٹ	کرناٹک کا ایک قصبہ
۸۸) سیلم	ریاست تامل ناڈو کا ایک اہم شہر

(ش)

۸۹) شیموگہ	کرناٹک کا ایک ضلع اور شہر
۹۰) شاہنور	کرناٹک میں شہر ہبلی کے قریب ایک تاریخی مقام

(ق)

۹۱) قسطنطنیہ	ترکی کے موجودہ پایہ تخت استنبول کا پرانا نام
۹۲) قاہرہ	مصر کا پایہ تخت

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع

(ک)

۹۳) کرشناراج پور	کرناٹک میں شہر بنگلور کے قریب ایک گاؤں
۹۴) کولار	کرناٹک کا ایک شہر
۹۵) کنگیری	بنگلور سے شمال مشرقی جانب ۹ میل کے فاصلہ پر ایک ساحلی شہر
۹۶) کندا پور	کرناٹک کا ایک ساحلی شہر
۹۷) کوٹاپلی	بنگلور کے شمال میں ۸۳ میل کے فاصلہ پر ایک مقام
۹۸) کوئمبتور	صوبہ تامل ناڈو کا ایک شہر
۹۹) کنانور	صوبہ کیرالا کا ایک شہر
۱۰۰) کاروار	کرناٹک کا ایک ساحلی شہر
۱۰۱) کڑپہ	صوبہ آندھرا پردیش کا ایک شہر
۱۰۲) کوچین	صوبہ کیرلا کا ایک شہر
۱۰۳) کنجی ورم (کانجی ورم)	تامل ناڈو کا ایک مشہور صنعتی شہر
۱۰۴) کرغیزیہ	وسط ایشیا کی ایک نوآزاد حکومت

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
۱۰۵) کنیا کماری	
(راس کماری)	کیرلا کا ایک ساحلی مقام
۱۰۶) کارومنڈل	جنوبی ہند کا مشہور پہاڑی علاقہ
۱۰۷) کالی کٹ (کوذی کوٹ)	کیرلا کا مشہور بندرگاہی شہر
۱۰۸) کاویری پٹنم	تامل ناڈو کا ایک شہر
۱۰۹) کنگانور (کننگنور)	کرناٹک میں سری رنگاپٹن کے قریب ایک گاؤں
۱۱۰) کورگ	کرناٹک میں مغربی گھاٹ پر واقع ایک شہر
۱۱۱) کٹک	اڑیسہ کا ایک مشہور شہر
۱۱۲) کلکتہ	مغربی بنگال کی راجدھانی
۱۱۳) کنجن گڑھ (کانچی)	تامل ناڈو کا ایک شہر
۱۱۴) کڈلور	آندھرا پردیش کا ایک قصبہ
۱۱۵) کوپل	کرناٹک کے ضلع شیموگہ کا ایک قصبہ
۱۱۶) کارکل	جنوب مغربی کرناٹک کا ایک گاؤں
۱۱۷) کرنول	ریاست آندھرا پردیش کا ایک ضلع

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
(گ)	
۱۱۸) گولکنڈہ	آندھرا پردیش کا ایک شہر
۱۱۹) گنٹور	آندھرا پردیش کا ایک شہر
۱۲۰) گلبرگہ	کرناٹک کا ایک ضلع و شہر
۱۲۱) گوالیار	مدھیہ پردیش کا ایک تاریخی شہر اور سابق میں شمالی ہند میں مرہٹوں کا مرکز
۱۲۲) گھانا	افریقہ کا ایک ملک
۱۲۳) گوا	مغربی گھاٹ کی ایک مشہور ریاست، جو آزادی سے قبل پرتگال کے قبضہ میں تھی
۱۲۴) گدگ	کرناٹک کے ضلع بیجاپور کا ایک شہر
۱۲۵) گنجی کوٹہ	کرناٹک کے ضلع ہبلی کا ایک قصبہ
۱۲۶) گنتی (گوٹی)	کرناٹک کے ضلع بلاری کا ایک قلعہ
۱۲۷) گرم کنڈہ (گرم کوٹہ)	آندھرا پردیش کا ایک قصبہ

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
(ل)	
۱۲۸) لکشمی ور	کرناٹک کے ضلع دھارواڑ کا ایک قصبہ
(م)	
۱۲۹) مڈگیری	کرناٹک کا ایک شہر
۱۳۰) مصری کوٹہ	کرناٹک کے ضلع دھارواڑ میں ایک گاؤں
۱۳۱) ملباگل	کرناٹک کے ضلع کولار کا ایک گاؤں
۱۳۲) مدورا	تامل ناڈو کا ایک شہر
۱۳۳) منڈیا	کرناٹک کا ایک ضلع اور شہر
۱۳۴) مالوہ	مدھیہ پردیش کا ایک شہر
۱۳۵) مدن پلی (مدنپلی)	آندھرا پردیش کا ایک شہر
۱۳۶) مالدیپ	جنوب مغربی ایشیا میں بھارت کے مغرب میں کئی چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ایک مسلم ملک
۱۳۷) مدورائے	تامل ناڈو کے شہر مدورا کا دوسرا نام
۱۳۸) ماہی بندر	مغربی ساحل پر کالی کٹ کے قریب ایک بندرگاہ
۱۳۹) مسقط	سلطنت عمان کا پایہ تخت

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
۱۴۰) ماہی منڈل	جنوبی افریقہ کے قریب ایک جزیرہ جہاں کی اکثر آبادی ہندوستانی نژاد ہے
۱۴۱) ماریشس	ایشیاء کا ایک ملک
۱۴۲) مریج	مہاراشٹرا کا ایک شہر
۱۴۳) مینگلور	کرناٹک کا ساحلی و تجارتی شہر
۱۴۴) مدراس	تامل ناڈو کا پایہ تخت
۱۴۵) مرزان	کرناٹک میں ضلع کاروار کا ایک شہر
۱۴۶) مراد آباد	اترپردیش کا ایک شہر
۱۴۷) ملولی	کرناٹک میں بنگلور کے قریب ایک قصبہ
(ن)	
۱۴۸) نرگنڈہ	کرناٹک کے ضلع دھارواڑ کا ایک قصبہ
۱۴۹) ناگپور	مہاراشٹرا کا ایک شہر
۱۵۰) نندی	کرناٹک میں بنگلور سے ۱۸ میل کی دوری پر ایک پرفضا پہاڑی مقام
۱۵۱) نیلگیری (اوٹی)	تامل ناڈو کا ایک مشہور شہر

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
۱۵۲) نیلور	تامل ناڈو کا ایک شہر
۱۵۳) نرسنگ نرائن پیٹ	تامل ناڈو کا ایک شہر
۱۵۴) نیپال	بھارت کے شمال میں ایک ہندو سلطنت
(و)	
۱۵۵) وجے نگر	جنوبی ہند میں دریائے تنگبھدرا کے جنوب میں ایک تاریخی شہر اور سابقہ ہندو سلطنت کا مرکز
۱۵۶) وانمباڑی	ریاست تامل ناڈو کا ایک گاؤں
۱۵۷) ویلور	ریاست تامل ناڈو کا ایک شہر
(ھ)	
۱۵۸) ہوسکوٹ	بنگلور سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں
۱۵۹) ہوناور	کرناٹک کا مغربی ساحلی شہر
۱۶۰) ہنگری	یورپ کا ایک ملک
۱۶۱) ہبلی	کرناٹک کا ایک شہر
۱۶۲) ہاسن	کرناٹک کا ایک ضلع اور شہر

شہر یا گاؤں	موجودہ محل وقوع
۱۶۳) ہسور	تامل ناڈو کا ایک قصبہ (اسی نام کا ایک قصبہ بنگلور کے قریب بھی موجود ہے)
۱۶۴) ہرپن ہلی	کرناٹک کے ضلع بلاری کا ایک قصبہ
۱۶۵) ہاویری	کرناٹک کے ضلع دھارواڑ کا ایک شہر
۱۶۶) ہرات	افغانستان کا ایک شہر
۱۶۷) ہالینڈ	یورپ کا ایک ملک
(ی)	
۱۶۸) یادگیر	کرناٹک کے ضلع گلبرگہ کا ایک قصبہ
۱۶۹) یوسف آباد (دیون ہلی)	کرناٹک میں بنگلور کے قریب ایک شہر اور سلطان ٹیپو کی جائے پیدائش

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست مراجع

البدایۃ والنہایۃ	علامہ ابن کثیر
الکامل فی التاریخ	علامہ ابن اثیر
رحلۃ ابن بطوطہ	ابن بطوطہ
نشان حیدری	میر حسین علی کرمانی
حیدر علی	نریندر کرشن سنہا
صحیفہ ٹیپو سلطان	محمود خان محمود
تاریخ انگلینڈ	سید محمد عزیز الدین حسین
الہند فی العہد الاسلامی	حکیم عبدالحی حسنی
قسمات العالم الاسلامی	مصطفی مومن
تاریخ فرشتہ	محمد قاسم ہندو شاہ
وقائع احمدی	سید حیدر علی ٹونک
التاریخ الاسلامی فی الہند	عبدالمنعم النمر
نزہۃ الخواطر	حکیم عبدالحی حسنی
تاریخ ٹیپو سلطان	محب الحسن
تاریخ مرہٹہ	محمد ادریس خان نجیب آبادی
سوانح حیدر علی	سید امجد علی اشہری

سلطان جمہور	مسلم ویلاری
سوانح ٹیپو سلطان	سید امجد علی اشہری
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۲۲ جلدیں	پنجاب یونیورسٹی لاہور
انسائیکلوپیڈیا آف تاریخ عالم	ولیم ایل لنگر
اردو جامع انسائیکلوپیڈیا	جسٹس ایس اے رحمان
اسلامی انسائیکلوپیڈیا	سید قاسم محمود
تاریخ سلطنت خداداد میسور	محمود خان بنگلوری
انقلاب کی خونیں تاریخ	شوکت علی فہمی
ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ	ثروت صولت
سلطان المجاہدین	صادق حسین صدیقی
ٹیپو سلطان	پروفیسر بی، یو، شیخ علی
غازی اعظم	شاہ ابوالحسن ادیب
جنگ آزادی کے نامور مجاہدین	عشرت رحمانی
سیرت سید احمد شہید	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
تاریخ مسلمانان پاک و ہند	سید ہاشمی فرید آبادی
مختصر تاریخ ہند	مولانا ابوظفر ندوی
مکمل تاریخ اسلام	شوکت علی فہمی
ٹیپو سلطان ایکسریڈ	یم متھنا

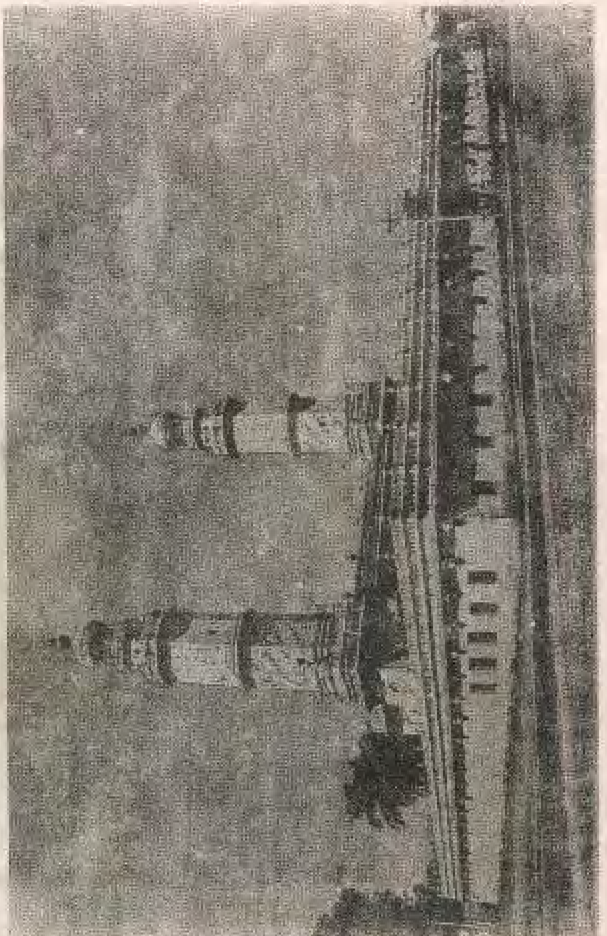
مسلم ان دکھشن کنڑا	عبدالوہاب دوڈامن
دکن کے بہمنی سلاطین	ہارون خان شیروانی
تاریخ کوکن	مومن محی الدین
ہند کی مایہ ناز بستیاں	پروفیسر بی یو شیخ علی
ٹیپو کے تذکرے مختلف ادوار میں	محمد عبداللہ بنگلوری
محاسن کے نوائط	عبدالمجید نائطی
ٹیپو سلطان اور سرنگیری مٹھ	محمد غوث مجاور
فیصلہ کن جنگیں	محمود بنگلوری
برٹش ریلیشن وتھ حیدر علی	پروفیسر بی شیخ علی
ٹیپو سلطان	یم عبداللہ بٹ
عرب و دیار ہند	خواجہ بہاءالدین اکرمی ندوی
تاریخ دعوت و عزیمت	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
مغلوں کے زوال سے قیام پاکستان تک	سید ہاشمی فرید آبادی
جنگ آزادی اٹھارہ سو ستاون	خورشید مصطفےٰ رضوی
تاریخ النوائط	نواب عزیز جنگ بہادر
مقالات سلیمان	مولانا سید سلیمان ندوی
اطلس تاریخ الاسلام	حسین مومن

داستان میسور	اکرام کاوش
تاریخ جنوبی ہند	محمود بنگلوری
ریاست میسور میں اردو	محمد خان میسوری
منورما ائیر بک ۱۹۹۲	کیرلا پریس
اذکار میسور	اکرام کاوش
سہ ماہی بصائر کراچی ٹیپو سلطان نمبر ۱۹۹۲ء	پاکستان
شہید آزادی	ڈاکٹر شفیع احمد شریف
سویز	انجمن فلاح مساجد
	مغربی بنگال ۱۹۹۴ء

اسکے علاوہ سلطان ٹیپو کے مختلف شاہی فرامین، سرکاری خطوط، مخطوطات اور اخبارات و مجلات کے خصوصی نمبرات وغیرہ

بسم اللہ ببری دار خط میں۔ ٹیپو سلطان شہیدؒ کے دست مبارک سے



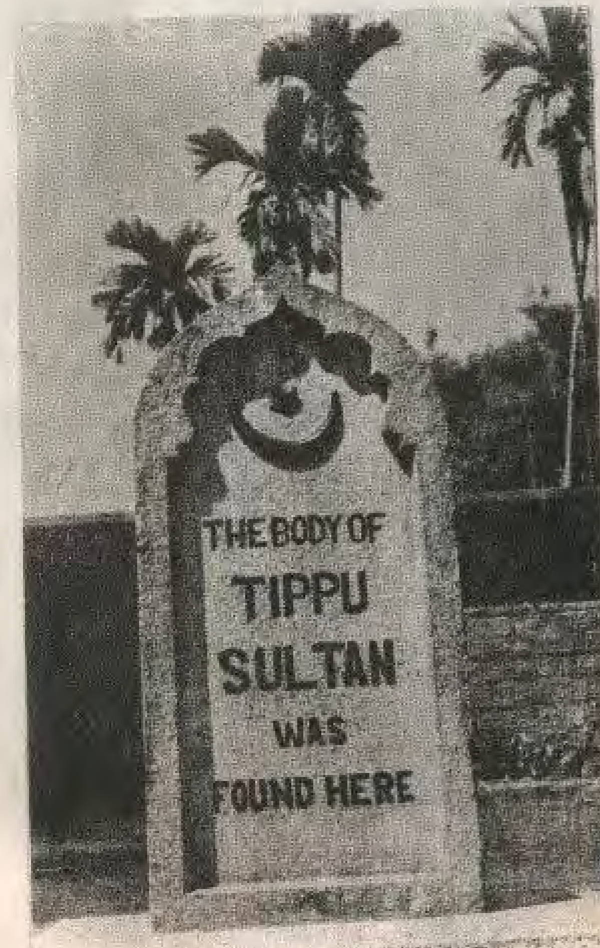


سری رنگاپٹن میں مراقش کے عربوں کے طرز پر سلطان کی ذاتی نگرانی میں بنی مسجد اعلیٰ جو آج بھی موجود ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

سری رنگا پٹن میں شاہی محل سے قریب یہ وہ جگہ ہے جہاں تلاشِ بسیار کے بعد
انگریزوں کو سلطان شہید کی لاش ملی تھی



طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com